کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

نام اکابر	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
نام کتاب	عرفان عارف
نمبر ترتیب	۳۲

دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء

دار العلوم دیوبند
۱۲۸۳ھ
۱۸۶۶ء

نحمدہٗ ونصلّی

عرفانِ عارف

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب
مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے منظوم کلام
کا مکمل مجموعہ

مرتب: ــــــــ محمد اسلم رمزی، قاسمی (فاضلِ دیوبند)

ناشر

کتب خانہ قاسمی دیوبند (یو، پی)

اس مجموعہ کے جملہ حقوقِ طبع و نشر دائمی طور پر بحق
کتب خانہ قاسمی دیوبند محفوظ ہیں :

سالِ طبع :—————— ۱۹۶۷ء
صفحات :—————— ۲۶۴
تعداد طبع :—————— ایک ہزار
مطبوعہ :—————— وسیم فائن آرٹ پرنٹنگ پریس دیوبند
قیمت مجلد معہ گرد پوش :—————— ۳/۲۵

یہ اور اس کے علاوہ ہر قسم کی مذہبی، علمی، تاریخی، درسی اور غیر درسی کتب ہمیشہ ذیل کے پتے سے براہِ راست طلب فرمائیں۔ فرمائش بھیجنے سے قبل ایک کارڈ لکھ کر مفت فہرست کتب طلب فرمائیں۔

کتب خانہ قاسمی دیوبند یوپی

فہرست مشتملات عرفان عارف

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
	پیش لفظ	۵
۱	حمدِ الٰہی	۱۰
۲	نعت رسالت پناہیؐ	۱۱
۳	بارگاہِ نبوت میں فریاد	۱۲
۴	اسلام کی روانی	۱۵
۵	سپاس و تشکر	۱۸
۶	سپاس و اخلاص	۲۲
۷	سپاس تہنیت اختصاص	۲۴
۸	خیر مقدم	۲۹
۹	نوحۂ غم و نغمۂ شادی	۳۰
۱۰	تہنیت سالگرہ مہاراجہ شیر سنگھ والی ریاست اندر گڈھ (راجپوتانہ)	۳۵
۱۱	شکریہ سلطان العلوم نظام دکن	۳۷
۱۲	خروشِ جگر	۳۸
۱۳	ذکرِ محمود	۴۰
۱۴	مسدس کوثر العلوم	۴۳
۱۵	فکر حزیں (مرثیہ حضرت نانوتویؒ قدس سرہٗ مع ذکر دار العلوم)	۵۸
۱۶	نالۂ دل (مرثیہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مع ذکر تحریک خلافت)	۶۳
۱۷	آہِ دردمنداں (مرثیہ حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ)	۷۸
	نعت نبویؐ	۸۱
۱۹	خوش آمدید	۸۲
۲۰	دعاء پدر	۸۶
۲۱	ہدیہ دعاء و تہنیت	۹۱
۲۲	نامۂ دعاء و نصیحت	۹۹
۲۳	تجارت دنیا و آخرت	
۲۴	دعوتِ آم	۱۰۶
۲۵	کیلا	۱۱۶
۲۶	دعوتِ چائے	۱۱۷
۲۷	مقصدِ زندگی	۱۲۰

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۲۸	مرکزِ فجور و تقویٰ	۱۲۱
۲۹	جواب مجذوب بہ نظم مرغوب	۱۲۳
۳۰	استقبالِ مجاہد	۱۲۹
۳۱	زرد از زردی	۱۳۱
۳۲	دین اور وطن	۱۳۴
۳۳	بہرہ ور	۱۳۵
۳۴	حکمت و عبرت	۱۳۵
۳۵	یادِ رفتگاں	۱۳۶
۳۶	فغانِ غم	۱۳۸
۳۷	ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں	۱۴۰
۳۸	مشکوۂ ایام	۱۴۲
۳۹	جبر و اختیار	۱۴۴
۴۰	حیاۃ النبیؐ	۱۴۵
۴۱	نعمتِ دوام	۱۴۵
۴۲	ہست و نیست	۱۴۶
۴۳	نواسنجِ انا الحق	۱۴۹
۴۴	تہنیت حج	۱۵۰
۴۵	مسلسل منظوم	۱۵۱
۴۶	تہنیتِ نکاح	۱۵۹
۴۷	انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟	۱۶۴
۴۸	آنکھ کی کہانی	۱۶۵
۴۹	دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند	۲۲۱
۵۰	نظمِ سارٹیفکٹ برائے محاسبی دارالعلوم دیوبند	۲۲۳
۵۱	پیغامِ دعوت و تبلیغ	۲۲۸
۵۲	نویدِ مسرت و ہدیۂ دعاء	۲۴۲
۵۳	فکاہیہ (عربی نظم بقافیہ ہندی)	۲۵۳
۵۴	مشاہیر امت (نظم عربی)	۲۶۰
۵۵	قاسم العلوم والخیرات	۲۶۲
۵۶	اوزان مبالغہ	۲۶۳
۵۷	سبعۃ احرف	۲۶۴

⁂

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

یہ بات اس ادارے کے لیے باعثِ صد فخر و مسرت ہے کہ اُسے حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ العالی کے شاعرانہ کلام کا مکمل مجموعہ شائع کرنے کی سعادتِ اولین حاصل ہو رہی ہے۔

حضرت مدظلہٗ کی ہمہ جہت شخصیت ایک فقیہہ، ایک عارف، ایک عالم، ایک خطیب، ایک شیخ اور ایک مشفق مربی کی حیثیت میں اطرافِ عالم سے شایانِ شان خراجِ تحسین و آفریں حاصل کر چکی ہے اور دانشوروں اور عوام کے زبان و قلم اعترافِ عظمت کے لیے اپنی صلاحیتیں لٹانے کے باوجود اپنے صحیح جذبات و احساسات کے اظہار کے لیے تشنگی محسوس کرتے ہیں۔

ایک فقیہہ کی حیثیت سے حضرت مدظلہٗ کی تحریریں نازک مسائل میں ان نکات کو تلاش کر لائی ہیں جو آپ کی ذہانت اور علمی گہرائی پر شاھدِ عدل ہیں اور جو علمی حلقوں میں اپنی بصیرت افزا نکتہ آفرینیوں کی بناء پر ایک منفرد اور وقیع مقام حاصل کر چکی ہیں۔

ایک عارف کی حیثیت سے حضرت مدظلہٗ کا بلند مقام اربابِ تصوف و طریقت میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے اور آپ کی پوری حیاتِ طیبہ اور

کردار و اخلاق آپ کے عرفانِ حق کا عکاس ہے۔

ایک عالم کی حیثیت سے حضرت مدظلہ کا منصب جس عظمت سے ہمکنار ہے اس کا اندازہ ہم نشینوں اور خوشہ چینوں کو حضرت مدظلہ کے اس استحضار اور قوتِ تفہیم سے ہو چکا ہے جو علمی مذاکروں اور مجالس میں طالبانِ علم کی آسودگی و اطمینان کا باعث بنتا ہے۔

ایک خطیب کی حیثیت سے حضرت مدظلہ کے زورِ بیان، حسنِ تعبیر اور سحر انگیز تکلم کی صدائے بازگشت سے برصغیر ہندوستان و پاکستان سے لے کر بحر اٹلانٹک کے ساحل تک گونج رہے ہیں جہاں حضرت مدظلہ کے نشانِ قدم اسلام کے ایک مخلص مجاہد اور عظیم مقرر کی حیثیت سے ثبت ہیں اور جہاں اُن بے لوث اور پر شوکت لفظوں کا تاثر عظمتِ دین کے لیے ایک دفاعی حصار کا درجہ رکھتا ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی بجا طور پر شاہد رہے گی کہ اسلامی خدمات کے باب میں حضرت مدظلہ کی خطیبانہ اور واعظانہ سرگرمیوں نے نئے رنگ بھرے ہیں اور ایک دنیا کے سامنے قرنِ اولیٰ کے ان مبلغوں کا پیغام تازہ کیا ہے جن کے مدفن آج مسلمانوں کی بے راہ روی پر ماتم کناں ہیں۔

ایک شیخ کی حیثیت سے حضرت مدظلہ نسبتِ قاسمی کی میراث کے ایک سچے اور پرجوش وارث ہیں اور آپ کے متوسلین و خدام کا دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا عظیم قافلہ آپ کے فیوض و برکات کا مشاہدہ ہے اور آپ کا بابرکت دامن تھام کر جادۂ روحانیت کی طرف گامزن ہے۔

ایک مربی کی حیثیت سے حضرت مدظلہ نے علاوہ اپنے متوسلین

وخدام کی روحانی تربیت کے دارالعلوم دیوبند کے ۴۰ سالہ دورِ اہتمام میں طلبہ عزیز کی جس شفقت ومحبت کے ساتھ علمی سرپرستی اور ان کے سامنے عملی طور پر مستقبل کے لیئے طرزِ حیات اور راہیں متعین فرمائیں وہ شاید حضرت مدظلہٗ کی زندگی اور نصب العین کا سب سے تابناک اور قابلِ رشک پہلو ہے۔ اور فرزندانِ دارالعلوم دیوبند جن میں آج بڑے بڑے مشاہیر علما، اور منفرد شخصیتیں موجود ہیں، ہر قدم پر اُس اُسوہ اور عملی نمونہ کو متاعِ عزیز کی طرح حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں۔

آپ کی زندگی کے یہ سب وہ روشن پہلو ہیں جن سے آپ کے ساتھ وابستگی رکھنے والے حلقوں میں افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری ہے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان تمام مشاغل ومصروفیات اور اس دستورِ حیات کے ساتھ آپ کو صنفِ شعر سے دلچسپی لینے کے مواقع شاذ ہی ملتے ہونگے لیکن اس کتاب کے ذریعہ آپ کی قوتِ بیان کا ایک نیا رُخ سامنے آرہا ہے جو یقیناً اربابِ ادب کے لیئے ایک انکشاف ہوگا اور یقیناً حضرت مدظلہٗ کی تصانیف اور افاضات کے درمیان یہ منظوم کڑی آپ کی دوسری تصانیف کی طرح اپنا ایک مستقل مقام پیدا کرے گی۔

حضرت مدظلہٗ کا صنفِ شعر سے دلچسپی کا سلسلہ زمانہ طالب علمی سے جاری ہے اور اب تک نظموں کا ایک معقول اور قابلِ لحاظ ذخیرہ جمع ہوچکا ہے جو "عرفانِ عارف" کی زینت ہیں۔

آپ کی شاعری، شوقِ شعرگوئی کے بجائے واقعات وحادثات

پر ذہنی تاثر حقیقی جذبات اور تبادرِ ذہنی پر مبنی ہے۔ ان تمام نظموں کے محرکات جماعتِ دیوبند یا اپنے خاندان میں پیش آنے والے اہم واقعات و تقریبات یا حادثات ہیں جن سے متاثر ہو کر جذبات نے جامۂ شعر اختیار کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام اشعار میں تصنع و پُرکاری کے بجائے سادگی و سلاست اور خلوصِ جذبات ہے یہی ان اشعار کی سب سے بڑی خصوصیت اور دلکشی ہے اور یہی بنیاد حضرت مدظلہ کی صنفِ غزل سے عدم دلچسپی کی ہے جس کی تعمیر محض نزاکتِ تخیل اور ندرتِ اظہار و بیان پر ہے۔ واقعات و حوادث سے متاثر ہو کر سادگی کے ساتھ اپنے جذبات کی عکاسی میں حضرت مدظلہ کا کلام نزاکتِ تخیل کے بجائے متصوفانہ رنگ سے رنگین ہے جس نے "عرفانِ عارف" کو عنوانِ کتاب کے بجائے معنوی لحاظ سے بھی اس کا صحیح تر مصداق بنا دیا ہے۔

لفظ "عارف" حضرت مدظلہ نے اپنی بعض ابتدائی نظموں میں بطور تخلص استعمال فرمایا ہے۔ تاہم آپ کے کلام پر تفصیلی نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تخلص اور اس کے استعمال کا آپ کے یہاں کبھی کوئی التزام نہیں رہا جس کی وجہ بظاہر یہی ہو سکتی ہے کہ شعر گوئی کو کبھی آپ نے مقصدی اہمیت نہیں دی مگر چونکہ لفظ "عارف" بطور تخلص ذہنی طور پر متعین رہا ہے اس لیے عرفان کی اضافت اس لفظ کے ساتھ جہاں معنوی لحاظ سے اپنے مصداق کی طرف مشیر ہے وہیں لفظاً بھی صاحبِ کلام کے تخلص پر دال ہے

حضرت مدظلہ کا کلام اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں ہے

لیکن کلام کی بنیادی خصوصیات ہر زبان میں یکساں نظر آتی ہیں جس سے اس حقیقت کا اندازہ بہت واضح طور پر ہو جاتا ہے کہ ان تینوں زبانوں پر آپ کو مضبوط دستگاہ حاصل ہے اور مضامین کی آمد و روانیِ کلام اردو کی طرح عربی اور فارسی میں بھی حیرت انگیز طور پر یکساں ہے

اس سے قبل "آنکھ کی کہانی" کے عنوان سے حضرت مدظلہٗ کی ایک طویل نظم جو وارداتِ قلبی پر مشتمل ہے۔ اسی ادارہ کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کی جا چکی ہے اور جو علمی و ادبی حلقوں میں بہت جلد متعارف و مقبول ہو کر حضرت مدظلہٗ کی شعری و ادبی اور برجستگی اظہار کی صلاحیتوں کے لیے زبردست خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اس نظم کی اشاعت کے بعد اس میدان میں حضرت مدظلہٗ کی دسترس کا اندازہ ہو چکا تھا اور ارباب ادب و متوسلین نے جس جوش و خروش کے ساتھ اُس سے دلچسپی کا اظہار کیا وہ اس کا متقاضی تھا کہ حضرت مدظلہٗ کا تمام کلام یکجا طور پر ایک یادگار مجموعے کی شکل میں ترتیب دے کر پیش کر دیا جائے جو اپنے مفاہیم و مطالب اور مقاصد کے آئینے میں حضرت مدظلہٗ کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک عکسِ جمیل پیش کرتا ہے۔ اس مجموعے میں حضرت مدظلہٗ کے زمانۂ طالب علمی سے لے کر اب تک کے تقریباً تمام وارداتِ قلبی جمع کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح اس کے رنگا رنگ اور بوقلموں خط و خال حضرت کی شخصیت کے اس نئے رُخ سے پردہ کشائی کرتے ہوئے ناظرین کو دعوتِ شوق و مطالعہ دے رہے ہیں۔

محمد اسلم رمزی قاسمی (فاضل دیوبند) ۲۰ر فروری ۱۹۶۷ء

حمدِ الٰہی

جو بچوں کو یاد کرلنے کے لیئے لکھی گئی تھی۔

خدا کی ذات میں ہے ہر بڑائی　　پہونچ سکتی نہیں اُس تک بُرائی
غنا ہے اس کی شانِ کبریائی　　نہیں محتاجگی کو واں رسائی
کمالات اس کے سب دریوزہ گر ہیں　　جمالات اس کے سب زیرِ اثر ہیں
وہی مبدا وجود اور جُود کا ہے　　معادِ آخر ہر ایک بہبود کا ہے
بری ہر وہم و قیل و قال سے ہے　　بری ہر مثل و ہر تمثال سے ہے
جہانِ عرش و کرسی اور افلاک　　جہانِ غیب و شاہد اس کی املاک
عطا و جُود کی ہے اس کی کیا بات　　ہے توحید و رسالت اس کی سوغات
عطیۂ رحمتِ مُہداۃ[عـه] اُس کا　　ہدیّہ علم و ادراکات اُس کا
نبی ہوں یا ولی مجبور ہیں واں　　مہ و مہتاب سب مزدور ہیں واں
ہر اک ذرہ میں جلوہ اُس کا پیدا　　ہر اک پیکر سے نور اس کا ہُویدا
ہے پھر بھی اپنی رفعت پر وہ قائم　　نہ نازل ہے نہ جزوی ہے نہ باہم
لطیفی اور خبیری شان اس کی　　عدالت اور حکمت آن اس کی
وہی معیار علم و فضل کا ہے　　وہی معیار صدق و عدل کا ہے
وہ جو کہدے وہی ہے علم و حکمت　　وہ جو کردے وہی ہے عدل و رحمت
سراپا حق ہے اس کا فعل اور قول　　نہیں ہے غیر حق میں قوۃ اور حول

عـه حدیثِ پاک میں حضورؐ کا یہ لقب ذکر کیا گیا ہے انا رحمۃٌ مھداۃٌ عـه من الہم (حصہ ار)

جہاں سارے کے سارے اس کے آثار
نہیں تخلیقِ عالم اُس پہ کچھ بار

ہے اس کی ذات بے ہمتا و یکتا
اُسی کا ہے کلام اور کام یکتا

مؤثر ہے وہی کون و مکاں میں
مدبر ہے زمین و آسماں میں

مُنزّہ اور مقدس ذات اس کی
مبرّا اور معلّی بات اس کی

حیات و موت سب قبضہ میں اس کے
بقا و فوت سب ہاتھوں میں اُسکے

اُسی کا ہاتھ سب ہاتھوں سے اوپر
اُسی کی بات سب باتوں سے اوپر

ہر اک حمد و ثنا اس کے لیئے ہے
کہ ہر وصفِ حسن اس کے لیئے ہے

اُسی کے نام سے آغاز اپنا
اسی کے نام پر انجام اپنا

نعت رسالت پناہی

(جوہڈربن (جنوبی افریقہ) کے ایک مشاعرۂ نعت میں ۳ر اگست سنہ ۱۹۶۳ء کو پڑھی گئی)

جہانِ ذکرِ اوصاف و کمالات
فدائے ذکر والائے محمدؐ

بیاضِ روز و مہر و ماہ و انجم
نثارِ زلفِ سودائے محمدؐ

ازل سے تا ابد ایامِ دنیا
نثارِ لیلِ اسرائے محمدؐ

اگر ہے سرِّ حق دنیا میں ظاہر
تو مظہر ذات والائے محمدؐ

اگر ہو علمِ ربّانی مصوّر
تو ہو وہ نقش زیبائے محمدؐ

مجسم ہوں گر اخلاقِ الٰہی
تو بن جائے سراپائے محمدؐ

کمالاتِ بشر ہیں ختم اُن پر
تو ہے پھر کون ہمتائے محمدؐ

ہے دنیائے دنی سورج سے روشن — ضیاء مہر اسمائے محمدؐ
بلندی آسمانوں کی مسلّم — تھے اسرار میں تہ پائے محمدؐ
طوافِ تن کو کعبہ بس ہے لیکن — مطافِ رُوح ہے جائے محمدؐ
عروج قاسمیؔ[ع] کی انتہا ہے — کہ ہے خاکِ کفِ پائے محمدؐ

بارگاہِ نبوت میں فریاد

(یہ نظم ۱۳۴۵ھ میں لکھی گئی تھی جبکہ دینی حلقوں کے کچھ فتنے سر ابھارے ہوئے تھے۔ شوال ۱۳۴۵ھ کے رسالہ "دارالعلوم" میں شائع ہو چکی ہے)

اے گوہرِ بحرِ بے مثالی — کشّافِ علومِ لایزالی
اے جوہرِ مرآۃِ مکارم — اے کُنہِ محاسن و معالی
اے شانِ عُلوّ و کانِ رفعت — اعلیٰ زِ اَدانی وَ اَعالی
شرمندہ کنِ قمر زِ حُسنش — دیباجۂ دفترِ جمالی
زینت دہِ محفلِ رسالت — سر لشکرِ انبیاء عالی
سر چشمۂ آبشارِ توحید — سر مخزنِ شورشِ بلالی
اے فخر دہِ زمین و افلاک — عنوانِ کرامت و جلالی

بنگر سوئے امتِ شکستہ
جاں باختہ دل بجاں گُسستہ

ع تخلص عارف ہے مگر کہیں کہیں قاسمی کی نسبت بھی تبرکاً استعمال کی گئی ہے۔

والعصر زما زماں مخالف
بنگر کہ کنوں جہاں خراب ست

تقدیر کہ خوابِ ماست بیدار
بیداریٔ ما رہینِ خواب ست

تدبیر کنیم تن بہ تقدیر
بینیم کہ منقش بر آب ست

ساکن شدہ آسماں ز فیضش
ہر لحظہ زمین در اضطراب ست

بحریست ز فتنہ ہائے مُظلم
مائیم دراں کہ یک حباب ست

بحرے کہ کشیدہ سر بہ طغیاں
قلزم ہمہ پیشِ اُو چو آب ست

بیدار شد است فتنہ ہا لیک
مائیم کہ چشمِ ما بخواب ست

تاریکیٔ شب عَلم کشیدہ
زاں صبح ہنوز در نقاب ست

ظاہر ز قیودِ شرع برتافت
باطن ہمہ ظاہرا خراب ست

طوفاں زدہ قلبِ ہر مسلماں
ہر قلب چو شمع غرقاب ست

ہر چشم بدید چشمِ فتّاں
شہریست فتن دو چشم باب ست

مائیم و فاکتِ زمانہ
ایں قصہ بطولِ خود کتاب ست

فریاد ز دستِ خویش فریاد
ایں خانہ ز خود، خود است برباد

واللیل کہ شب نہفتن تست
والشمس کہ رویت آفتابست

اے صبح شگفتہ وُ منوّر
وے آنکہ وجودت انتخابست

اے روشنیٔ جہانِ لولاک
ظلمت ز رُخت باضطرابست

والصبح کہ صبح ساں نَفَس زن
واللیل کہ تیرگی حجابست

نورت بفشاں ز رُوے روشن
کز بہرِ تو والنہار وابست

صد ظلمت اگر بگردم آید — سیمائے تو والقمر بہ تابست
حقا کہ تصوّرت بقلبم — بر فرقِ عدو ہمہ شہابست
چیزے کہ بماست آبِ حیواں — از دہنِ تو قطرۂ لعابست
اے آنکہ وسیلئ پے نوح — برخیز کہ گشتیم پر آبست

طوفانِ حوادث و شب تار
ما مفلس و بے نوا و نادار

چشمے بمنِ گدائے خستہ — گوشے بصدائے دل گرفتہ
چشم و جگر و دل و دماغم — ماتم کدۂ بہارِ رفتہ
آں رشتہ کہ رشتۂ خدا بود — حسرت کہ زدستِ قوم رُستہ
قسمت کہ شد است پارہ پارہ — شیرازۂ دیں کہ بود بستہ
سِلکے کہ زدُرِّ آبگوں بود — اے آہ کنوں زسنگ سفتہ
کوشے کہ زمُحدثات و بدعات — مخلوط کنیم دینِ شُستہ
کوشے کہ ضیاء مہر توحید — خاموش رود چو بخت خفتہ
کوشے کہ رود رہِ نبوۃ — آں رہ کہ ز بُعد تست بستہ
دیواں بکرشمہ و بانداز — آوخ کہ پری رخش نہفتہ
نورے کہ بضو جہاں نما بود — ماند است کنوں چو شمع کشتہ
اے رحمت و غیرتِ مجسّم — حاضر بتو قوم دست بستہ

وقت است کہ خضر بر آب آئی
باشد کہ بما کرم نمائی

برخیز زلطفِ خویش برخیز — اے آنکہ بما رحیم برخیز
دشمن زچہار سُو برآمد — محصور بہ فتنہ ایم برخیز
یک گوشہ زچشم ہیبت انداز — یک لحظہ نگاہِ رعب انگیز
رحمے کہ شکستہ ایم و ناشاد — ما ئیم و فسانۂ الم خیز
ابریست محیط تیرہ و تار — آبست زابر آبرو ریز
یک قطرۂ بحر فضل و فیضت — ما خشک لباں و آتش تیز
ولہا زفسوق شد شب تار — یک خندہ زعالم سحر خیز

برخیز کہ خالی انجمن شد
بے برگ و ثمر ہمہ چمن شد

اِسلام کی رَوانی

یہ نظم رسالہ "القاسم" ۳۴ھ اور متعدد اخبارات میں شائع ہو چکی ہے

چلا[۱] ارضِ بطحا سے اک بحرِ ذاخر — کہ تھا جس کی موجوں کا اول نہ آخر

---

[۱] لسان العصر اکبر مرحوم نے ایک انگریزی نظم "پانی کی روانی" کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا تھا کہ پانی چلا اُچھلتا ہوا تھرکتا ہوا، گرتا ہوا، چڑھتا ہوا وغیرہ۔ اسی پر یہ نظم اسلام کی روانی لکھی گئی جو القاسم دورِ قدیم ۳۴ھ میں شائع ہوئی اور اس پر لکھدیا گیا تھا "حضرت لسان العصر اکبر کے نقشِ قدم پر"۔ اس پر اکبر مرحوم کا خط حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے نام پہونچا۔ جس کی عبارت بلفظہ یہ تھی۔ مولانا محمد طیب صاحب کی نظم روانی اسلام نظر سے گذری (باقی بر صفحہ ۱۶)

اندرونِ عرب

وہ توحید کی نَے بجاتا ہوا
سرودِ حجازی میں گاتا ہوا

وہ جنگل میں منگل مناتا ہوا
وہ شہروں میں شادی رچاتا ہوا

پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا
سمندر میں طوفاں اٹھاتا ہوا

ضلالت کے پیڑوں کو ڈھاتا ہوا
زمانہ میں اُدّھم مچاتا ہوا

محیطِ زمیں پر وہ چھاتا ہوا
خباثت کی وسعت گھٹاتا ہوا

صداقت کے جھنڈے اُڑاتا ہوا
وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا

بتوں سے وہ رشتے تُڑاتا ہوا
خدا سے ہراک کو مِلاتا ہوا

اُسی کی عبادت سکھاتا ہوا
حضور اس کے سب کو جھکاتا ہوا

جہالت کی رسمیں مٹاتا ہوا
معارف کے ایواں اُٹھاتا ہوا

وہ فرضی قیودیں اُڑاتا ہوا
مظالم کو ڈانٹیں بتاتا ہوا

اذانیں زمیں پر دِلاتا ہوا
شیاطیں کو دھکّے لگاتا ہوا

معاصی کو آنکھیں دِکھاتا ہوا
گناہوں کی گردن دَباتا ہوا

وہ نیکوں کو مژدے سناتا ہوا
شریروں کو ہر سُو ڈراتا ہوا

وہ گرتوں کو بڑھ کر اُٹھاتا ہوا
کہیں ڈوبتوں کو ترا تا ہوا

کہیں بِسملوں کو جِلاتا ہوا
اُنھیں آبِ حیواں پلاتا ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) ماشاءاللہ صلِّ علی، جزاک اللہ، نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّلی۔ خاکسار اکبر۔

بلاؤں کو سر سے ٹلاتا ہوا — وہ رستوں سے کانٹے ہٹاتا ہوا
وہ غیروں کو اپنے بناتا ہوا — لگن اک نئی سی لگاتا ہوا
وہ آنکھوں سے آنکھیں لڑاتا ہوا — دلوں میں ہر اک کے سماتا ہوا

بیرونِ عرب

وہ ایوانِ کسریٰ ہلاتا ہوا — عَلم رومیوں کے گراتا ہوا
چراغِ ہدایت جلاتا ہوا — اور آتشکدوں کو بجھاتا ہوا
دوئی سے ہر اک کو بچاتا ہوا — سوئے ذاتِ واحد بُلاتا ہوا
سماوی ترانے سُناتا ہوا — اسی لے پہ سب کو لُٹاتا ہوا

حکومت

وہ فتنوں کو ہر سو دباتا ہوا — وہ بچھڑوں کو باہم ملاتا ہوا
سریرِ عدالت بچھاتا ہوا — حقوق اپنے سب کو دلاتا ہوا

برکات

تمدن کی بنیں جماتا ہوا — مہذب جہاں کو بناتا ہوا
دلوں کو وہ ہمت دلاتا ہوا — وہ روحوں کی قوّت بڑھاتا ہوا
دروسِ حقائق پڑھاتا ہوا — خُرافاتِ یوناں بُھلاتا ہوا
صدفہائے علمی بہاتا ہوا — گُہرہائے عرفاں لٹاتا ہوا

زمانہ استقبال

چلا جائے گا یوں ہی چڑھتا ہوا — اسی طرح دنیا میں بڑھتا ہوا

دلیل

کہ جو نورِ حق بہرِ اتمام ہے　　جو ہر فردِ انساں کو پیغام ہے
زمانہ کا جس پر کہ انجام ہے　　اُسی کا تو مظہر یہ اسلام ہے

ندانم چساں جز رآید درو
کہ حفظِ خدا گشت چوں مدِّ اُو

سپاس و تشکّر

حضرت مدظلہٗ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند کی سعی سے جب دارالعلوم کا ماہانہ ڈھائی سو سے پانچ سو روپیہ ہوا اور آپ حیدر آباد سے دیوبند پہونچے تو ادارتہنیت و تشکر کے لیئے دارالعلوم میں ایک عظیم جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ نے بھی ذیل کی نظم پیش فرمائی۔

بہارِ قاسمِ خیرات کی گل افشانی　　ہے دیکھ دیکھ کے از رنگ چین نے چین مانی
ہے فضل مبدارِ فیاض سے یہ دو چشمہ　　کہ جس کے سامنے آبِ حیات ہے پانی
نسیمِ فیضِ خدا سے ہے یہ وہ تازہ چمن　　کہ جس کے آگے بہارِ ارم ہے کھسیانی
ہوئی ہے دیکھ کے اس باغِ دیں کی رونق کو　　چمن طرازِ بہشتِ بریں کو حیرانی
وہ لعل اُگلتے ہیں اس بوستاں کے نغمہ سرا　　ہے جن کے سامنے اک خالعل بیکانی
اسی سے بادہ کشانِ خُمِ الست کو ہے　　سرابِ دہر میں حاصل شرابِ روحانی

وہ خوانِ نعمت دینِ متیں ہے یہ جس کی
ہمائے دولتِ دنیا نے کی مگس رانی

علومِ دین کے طالب یہاں جو آتے ہیں
غذائے روح سے ہوتی ہے ان کی مہمانی

جہاں ہیں علم کے چشمے ہیں اور بھی جاری
مگر دکھائے تو اس کا ہمیں کوئی ثانی

نہ ایسی اُن میں چمک ہے نہ ایسی ان میں دمک
نہ ایسی آب ہے ان میں نہ ایسی تابانی

ہوا یہ سلسلۂ دیوبند تا نہ رہے
ریاضِ دہر میں آزارِ حزبِ شیطانی

یہی ہے کشتیٔ دیں کا وہ بادباں جس سے
کمی میں آئی ہے اہلِ ہوا کی طغیانی

جو اس ریاض سے ہو شادماں ہے خوش قسمت
جو اس چمن سے ہو بیزار وائے نادانی

حجاز و مصر سے آتے ہیں اس کے پروانے
یہ کیسی شمع ہے کیسی ہے اسکی رخشانی

ملک بچھاتے ہیں پر اس کے خادموں کیلئے
کہاں یہ شان کہاں شوکتِ سلیمانی

ہے مثلِ شبنمِ بار رسیدہ فلسفہ اُڑتا
دکھاتی جلوہ ہے جب یاں بہارِ نعمانی

نہ مصر میں ہے نہ یونان میں نہ ایراں میں
حدیثِ پاک کی ہے جو یہاں درخشانی

حدیثِ پاک کے ہوں جس چمن میں نغمہ سنج
کرے نہ باغِ ارم اس کی کیوں خیابانی

خدا کو کیوں نہ ہو محبوب وہ چمن جس میں
حبیبِ حق کی حدیثوں کی ہو گل افشانی

یہاں سے جاتے ہیں ہو کر مہذب الاخلاق
ہزاروں سید و مرزا و شیخ و افغانی

ہے مؤمنوں کیلئے جانفزا فضا اسکی
عزیز جیسے زلیخا کو ماہِ کنعانی

ملے ہیں فضلِ خدا سے وہ مہتمم اس کو
نشانِ گنجِ سعادت ہے جنکی پیشانی

محیطِ فہم و ذکا و سحابِ جود و عطا
ذکا و اوجِ سما و جہانِ انسانی

انھیں نے رکھی ہے دار الحدیث کی بنیاد
کہ جس سے تازہ ہوئی دولتِ مسلمانی

پڑھیں گے اس میں احادیثِ احمدِ مختار
بذوقِ مقتبسانِ علومِ حقانی

زہے بنا، مقدس زہے مکان رفیع — زہے بلندی اوجِ مقدّر ربانی
جو سنگریزہ ہوا اس محترم مکان میں صرف — مقابل اُس کے ہو کیا جوہرِ بدخشانی
عروج کیسا ہے اس قصرِ دیں کو روز افزوں — توجہ آپ نے فرمائی جب سے ارزانی
خدائے پاک نگہباں ہو آپ کا ہر دم — کہ دینِ پاک کی فرماتے ہیں نگہبانی
علومِ دین کی ترویج کے لیئے دن رات — سفر کی آپ نے برداشت کی پریشانی
کسے کہ کُشتہ نہ لبِ نازِتست می داند — کہ موجِ آبِ حیات ست چینِ پیشانی
سفر کہ شکلِ سقر ہے ہمیشہ رہتا ہے — وسیلہ فتح و ظفر کا بفضلِ یزدانی
پہنچتے ہیں جو سفر کر کے آپ سوئے دکن — بظلِ عاطفت و مہر ظلِ سبحانی
تو کوششوں میں ہے ہوتی اِدھر کی افزونی — اُدھر سے بخشش و اکرام کی فراوانی
عجیب وازرِ فاضل۔ عجب جواد کریم — عجیب دونوں کی گلریزی و درافشانی
یہ گلفشانی میں یکتا وُہ دُرفشانی میں فرد — خجل ہے ان سے چمن ان سے ابرِ نیسانی
ہوا ہے فرطِ بصیرت سے آپ کے نزدیک — غبارِ راہِ خدا سرمۂ صفاہانی
ہے گرم و سردِ سفر آپ کی غذا گویا — یہی ہے آپ کی راحت یہی تن آسانی
طرازِ دولتِ باقی ترا ہمی زیبد — کہ ہمتت نبرد نامِ عالمِ فانی
کمال علم و بصیرت ہے آپ کا جوہر — نہ صرف صورۃ انسانی و ہیولانی
خدا کے فضل سے جوہر ہے آپ کا وُہ فرد — فلاسفہ کو ہے قسمت میں جس کی حیرانی
وہ جزو لایتجزیٰ ہے آپ کا حاسد — شگفتگی نہیں قسمت میں جس کے پیشانی
وزیر آپ کے حضرت حبیبِ رحمٰن ہیں — ذکیِ بے بدل و لوذعیِ لاثانی
مقابل آپ کی تحریر اور تدبّر کے — دبیرِ چرخ ہے اک کودکِ دبستانی

عزیز مصر کمال وحقیقت آگاہی — سپہر خرد مندی و ادب دانی
مرے مربی ہیں میں تربیت پذیر انکا — نہیں ہے فضل میں اپنے یہ لافِ طولانی
عجیب نائب عاقل عجب نبیب لبیب — یہ مہر نور فشاں اور وہ ماہِ نورانی
یہ اُنکے مثل ہیں اخلاق میں وہ انکے نظیر — عجب کہ پھر بھی ہیں دونوں جہاں میں لاثانی
حقیقت ایک ہے گو صورتاً ہیں دو مثلاً — حبیبِ احمد و احمد حبیب رحمانی
یہ ان کے خیر سگال اور وہ انکے خیر اندیش — عجب خلوص عجب اتحاد روحانی
بہت ہے مغتنم ایسے مہتمم کا وجود — جبیں سے جس کی ٹپکتا ہے نورِ ایمانی
بباغ دین بشاخ امل بعمر دراز — شگفتہ باد گل دولتت بآسانی
انہی کی رفعتِ شاں سے ہے شش جہت ششدر — انھیں کے اوج سے ہے پستِ اوج کیوانی
مبارک اور ہمایوں ہو آپ کو یارب — مراجعت یہ سفر سے وطن کو فرمانی
اسی سحاب کرم کے تھے سب بدل مشتاق — برنگ سبزۂ تشنہ دہان بستانی
انھیں کے ہاتھ نے دریا کی آبرو کھوئی — انھیں کے فیض سے قطرہ نے کی ہے عمانی
اگر نہ گنج عطائے تو دستگیر شود — زمینِ درس ہدیٰ رُو نہد بویرانی
عجب نہیں کہ ادھر بھی ہو اک نگاہِ کرم — کہ گزرہی ہیں نگاہیں مری بھی دامانی
ز روئے لطف و ترحم چرا نہ بخشائی — چو درد و محنتِ ما را یقیں ہمیدانی
بآستانِ تو صد گنج تحائف ریزد — چو آستینت اگر نامہ ام برافشانی
سخن دراز کشیدم ولے امیدم ہست — کہ ذیلِ عفو بدیں ماجرا بپوشانی
بصد خشوع و خضوع ایں دعا کند عارف — ببارگاہِ خداوندِ انسی و جانی
رہے جہان میں جاری یہ چشمۂ قاسم — بقا پذیر ہے جب تک یہ باغِ امکانی

سپاسِ اخلاص

حضرت مدظلہ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ماہِ رجب ۱۳۳۰ھ میں دکن سے مع الخیر واپس تشریف لائے اور آپ کی مساعی سے دار العلوم کا ماہانہ چندہ پانچ سو سے آٹھ سو ہو گیا تھا۔ اس خوشی اور حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خیر مقدم میں ایک عظیم جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ نے اپنے والدِ محترم کی خدمت میں ذیل کی نظم لکھ کر پیش کی۔

حبّذا موسمِ جمال آمد — طبعِ عالم با عتدال آمد
رفت بادِ خزاں زگلشنِ دہر — کہ طراوت فزا شمال آمد
برِیاضِ جہاں نسیمِ طرب — رافعِ کلفت و کلال آمد
از دیارِ دکن چہ بادِ صبا — دافعِ زحمت و ملال آمد
سرو آزاد گشت سوسن ہم — وقتِ شادابیٔ نہال آمد
شد سرایاں برِ ہزار ہزار — چالِ[1] چالش کناں بچال آمد
برقع از رُخ فگند شاہدِ گل — بلبلِ زار در مقال آمد
سپری شد زمانِ مہجوری — دور بزمِ مئے وصال آمد
کافتابِ علومِ دیں زسفر — جانبِ مرکزِ[2] کمال آمد

---

[1] کبکِ دری۔ [2] دار العلوم۔

ذرّہ چہ شمسے کہ باضیائش مہر | کم ز خُفاش در جلال آمد
آفتابے کہ آفتابِ فلک | پیشِ اجلالِ او ہلال آمد
نیّرِ اعظمے کہ مقتبسش | دور از صدمۂ ہُزال[1] آمد
باکمالے کہ باغِ جاہش را | ایں غزال[2] فلک غزال[3] آمد
انقسامِ کمالِ فضلش ہم | جوہرِ[4] فرد ساں محال آمد
دل و دستش برائے مقتبساں | کانِ جُود و دیمِ نوال آمد
کانِ فضلے کہ در کفِ جودش | لعلِ بے قدر چوں سفال آمد
بحرِ فیضے کہ پیشِ ہمتِ او | مال چوں ریگ پائمال آمد
سخت کوشے کہ آفتابِ[5] سفر | در رہِ ہمتش ظلال آمد
گرم جوشے کہ در رہِ دینش | آبِ تیغِ سفر زُلال آمد
ہست محمود و اسمِ او احمد | ظاہرش بر ضمیر دال آمد
در سفر رفت و باظفر بحضر | از عنایاتِ لایزال آمد
چوں نہ فائز بُدے کہ در عونش | فضلِ بے چون بے ہمال[6] آمد
دست بردار عارفا بدعا | کہ سرِ[7] بندگی سُوال آمد
اے شہنشاہِ دو جہاں کِت[8] ملک | فارغ از لطمۂ[9] زوال آمد
ظلِّ ایں ہیتم کہ فرخندہ | ہمچو بالِ ہُما بفال آمد

---

۱ لاغری ۱۲ ۲ آفتاب ۱۲ ۳ آہو برہ ۱۲ ۴ جزء لایتجزی ۱۲ ۵ دھوپ ۱۲ ۶ بے مثل ۱۲ ۷ الدعاء مخ العبادۃ ۱۲ ۸ کہ ملکت ۱۲ ۹ طمانچہ ۱۲۔

دارِ قائم بفرقِ دارِ علوم
کہ مدارِ حق و مآل آمد

سپاس تہنیت اختصاص

قصیدۂ تہنیت کہ بمراجعت حضرت قبلہ وکعبہ والدِ ماجد مولانا
محمد احمد صاحب مہتمم خامس دار العلوم دیوبند بہ نگارش آمد وقتیکہ
بدولت آں عالی مرتبت دولتِ مدرسہ از ہشت صد بہ یکہزار رسید

آج میں بزمِ تصور میں جو فانوسِ خیال
کرکے روشن ہوا نظارگیٔ شاہدِ حال

دیکھتا کیا ہوں کہ ہے خانہ بر اندازِ چمن
ہمہ تن ناز و کرشمہ ہمہ تن غنج و دلال

زلف اس کی وہ بلا جس سے خطا ہو نادم
چال اس کی وہ غضب جس سے ہوں فتنے پامال

ناز و انداز میں انداز کے جن کا انداز
ہند[۱] سے کی بھی ہو میزان تصور میں محال

غیرتِ طرزِ طراز[۲] اس کی ہر اک طرز و طراز
جانِ شیدا کے لئے طرۂ طرار وبال

بانکپن وہ کہ کرے کبکِ دری کو حیراں
غمزہ ایسا کہ کرے نرگسِ رعنا کو نڈھال

میں نے جس وقت یہ رنگ اس کا نرالا دیکھا
پوچھا کیا طرز ہے یہ آج تری حور شمال

ہیں ادائیں تری کیوں آج سراسر رنگیں
کیوں انوکھے ہیں ترے ڈھنگ نئی ہے کیوں چال

کس لئے آج پریشاں نہیں زلفیں تیری
آج طرہ کے نہیں تیرے شکستہ کیوں بال

---

[۱] معرب اندازہ ۱۲ [۲] شہرے ست حسن خیز ۱۲

تیری قامت سے ہے کیوں آج ٹپکتی شوخی — چال سے آج لرزتا ہے تری کیوں بھونچال
گلشنِ حسن ہے کیوں آج سراسر دل کش — کس لیے آج ہے دلچسپ گلستانِ جمال
سن کے یہ بات کہا اس نے چڑھا کر چتون — دعویٔ فہم و خرد اور جہالت کا یہ حال
کر بہارِ چمنِ دین کا نظارہ تو ذرا — تاکہ باقی نہ رہے اس میں تجھے کچھ اشکال
سنتے ہی اس کے لبیک کریں چلا مثلِ صبا — جانبِ گلشنِ دیں جس سے ہے ہستی کا جمال
بارک اللہ عجب رونقِ تازہ دیکھی — سبزہ سرسبز سراسر شجر ایک ایک نہال
کرتی ہے خدمتِ جاروب کشی بادِ نسیم — مخملی فرش بچھاتی ہے صبا اور شمال
کرتا چھڑکاؤ ہے سقائی سحابِ نیساں — اپنی لالا کے سمندر سے پکھالوں پہ پکھال
قاضیٔ طیر سناتا ہے کہیں خطبۂ حمد — شکر افشاں ہے کہیں شکر میں ہر ایک سفال
بسکہ تفریح کا ہر پھل کے تھا سر سہرا — کرتا کافور تھا صندل کی طرح درد و ملال
سبز بختوں کی طرح نخل تھے سارے سرسبز — نام کو ان میں نہ تھا سبز قدم[۱] کوئی نہال
تھا ہر اک شاخ ثمردار کی مانند جھکا — خاکساری میں یہ خرم وہ تواضع میں نہال
سبز پوشوں[۲] کی طرح سر تھے سارے آزاد — کوئی پودہ نہ تھا گلچینِ ہوا کا پامال
تھی تعلّی سے اگر سوسنِ آزاد بری — تو نہ تھا کبر کا شمشاد کے دل میں بھی خیال
روح و ریحاں[۳] کا سبب تھے اگر اس کے ریحاں — تو ہر اک شاہ سپرغم تھا غم و درد کی ڈھال
چشم بد دور ہر اک نرگسِ بیدار اس کی — چشمِ مستانِ تغافل کے لیے تھی کحّال
آنکھ گلچیں کو دکھاتی ہے نہ اس کی نرگس — نہ کبھی ہوتے ہیں گل اس کے کسی خار پہ لال

۱؎ منحوس ۱۲ ۲؎ زاہد ۱۲ ۳؎ روح و ریحان وجنۃ نعیم ۱۲

خار کھاتے ہیں نہ پھول اس کے ہزاروں پہ کبھی — لاکھ بتلائے ہوا اُن کو ہزار بد حال
اُس کی بلبل کبھی کرتی ہے نہ طوطا چشمی — نہ کسی طوطی کو ہے آنکھ بدلنے کا خیال
بوئے گل نالۂ بلبل دلِ گلچینِ چمن — کوئی اس باغ سے نکلا نہ پریشاں احوال
طیر اس کے وہ ہمایوں کہ بچھاتے ہیں سدا — جن کی تعظیم کو مرغانِ اُولی اجنحہ[1] بال
سن کے صرف اس کی عنادل کی صحیح و موزوں — جاں سے ساقط ہوں عنادل کی علل و اثقال
بلبلِ گلشنِ کشمیر[2] یہیں ہے کرتی — کر کے زانوئے ادب طے طلب حسنِ مقال
طَیرِ منطق میں وہ ماہر ہیں کہ اکدم میں کریں — اہلِ حکمت کے براہین و حِکَم کا ابطال
سبز باغ اس کے دکھاتی ہے نہ کوئی بلبل — کسی گلچیں کو کبھی بھول کے جز سحرِ حلال
لہجے اس کے ہیں گر الحان تو خوش الحا مطرب[3] — ورق اس کے ہیں جلاجل تو عنادل[4] قوال[5]
لحن داؤد ہے گر لحن حجازی اُس کا — لحن مصری بھی ہے شیرینی میں مصری کی مثال
گلشنِ دین[6] کی گلگشت سے فارغ ہو کر — شاہد حال سے پھر جا کے کیا میں نے سوال
صبر کی تاب نہیں مجھ سے مفصل کہہ دے — چھوڑ دے بہرِ خدا اب یہ طریقِ اجمال
کب تلک صبر کروں میں کوئی لقماں تو نہیں — رحم کر اب نہ بڑھا رمز و کنایہ سے ملال
الغرض دیکھ کے مضطر مجھے از راہِ کرم — لے گیا جانب بزمِ طرب و جاہ و جلال
اور کہا ہنس کے کہ اے عقل کے دشمن تو یہ ہے — باعثِ تمکنت و زینت ارباب جمال
ہے دو چند آج اسی بزمِ طراوت کے سبب — تازگیِ چمنِ دینِ خدائے متعال

---

[1] بقولِ حدیث ۱۲ [2] مراد حضرت شاہ صاحبؒ ۱۲ [3] خوش کن ۱۲ [4] مراد از طلبہ ۱۲
[5] بسیار گوئندہ ۱۲ [6] مراد از مدرسہ ۱۲۔

اور اسی بزم سے ہے رشکِ عروسِ کشمیر — آج دنیا کی کہن سال عجوزِ محتال

دیکھتا کیا ہوں کہ ہے جلوہ گرِ مسندِ ناز — اخترِ اوجِ شرف نیّرِ برجِ اقبال

قرّۂ باصرۂ مہرِ سپہرِ ملت — نونہالِ چمنِ قاسمِ خیرات و کمال

عالم و حافظِ قرآن محمّد احمد — صَانَہُ اللّٰہُ عَنِ الشّرِّ بِخَیرِ الاعمال

ناظم و مہتممِ دارِ علومِ دین[1] — مخزنِ بر و تقیٰ حافظ فرخندہ خصال

سخت کوشی سے عناں تاب ہوئی آپ کی ذات — کوششیں آپ کی تھیں راہ میں مشعل کی مثال

سوز پیمائے سفر آپ ہوئے سُوئے دکن — حیدر آباد کہ ہے بلدۂ اُمید و نوال

بلدہ وہ بلدہ کہ جس سے شرف اندوز ہے آج — بحرِ دنیا کا ہر اک لعل اور ہر اک سفال

مثلِ باراں ہے عطایائے شہنشاہِ دکن — باد ہیں آپ۔ دکن مثلِ سحابِ فضال

رہ نوردی ہو تری۔ راہ نوازی ان کی — ذرّے اس راہ کے پھر کیوں نہ بنیں گوہر و لال

سعیٔ مشکور ہوئی، اور کمی دور ہوئی — چہرہ دکھلایا اضافہ نے بفضلِ متعال

آٹھ سَو تھے مددِ شاہِ دکن سے پہلے — دو سَو نے بڑھ کے کیا ایک ہزاری کا کمال

شرف ارزاں ہوئے پھر آپ بسوئے مرکز — اور ہالے کی طرح گرد ہیں اربابِ کمال

چلے آتے ہیں لیے اہلِ ہنر بہرِ نثار[2] — کوئی موتی، کوئی مونگا، کوئی گوہر، کوئی لال

تہنیت گوئی میں بڑھ چڑھ کے قصیدے اپنے — کوئی اعجاز دکھاتا ہے۔ کوئی سحرِ حلال

میں جھکائے ہوئے خفتہ سا کھڑا تھا سر کو — کیونکہ تھا پاس گرانمایہ جز اخلاص نہ مال

دل میں کہتا تھا کہ کیا چیز کروں پیشِ نظر — یہ گلِ باغِ شرف۔ اور میں ناچیز سفال

---

[1] دیوبند ۱۲ [2] نچھاور ۱۲

قصہ کوتاہ۔ گیا لے کے خزفریزے چند
میں بھی پیشِ نظرِ یوسفِ مصرِ آمال

مصر میں جیسے ہوئی چند کلا۱؎ وے لیکر
ماہِ کنعاں کے خریداروں میں شامل کُزّال

یا گئے مصر کو یوسف کے برادر جیسے
لے کے سرمایۂ۲؎ ناقص پئے تحصیل نوال

یا گھڑا پانی کا بغداد میں جیسے بدوی
لے گیا پیشِ [illegible] عرب ذی الاجلال

للہ الحمد ہوئی نذرِ محقر مقبول
واہ کیا طیّبِ فرخندہ ہے فرخ تری فال

یا الٰہی ہو مبارک یہ ترقی سب کو
اور رہیں پھولے پھلے باغِ جہاں میں نہال

حرز میں تیری ہمیشہ رہیں، پہونچے نہ کبھی
چشمِ آفاق سے ان کو ضررِ عینِ کمال

یارب اس سنبلِ طیبِ چمنِ قاسم کا
بال بینکا نہ کرے۔ کوئی سمومِ اہوال

اور یہ لالۂ گلزارِ رشیدِ قاسم
باغِ آفاق میں دیکھے نہ کبھی داغِ ملال

باغ پیرائی تائیدِ ازل سے اس کا
دیکھے گلزارِ ترقی نہ کبھی خارِ زوال

سر سے اس نخلِ گلستانِ شریعت کے کبھی
دور ہوں ابرِ کرم کے ترے یارب نہ ظلال

آبیاری سے رہے اُس کی ہرا باغِ علوم
ہو قلم اس کے قلم سے شجرِ دشتِ ضلال

اُس کے اوصاف کا آفاق میں طوطی بولے
نغمہ سنج اُس کی ثنا میں ہو ہزارِ اقبال

کہہ کے آمین کراب ختم دعا کو عارف
عرضِ مقصود میں محمود نہیں طولِ مقال

۱؎ انٹیاں ۱۲ ۲؎ کما نطق بضاعۃٍ مزجاۃٍ ۱۲

خیر مقدم

قصیدہ کہ بتقریب تشریف آوری حضرت قبلہ گاہی مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ
از حیدرآباد دکن کہ برائے سعی تعمیر دارالحدیث دارالعلوم دیوبند
بآں مقام تشریف بُردند و بکامرانی دیوبند واپس شدند بخدمت
سامی آں بجلسۂ خیر مقدم پیش کردم۔

اے دل اندوہ گیں ہشیار باش — خوابِ غفلت تا بکے بیدار باش
صبحِ آمال و مجال حمد و شکر — در سپاسِ حضرتِ دادار باش
توسنِ دل خیز و در جوشم بیار — تاز در راہِ ثنا۔ طرار باش
ہے چہ از شبگیر و شب گوئی سخن — اے غلامِ شمسِ پُر انوار باش
تا کجا ایں خوابِ غفلت تا بہ کے — تا بمانی زیں نمط۔ بیدار باش
بر جبینِ برگِ گل مدحے نگار — زاں ثناہا بلبلِ گفتار باش
تا رسی شاید بر اکلیلِ قبول — در ستائش لولوئے شہوار باش
مثلِ گل واکن قبا را از نشاط — گوئی نرگس را کہ رُو بیمار باش
اے چرا شیون کنی نالہ زنی — خوش بیا۔ خوش باش و خوشرفتار باش
شمس طالع گشت زآفاقِ دکن — بہرِ خیر مقدمش تیار باش
صبح طلعت شمس اُبہت مہ لقا — آمد آمد از طرب سرشار باش
ہاں بخواں اہلاً و سہلاً مرحبا — خویش را گم کن دراں سرشار باش
قبلۂ من کعبۂ من شیخ من — حضرتِ من باش و ہم زوّار باش

ای ہزار مدح شمس پر ضیا — نغمۂ خوش خواں و شکر بار باش
شوخی و شنگی ہمہ را ترک دہ — با ادب آبے خبر ہشیار باش
اے غلام شمس اعلام عظام — مہر لطفش خواہ و برخوردار باش
اے زباں در مدحت شمس العلوم — ہمچو تیغ حیدرِ کرار باش

نوحۂ غم و نغمۂ شادی

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ میں جے پور سے اچانک مولانا محمود صاحب مرحوم رامپوری کی صاحبزادی کے انتقال کا تار ملا جس سے احقر کا رشتہ ہو چکا تھا اور شادی تیار تھی جس سے اک دم خاندان کے سارے گھرانوں اور پورے دار العلوم پر غم و الم کے بادل چھا گئے اور تعزیت کنندوں کا ہر طرف سے ہجوم شروع ہو گیا۔

تیسرے دن تار ملا کہ پہلا تار اس کی شدتِ بیماری میں کسی نے غلط دے دیا اور اب وہ رُو بہ افاقہ ہے۔ اس سے اچانک پورے خاندان میں خوشیوں اور مسرتوں کی لہر دوڑ گئی اور مبارکباد کے جلسے شروع ہو گئے جن میں دار العلوم کے تمام اساتذہ اور طلبہ شریک ہوتے تھے اور ہر جلسہ میں مختلف شعبہ جاتِ دار العلوم اور مختلف اساتذۂ کرام کی طرف سے کافی کافی مقدار میں مٹھائی کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ساتھ ہی ہر جلسہ میں کوئی نہ کوئی استاذ یا

طالب علم تہنیتی نظم بھی پیش کرتا تھا، غالباً تیسرے چوتھے اجتماع میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے اکیس اشعار کی ایک نظم پڑھی جس کا مطلع یہ تھا ؎

بہار آئی چمن میں یک بیک کیسے خزاں ہوکر
اُٹھا ہے غلغلہ شادی کا غم کی داستاں ہوکر

اس پر بعض دوستوں کے جبر و اصرار سے احقر نے بھی پوری نظم کا مخمس کر دیا جو مولانا کی نظم کے بعد اگلے دن کے اجتماع میں پڑھا گیا اور درج ذیل ہے۔ ہر بند میں ابتدائی تین مصرعے احقر کے ہیں اور آخر کے دو مصرعے حضرت مولانا ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

نسیم صبح کا جھونکا چلا رقص رواں ہوکر
گل پژمردہ دل کھل گیا ہے ناتواں ہوکر
پھٹا بادل غم و حسرت کا سارا دھجیاں ہوکر
بہار آئی چمن میں یک بیک کیسے خزاں ہوکر
اُٹھا ہے غلغلہ شادی کا غم کی داستاں ہوکر

زحل کی ہوگئی با ورہوا ساری نحوست ہے
نمایاں پیکر مریخ سے زہرہ کی صورت ہے
غرض ہر ایک سیارے میں تاثیر سعادت ہے
درخشاں مطلع اُمید پر مہر مسرت ہے
شب تاریک غم کی اُڑ گئی بالکل دھواں ہوکر

بہم ضدین کا ہونا نہ دیکھا ہو کبھی جس نے
یہاں آکر تماشا قدرۃ خالق کا وہ دیکھے
مجال اس کی کہاں واقف ہو وہ اسرار قدرۃ سے
سنا دو فلسفی کو بعث بعد الموت ممکن ہے
میں جی اُٹھا ہوں دیکھو کس طرح سے نیم جاں ہوکر

زمانہ بھی کچھ ایسی چال بے اندازہ چلتا ہے
کہ پابندِ الم ہوتا ہے ہر چھوٹا بڑا جس سے

دیئے اک آنِ واحد میں فلک نے بے طرح صدمے
غلط اک تار برقی پہونچی تھی جے پور سے جس نے

جلایا خرمنِ مقصود کو برقِ تپاں ہوکر

نشاط و عیش کیسا تندرستی میں خلل آیا
خمیدہ قد ہوئے مثلِ کماں اس درجہ بل آیا

قیامت ہوگئی برپا لبوں پر دم نکل آیا
وہاں سے ساتھ لیکر اُس کو یاں پیکِ اجل آیا

خبر مرنے کی پہونچائی قلم نے خونچکاں ہوکر

بیاں مشکل ہے اس غم کا کہ جو تھا اس گھرانے میں
ہوئے آثار ماتم کے نمایاں شادیانے میں

نہیں باقی تھا نقدِ اشک آنکھوں کے خزانے میں
یہ سنتے ہی قیامت ہوگئی برپا زمانے میں

دلوں پر چھاگئیں غم کی گھٹائیں آسماں ہوکر

خبر کیا تھی؟ عزیزوں کا تھا پابند بلا ہونا
ترقی بخ کی ہر لحظہ ہر دم غم سوا ہونا

نظر میں پھر گیا ہر اک کے محشر کا بپا ہونا
کوئی وہ دیکھتا احمد کا مصروفِ بکا ہونا

وہ گر پڑنا حبیب ناتواں کا خستہ جاں ہوکر

ترقی یاس کی تھی اور حسرت کی فراوانی
نہ تھی غم میں کمی اصلا الم کو تھی نہ پایانی

غرض تھی دیکھنے قابل عزیزوں کی وہ حیرانی
بزرگوں کی غم اندوزی وہ بچوں کی پریشانی

وہ رونا شیرگیں دولہا کا محجوب و نہاں ہوکر

کبھی کا ہے کو آنکھوں نے تھا ایسا سانحہ دیکھا
دکھایا جو مقدر نے وہ سارا ماجرا دیکھا

غمِ حیرت فزا دیکھا۔ الم در دانتہا دیکھا
عزیزوں نے جو یہ ہنگامۂ محشر بپا دیکھا

لگے فریاد کرنے متفق پیر و جواں ہوکر

وفورِ غم نے اس درجہ ستم توڑے غضب ڈھایا
ہر اک جانب اُداسی تھی الم کا ابر تھا چھایا

بڑھی تشویش اس درجہ ہر اک پھرتا تھا گھبرایا　　نہ کچھ بھی چارۂ درد و مصیبت جب نظر آیا
جماعت نے کہا ابدالہ خیر ایک زباں ہو کر

بڑھی اس درجہ خشکی حلق میں ہٹ کر زباں پہونچی　　رُکا سینہ میں دم آنکھوں میں جانِ ناتواں پہونچی
جو حد درجہ کو یہ ظلم و ستم کی داستاں پہونچی　　زمیں سے ناتوانوں کی فلک پر جب فغاں پہونچی
تو آئی یک بیک رحمت خدا کی مہرباں ہو کر

کسی کو کیا خبر کیا کیا نہاں ہے اسکی قدرت میں　　خوشی لکھی تھی بعد اس غم کے ہم لوگوں کی قسمت میں
بپا موجوں کا طوفاں ہو گیا دریائے رحمت میں　　اُٹھایا غایتِ رافت سے آغوشِ عطوفت میں
نوازا غمزدوں کو چارۂ بے چارگاں ہو کر

کہوں کیا شومیٔ طالع نے کیسے دل دکھائے تھے　　خدا پر خوب روشن ہے جو کچھ صدمے اٹھائے تھے
ابھی تو نالے اُٹھ کر سینہ سے تب ہی آئے تھے　　یہاں تو چند قطرے اشک کے ہمنے گرائے تھے
وہاں سے بہہ پڑا ابرِ کرم سیلِ رواں ہو کر

یہ سب معلوم ہے ہم کو ہماری جیسی قسمت تھی　　بزرگوں کی دعاؤں کی یہ ساری خیر و برکت تھی
غریبوں بیکسوں کے حال پر یہ جتنی رحمت تھی　　خدا کے دستِ قدرت کی یہ اک دنی سی حرکت تھی
حیاتِ تازہ پائی ہم سبھوں نے نیمجاں ہو کر

گھٹا غم کی گئی بادل خوشی کا ہر طرف چھایا　　تر و تازہ ہوئے کشتِ امل کچھ ایسا مینہہ برسا
ہوئی جب مہربانی اس کی قطرہ ہو گیا دریا　　سحاب رحمتِ حق کا ذرا سا اک ترشح تھا
کہ جس سے لہلہائے خارِ غم بھی گلستاں ہو کر

خدائے دو جہاں کے فضل اور رحمت طرازی سے　　خدا کی سرفرازی سے خدا کی چارہ سازی سے
خدا کے بیکراں لطفِ حقیقی اور مجازی سے　　خدا کی دستگیری اور اس بندہ نوازی سے

یہ دیکھو تو کہ پہونچے ہیں کہاں تک ہم کہاں ہوکر

گذر کر حد پایانی پہ جب اپنا ملال آیا — زبونی ہوگئی آخر درست ہونے کو حال آیا
ہوا آخر زمانہ غم کا اب روزِ وصال آیا — مجھے جوشِ مسرت سے دعا کا جب خیال آیا
لسان العصر اکبر بول اُٹھے میری زباں ہوکر

سحابِ رحمتِ باری فلک پر ہر طرف چھایا — عروسانِ چمن پر رنگ و روغن اک نیا آیا
خوشی کا زمزمہ بلبل نے گیا کیا جھوم کر گایا — جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہوکر کسی نے ارغواں ہوکر

عبادت کیلئے تیار ہیں سب سنبلستاں ہیں — دہن غنچہ کا وا بہر ثنائے ربِ بستاں ہیں
پئے تحمید سبزہ نے زباں کھولی شبستاں ہیں — کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہوکر

نگاہِ غور سے چل کر ذرا گلشن میں دیکھو تو — ہیں صف بستہ نمازوں کے لئے نسرین و شبو
کھڑے سرو و صنوبر ہیں بیک پا باغ میں دیکھو — ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدہ کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہوکر

جوانانِ چمن کیا محو ہیں شوقِ عبادت میں — جسے دیکھو بدل مصروف ہے خالق کی طاعت میں
فصاحت سے ہوئی بلبل نوا سنج اسکی مدحت میں — زبانِ برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سر سبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہوکر

تہنیت سالگرہ

کہ بوقت مہاراجہ شیر سنگھ والیٔ ریاست اندرگڈھ (راجپوتانہ) ورود حقیر
اندرگڈھ بموقعۂ دربار سالگرہ بواسطہ مولانا محمود صاحب مرحوم
رامپوری وزیر ریاست ہذا پیش شد

باغ در راغ است خوش طرب گاہے — صرف دیداست ہر حق آگاہے
لوحِ راح است عام از مستی — نیست کس را بہ میکدہ راہے
روز بازار عشرت و شادی ست — فرح بخش است برگ ہر کاہے
سبزہ استادہ چوں پیادہ بخاک — گل نشستہ بہ تخت چوں شاہے
چوں نہ خرم شود جہاں بہ جہاں — بود از دیر چشم بر راہے
از پئے روز جشن سالگرہ — رائی راکز علوست جم جاہے
نام او شیر سنگھ و شیر فلک — از نہیبش برنگ رُوباہے
شیر مردے کہ از شجاعتِ او — در دلہا فتادہ افواہے
پہلوانے کہ گشت کوہ رُبا — وقت ذکر جلادتش کاہے
شہسوارے کہ گنبدِ گردوں — بہر یکران اوست خرگاہے
شاطرے کش پیادہ در عرصہ — اسپ و خرزیں نہادہ چوں شاہے
مہربانے کہ مقبل درگاہش — مأمن خلق نیست درگاہے
ازکمالِ کرم بدرگاہش — ق — نیست معمولِ عرض درخواہے
دیدن اوست دیدن مأمول — ہست درخواہ روئے درخواہے

تیر گردوں دبیرِ دیوانش لُولیِ چرخ بر درش داہے
با علوِّ سپہر منزلتش اوجِ کاخِ زحل تہِ جاہے
تا زمان ست در زمانہ نہ دید ق در نکوفالی و شرف گاہے
چشمِ خورشید این چنیں خورشید دیدۂ ماہ این چنیں ماہے
رائے محمودؔ[عہ۵] در رائے او محمود عزمِ او را اجابت راہے
ہیچ کس در اوانِ مسعودش[عہ۶] نشنید از ستمکشے آہے
خلق را در زمانِ میمونش ماہِ عیدست ماہ ہر ماہے
رشک صبحِ وطن بود اینجا گر غریبے رسد بہ بے گاہے
عینِ انصاف و داد بود اگر ق ظلم را داد باد افراہے
خود بیفتاد کند چاہ کنے گر کسے را بدورِ اُو چاہے
نیست در عہدِ او بدشت و جبل غُرم را چوں نمر بہی خواہے
غیر خفتن بہ پشت خود نکند بر نہالے پلنگ اکراہے
در جہاں تا خوش است عارف داد تا زبونست ظلم جاں کاہے
رائے ما شاد باد و بد خواہش پیش کوہِ شکوہِ او کاہے

مثلِ این جشن نیز میموں باد
ماہِ ہر سال و روزِ ہر ماہے

عہ۵ مولوی محمود صاحب مرحوم رامپوری وزیر ریاست اندر گڈھ
عہ۶ تلمیح بصاحبزادہ شان مولوی حکیم محمد مسعود صاحب رامپوری حال مقیم سرگودھا پاکستان

شکریہ نظامِ دکن

شکریہ بندگانِ عالی متعالی اعلیٰ حضرت نظامِ دکن خلّد اللہ سلطانہ والبقی اجلالہٗ و قتیکہ پانچ صد روپیہ سالانہ بتقریب عید الفطر و عید الضحیٰ برائے طلبائے دارالعلوم دیوبند ازبارگاہِ رفیعش بتقرر آمد۔ متع اللہ الاسلام والمسلمین بطول بقائہٖ وحیاتہٖ۔

اے سرورِ محفلِ عالم عجب ہے تیری تاب
بحرِ شادی میں ہے پیدا جزر و مد کا انقلاب
جلوہ پیدا ہے ہراک ذرّہ مثالِ آفتاب
مدعی ہے آسماں کی یہ زمینِ خاکناب
دل کا غوغا ہے کہ لا ساقی مئے نابِ سخن
ساغر و مینا ہے خالی۔ اور پیاسی انجمن

رخصت اے ذوقِ خموشی چھوڑ دے اپنا سماں
دیکھنے دے اب تکلم کی بھی مجھکو شوخیاں
آسماں آسا اُبھرتا ہے مرا عجزِ بیاں
صورتِ نَے ہوں سراپا اپنی بہجت کا نشاں
شعلۂ سوزِ الم سے آج میں کوسوں ہوں دور
چھیڑ مت مجھ کو کہ میں ہوں مستِ صہبائے سرور

شیشۂ دل اپنا گویا شیشۂ میخانہ ہے
آفرینش گاہِ بہجت. آج یہ کاشانہ ہے
ہو مسرّہ جس کے قرباں وہ مرا افسانہ ہے
میرا سینہ جلوہ گاہِ حضرتِ جانانہ ہے
بوئے گل ہے فیض بخش۔ اے ہوش رخصت ہو کہیں
بے خودی طاری ہے مجھ پر۔ اب تری حاجت نہیں

بحرِ رافت کا طلاطم لے چلا سوئے دکن | مژدہ اے دل، ہو مبارک تجھکو شوقِ انجمن
ہو رہی ہیں نا امیدی پر امیدیں خندہ زن | پھوٹ نکلی ہے افق سے مہرِ ہمت کی کرن

کیا عجب چشمِ تصوّر نے ہے باندھا انتظام
سامنے اک دم میں کردی درگہِ شاہِ نظام

اے کہ عالم میں طرازِ مسندِ عظمت ہے تو | از پئے دینِ الٰہی آیۂ رحمت ہے تو
شاہدِ عزت ہے تو۔ خونِ رگِ امت ہے تو | ظلمتِ گیتی میں ماہِ نصرتِ ملّت ہے تو

ہستیاں ہیں راحت آمادہ۔ تو تیرے نام سے
اور شرف اندوز ہے دنیا ترے انعام سے

خروشِ جگر

خوں ریزی خامۂ سرور فرسا ذکالک غم جہاں سوز وجنون پیدا
زینہاں شد آں آفتاب عالمتاب و غروب گشتن آں سپہر ملۃ غرار
کہ مطلعش از مطالع انوار الٰہی بود اعنی انتقال از جہان فانی بجہان
باقی شیخ الوری حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری
غفران مکان قدس اللہ اسرارہٗ۔

سراپا سوزشِ عشقم۔ سراپا چشمِ گریانم | طلاطمہائے بے پایاں ببیں دموجِ طوفانم
نہ امیدے بدل دارم زفیضِ نا امیدیہا | نہ حرماں آرزو دارم کہ خود تصویرِ حرمانم
نہ ہستی صورتے دارم ہیولائش عدم باشد | ز سوزِ برق تکویم ز برق سوز امکانم

کجا دل چوں ز دل ارمانِ دل از دست بیرون شد | شہ عبد الرحیم رائے پوری بُود ارمانم
نہ تنہا رفت آں جانِ جہاں از عالمِ خاکی | رواں شد از لبِ او حسرت و امید ارمانم
بہ بیں در بے سر و سامانیِ من صورتِ ساماں | فغان و گریہ و سوز و گداز و آہ سامانم

بہ رات دلم تصویرِ جاناں جلوہ آرا شد
بہ بیں اعجازِ الفت دردِ دل آخر مسیحا شد

گداز شمع رکھتا ہے ہر اک شعلہ مرے غم کا | رہِ ہستی میں رہزن ہے مرا دم ہی مرے دم کا
وہ دل جس میں تمنائے لقا تھی ہائے اب گھر ہے | الم کا رنج کا اندوہ کا حرمان کا غم کا
فراقِ یار میں مضمر ہے وصلِ یار کی دولت | مری آنکھوں میں ہے ہر وقت نقشہ قطبِ عالم کا
سرودِ آہ لب پر دیدۂ تر عازمِ طوفاں | عجب کیفیت افزا آج ہے خمخانہ ماتم کا
فراقِ قطبِ عالم میں بہائے اشک کے موتی | ٹھکانے لگ گیا گنجینہ میری چشمِ پرنم کا

نہ پوچھ اے ہم نفس افسانۂ غم سخت مشکل ہے
اُٹھائے سر پہ جو کوہِ الم کو وہ مرا دل ہے

وہ کشتی ہوں کہ خود ہی سکے حق میں موجِ طوفاں ہو | ہو جس کا دانہ دانہ برق آسا میں وہ خرمن ہوں
وہ انساں ہوں کہ اشکِ شمع ہے موجِ نفس میرا | نفس سے میں رہِ ہستی کے حق میں خود ہی رہزن ہوں
ہراساں ہے مگر اب مجھ سے صیادِ اجل خود بھی | شکارِ خوف ہے جس میں میں وہ صحرائے ایمن ہوں
ہوا آلودہ میرے درد سے دامانِ دوراں بھی | کہ ہے گردِ کدورت نقش جس کا میں وہ دامن ہوں
کھنچا ہے دورِ محشر بھی مرے اک تارِ حسرت سے | ہے جس کا ایک گوشہ وادیِ محشر وہ دامن ہوں

نہ تنہا سینہ ام در سوختم تا محو فریادم
شکیبم خوں شدہ دل بدیدہ سوختہ خوابم

میں وہ گُل ہوں زمانہ کے چمن میں آہ اے ہمدم
کہ حسرت بس گئی ہے ہر رگ و ریشہ میں بُو بن کر
خود آتش ہوں وہ آتش سے خود ہی ہوں میں خاکستر
وہ پروانہ ہوں خود کو پھونکتا ہوں شمع رُو بن کر
میں وہ صہبائے وحشت ہوں کہ جس کا کیف ہے سوزش
گریباں چاک وہ ہوں سوز آتا ہے رفو بن کر
ہے پیدا ہر موئے تن سے تماشائے شکستِ دل
گل افشاں ہر رگِ مو سے ہے شمعِ دل لہو بن کر
کہاں کا ذوقِ عشرت، میں تو وہ خمیازۂ جولاں ہوں
ہوا ہے بادہ افشاں جلوۂ غربت سبو بن کر

ز ہستیہائے ہستی ہستئ من غمزدہ آمد
مثالِ ہستیم چوں کاغذِ آتش زدہ آمد

بہارِ گلشنِ عالم کی کوئی دن ہے شاں باقی
ہمیشہ کے لیے ہے ذاتِ خلاقِ جہاں باقی
نہ ہو کیوں تیرہ دردِ غم سے بزمِ عالمِ امکاں
کہ شمعِ بزم پرور کا نہیں نام و نشاں باقی
اُٹھا عالم سے قطبِ وقت شیخِ ملتِ بیضا
رہے گی کیسے یارب قوتِ اسلامیاں باقی
وفاتِ حضرتِ عبدالرحیم رائے پوری سے
جگر باقی نہ دل باقی نہ تن میں نقدِ جاں باقی
محیطِ ارض ہے سیلابِ اشکِ چشمِ گریاں کا
اب آہوں سے رہی تسخیرِ روئے آسماں باقی

نمی گنجد بظرفِ جذبۂ دل اضطرابِ من
بروں از شیشہ باشد موجزن جوشِ شرابِ من

ذکرِ محمود

وقتے کہ آفتابِ رُشد و ہدایت و ماہتابِ اسرارِ شریعت و طریقت اعنی سیدنا و شیخ الکل قبلۂ من و قبلۂ عالم شیخ الہند حضرت مولٰنا

محمود الحسن صاحب مدظلۂ العالی از اسیری فرنگ بدرنگ رہا گشتہ برافقِ ہندوستان (بمبئی) طلوع گشتہ چند اشعارِ ذیل ریختہ کلکِ حقیر شدند۔

ثنا رحق بحقِ حق نو شاں حقِ مکتوب است
چو حقِ حق نگہداری سوئے حق زود بشتابی

بہ پردازم بحمدِ آنکہ محمود ہر دو عالم ہست
بمدح آں زباں رانم کہ مداحش خدا یابی

مہ وانجم کا شاہنشاہ یعنی مہرِ دنیا تاب
نہاں گو تاب ہے اُس میں مگر ہے محو بے تابی

یہ سیارہ ہے مثلِ گل تو گردش اس میں مثلِ بُو
اسی گردش سے رہتی ہے مدام اس میں عناں تابی

کبھی ہے کرۂ خاکی پہ پیدا اور کبھی پنہاں
فلک سے خاک پیمائی زمیں سے فلک یابی

باقلیمے فزوں ظلمت چو پنہاں گشتہ ایں خاور
بملکے نور افشانی چو روئے خور عیاں یابی

ہے یوں ہی جزر و مد عالم میں اس جرم منور سے
نہیں ممکن نہار و لیل کے دریا کی پایابی

مبارک اے زمینِ ہند تیرے ذرہ ذرے کو
نظر آتی ہے اب مجھ کو تری ظلمت کی سیمابی
شبِ غم صورتِ دودِ پریشاں کیوں نہ ہو جائے
سحر تابی سے تاباں مہر کی ہے آسماں تابی
شفق کی رنگ سازی یا مری نیرنگ سازی سے
سرِ ہندوستاں کا مطلع تاباں ہے عنّابی
(بمبئی)

زمینِ مالٹا شاید ہوئی مستورِ مغرب میں
کہ مشرق میں ہے بحرِ ہند پر خور کی افق تابی
کہ ممدوحِ جہاں۔ محمودِ عالم۔ زیبِ ہر مدحت
ملک واکردہ پر کرتے ہیں ہر دم جن کی بوّابی
شرف بخشِ زمینِ ہند ہیں تابِ درخشاں سے
کہ پیدا صبح سے ہے۔ اور دل کے ہنگاموں میں بیخوابی

وہ شیخ الہند جس کے نورِ تحدیث و تقدس سے
سراسر جہل و ظلمت ہیں علومِ شیخ و فارابی
دیارِ علم و حکمت اور ضیا رچشمِ ایمانی
ہے جس کے اک کرن کے فیض سے دنیا کی ضویابی

مبارک اے زمینِ دیوبند وے مطلعِ بیضا
اسی خورشید سے تیرا فلک ہے آج عنابی
شعاعیں نور افشاں اور سحاب فیض آمادہ
تو بکشا چشم ضو گیری۔ خمیدی گر گہر یابی
وہ شبنم جس نے بزمِ دل کو ٹھنڈا کر دیا یکسر
اُسی شبنم ربائی کی شعاعوں کو ہے بے تابی

جہاں پر بزم ہو دل کی، جہاں ساغر ہوں آنکھوں کے
جہاں صہبا رہو اشکوں کی وہاں کیونکر ہو سیرابی
دلِ بے جاں کے ہنگامے ہیں مرہونِ خموشی شب
نہ وہ سوزِ تکلم ہے نہ وہ آنکھوں کی خوں نابی
اسیرِ جور ہنگامے ہیں دل کے ولولے دل میں
نہ جاں آتش نوا اپنی۔ جبیں اپنی نہ محرابی
خدارا ساقیٔ خمخانۂ دل دست جناں ہو
کہ اب دیکھی نہیں جاتی ہے دردِ دل کی بیتابی

کوثر العلوم

یہ نظم بزمانہ طالب علمی دار العلوم دیوبند کے موضوع کے پیشِ نظر لکھی

گئی جو بانیان واکابر دارالعلوم کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اور جس میں
مسلمانوں کے انقلابات کی طرف اشارے کرکے انھیں دین اور
تعلیم دین کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

یہ کیسی دھوم ہے باغِ جہاں میں آج اے ہمدم
گلوں سے بلبلِ نالاں گلے ملتی ہے کیوں پیہم
خوشی میں کیوں ترانے گا رہی ہیں قمریاں باہم
برستا ہے یہاں پر ابرِ رحمت آج کیوں چھم چھم
ہوئے جاتے ہیں گل جامہ سے باہر شادمانی سے
ہوئی جاتی ہے بلبل مست اپنی نغمہ خوانی سے
خرامِ ناز سے بادِ بہاری آج آتی ہے
بنا کر ہار پھولوں کا چمن میں ساتھ لاتی ہے
چمن میں ہر طرف سے یہ مبارکباد آتی ہے
مبارک ہو بہارِ بے خزاں گلشن میں آتی ہے
بہارِ جانفزا آئی مچی ہے دھوم گلشن میں
جوانانِ چمن ڈوبے ہوئے ہیں آج جوبن میں
پلا دے ایک ساغر ساقیٔ رنگیں بیاں مجھ کو
تری آنکھوں کے صدقے دے شرابِ ارغواں مجھ کو
بتا دے عالمِ اسرار کے راز نہاں مجھ کو
پلا دے وہ مئے عرفاں کہ کر دے بے نشاں مجھ کو

مضامیں کا چلا ہے دل سے اک قلزم رواں ہو کر
مرے عجزِ بیاں نے سر اُٹھایا آسماں ہو کر

تخیل کے ہے سینہ میں مضامیں کی فراوانی
تصور کے خزانے میں ہے تصدیقوں کی ارزانی

دماغ نقش آرا بن رہا ہے وقت کا بانی
ہے بن آئی قلم کی جس کی ہر حرکت ہے من مانی

ضیاء نون سے ہو والقلم میں بسطروں پیدا
عروج لفظ و معنی کا ہو سطروں میں شگوں پیدا

الٰہی ذات میں تیری ہی شانِ کبریائی ہے
تو ہی ہے حمد کے لائق تجھے زیبا خدائی ہے

تو ہی فریادرس، ہر اک کی تجھ سے دادخواہی ہے
ترے ہی ہاتھ میں دونوں جہاں کی بادشاہی ہے

بہت اعلیٰ اور ارفع شان ہے ادراک سے تیری
ادا کس طرح سے ہو حمد، مشتِ خاک سے تیری

ادا کیونکر کریں اور کس زباں سے شکر ہم تیرا
کہ تو نے اُس نبیؐ کی ہم کو امت میں کیا پیدا

وہ کملی اوڑھنے والا فقیری پر جو نازاں تھا
گدا تھے جس کے کوچہ کے سکندر قیصر و کسریٰ

گدائی جس کے گھر کی بادشاہی سے بھی بہتر تھی

زمیں جس شاہ کے کوچہ کی رشکِ قصرِ قیصر تھی
قدم بوسی کی جس کے آسماں نے آرزو کی ہو
بلا کر عرش پر جس سے خدا نے گفتگو کی ہو
رُسُل نے امتی ہونے کی جس کے آرزو کی ہو
لقب محبوب دے کر حق نے جس کی آبرو کی ہو
وہ شاہِ دو جہاں لولاک کی پوشاک تھی جس کی
فقیر ایسا کہ ادنیٰ ملک ہفت افلاک تھی جس کی
سرِ فاراں چمکا تھا جو خورشیدِ جہاں ہو کر
بتائی راہ جس نے رہنمائے گمرہاں ہو کر
گیا تھا عرشِ اعظم پر جو حق کا میہماں ہو کر
شرف پایا تھا جس نے انبیاء میں آسماں ہو کر
رہی شیدا چمن پر جس کے فصلِ بے خزاں برسوں
قدم چوما کیا جس کی زمیں کے آسماں برسوں
سرِ فاراں ہوا غل جس دم اس کی آمد آمد کا
ہوئے بُت سرنگوں کعبہ سے بھاگے لات اور عزیٰ
سوا نیزہ پہ جس دم آفتابِ علمِ دیں آیا
ہوئی کافور وہ ظلمت جو تھی چھائی ہوئی ہر جا
سوئے عالم نبیِّ رحمۃٌ للعالمیں آیا
شبِ دیجور میں خورشید نکلا رہنمائی کا

عرب کے وحشیوں کو وہ بتائی لم تمدن کی
کہ یورپ کے مہذب خوشہ چینی کر گئے ان کی

وہ وحشی قوم جو کل تک کہ خود گمراہ پھرتی تھی
بنی ہے رہنما اللہ اکبر آج عالم کی

غرض اس قوم پر وہ ہوئے الطافِ رحمانی
شُتربانی کے بدلہ میں ملی ان کو جہاں بانی

دل وجاں سے رہے جب تک کہ تم اسلام پر شیدا
سروں پر تھا تمہارے نیر اقبال کا سایا

مگر مذہب کی پابندی سے جوں ہی تم نے منہ موڑا
تو پھر اقبال نے بھی دوسری جانب کو رُخ بدلا

نہ کی جب قدر اس کے نور کی کچھ اہلِ مشرق نے
طلوعِ آفتاب ہونے لگا آخر کو مغرب سے

عزیزو تم کہاں پھرتے ہو یوں حیران اور ششدر
ہے ٹھانی تم نے دل میں کیا، بھروسہ ہے تمھیں کس پر

ترقی ڈھونڈھتے پھرتے ہو کیوں غیروں کے برتے پر
نہ پہنچائیگا کیا اسلام معراجِ ترقی پر

تلاشِ آبِ حیواں میں کہاں جا کر بھٹکتے ہو
وہ ہے ریگِ رواں جس کو کہ تم پانی سمجھتے ہو

کمائی دولتِ دنیائے دوں بدخواہ دیں ہو کر

ڈسے گی یہ ترقی تم کو مارِ آستیں ہو کر

عبث تم چھوڑ کر اسلام کو پھرتے ہو یوں دردر
اگر دنیا ہی ہاتھ آئی تو تف ہے اس ترقی پر
ہوئے کیوں خوار کس کی جستجو میں جاں خراشی ہے
تمہارے گھر میں ہے وہ شے تمھیں جس کی تلاشی ہے

نہ لی تم نے صفت غیروں سے پابندیِ مذہب کی
اُسی کو چھوڑ بیٹھے بات تھی جو اصل مطلب کی
تمہارے دل کو بھائی ہے ادا غیروں کے مشرب کی
چھوا عقرب کو لیکن کی نہ پروا نیشِ عقرب کی
ستم ہے نور کو اندھیر ظلمت کو ضیا سمجھے
پڑیں پتھر اس اوندھی عقل پر سمجھے تو کیا سمجھے

تمہاری عقل کا یہ پھیر ہے سوچو تو تم اتنا
زمانہ کب یہ کہتا ہے کہ مذہب چھوڑ دو اپنا
سلف نے وہ کیے تھے عزّ و جاہ و حشم پیدا
کہ یورپ خواب میں بھی اس ترقی کو نہ دیکھے گا
نئی تہذیب کی ان کو ذرا بو تک نہ پہونچی تھی
ذرا سوچو تو پھر کیسے ترقی ان کو حاصل تھی

اطاعت کیا نکرتے تھے سلاطینِ زماں اُنکی
نہ تھی کیا کرسیِ اقبال رشکِ آسماں انکی

ہمیشہ راہ پر رہتا تھا کیوں سارا جہاں ان کی
فرشتے چومتے تھے کیوں زمینِ آستاں ان کی
سبب یہ تھا کہ وہ اسلام کے۔ اسلام تھا ان کا
بجز مذہب کی خدمت کے نہ کوئی کام تھا ان کا
مگر تم نے ملا دی خاک میں پہلوں کی سب عزت
تمہاری ہوگئی ہے آج کیوں ناگفتہ بہ حالت
تمھیں پر آپڑی ہے کیوں زمانہ بھر کی سب غربت
تمھیں پر لوٹ آئی آسماں سے آج کیوں نکبت
گرے ہو کس خطا پر آج اس قعرِ مذلّت میں
لگا ہے کیوں گہن اب آفتابِ جاہ و حشمت میں
ستم ہے آج وہ اسلام جس کی دھوم تھی ہر جا
بجا تھا گلشنِ عالم میں جس کا رات دن ڈنکا
کبھی ہوتے تھے مہماں جس کے گھر کے قیصر و کسریٰ
اُسی کے ہاتھ میں ہے آج اک کاسہ گدائی کا
بنایا دشمنوں نے تختۂ مشقِ جفا اس کو
بھر آیا دل بس اب اے آنکھ رو لے خون کے آنسو
زمیں جس کی فلک سے ہمسری کرتی تھی عزت میں
نہ تھا جس کا مقابل کوئی بھی توقیر و عظمت میں
کبھی اپنے وطن میں جو پلا تھا عیش و عشرت میں

تڑپ کر آج جاں دینے کو ہے صحرائے غربت میں
درِ دولت سے جس کے ساری دنیا سیر ہوتی تھی
ستم ہے آج اس کو بھیک بھی مانگی نہیں ملتی

تمہارے ہی تو ہاتھوں لٹ گئی اسلام کی عزت
تمہارے ہی سبب سے ہوگئی اس کی زبوں حالت

مگر اب بات تو جب ہے کہ اٹھو باندھ کر ہمت
کرو جی توڑ کر کوشش کہ پھر ہو جاؤ باشوکت

ترقی کے بہت سے وقت یوں آرام میں کھوئے
اٹھو اب خوابِ غفلت سے بہت سوئے بہت سوئے

بلا انسانیت صورت سے انساں ہو نہیں سکتے
انگوٹھی پہن کر ہرگز سلیماں ہو نہیں سکتے

بجز اسلام کے مقبولِ یزداں ہو نہیں سکتے
فقط اک گوشت کھانے سے مسلماں ہو نہیں سکتے

بھلا پھر غور تو دل میں کرو کیسی ہے نادانی
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ادا کرتے رہو اسلام کے امر و نواہی کو
قدم اس چار دیواری سے مذہب کی نہ باہر ہو

ابھی حاصل ہو معراجِ ترقی تم اگر چاہو
مسلمانو بڑھو ہمت کرو اب سوچتے کیا ہو

قدم اسلام میں ہو اور ترقی کے لیئے دوڑو
اُٹھو اب اپنے قدموں سے سہارا غیر کا چھوڑو
پڑھاؤ علمِ دیں اولاد کو اپنی مسلمانو!
خدارا واقفِ مذہب کروان کو کہا مانو
اسی سے عزتِ دارین بھی مل جائے گی ان کو
اسی سے وہ پہنچ جائیں گے معراجِ ترقی کو
ذرا دیکھو تو آنکھیں کھول کر تم غیر قوموں کو
اُٹھو کیوں خوابِ غفلت میں پڑے مدہوش سوتے ہو
زمینِ دیوبند میں وہ سبیلِ علم جاری ہے
کہ جس پر حوضِ کوثر کو بھی شوقِ جاں نثاری ہے
جہاں ابرِ کرم ہر وقت محوِ آبشاری ہے
کہ جس سے ابرِ باراں کو بھی از حد شرمساری ہے
تسلسل سے ہے ہر دم دور میں جامِ مئے اطہر
کھڑے ہیں جانشینِ قاسم کوثرؐ لبِ کوثر
وہ دریا علم کا پہلے جو نکلا تھا مدینہ سے
نبیؐ لائے جسے علم لدنّی کے خزینہ سے
چلا آیا ہے سیدھا دیوبند بہہ کر مدینہ سے
ہیں اس کی نہریں جاری سارے عالم میں قرینہ سے
ہزاروں تشنگانِ علمِ دیں سیراب ہوتے ہیں

جو پی لیتے ہیں قطرہ۔ گوہرِ نایاب ہوتے ہیں

شمیمِ گل میں اس گلشن کے وہ طاقت رسانی ہے
کہ بلبل مست ہو کر جس سے محوِ نغمہ خوانی ہے

زیادہ آبِ حیواں سے اسی دریا کا پانی ہے
کہ کل عالم کو بخشی جس نے عمرِ جاودانی ہے

بھلا پھر کس زباں سے اس کو فردوسِ بریں کہدوں
مجھے جرأت نہیں ہے آسماں کو میں زمیں کہدوں

غزلخواں ہیں مدینہ کے چمن میں بلبلیں اس کی
ترانہ سنج روم و روس میں ہیں قمریاں اس کی

بلادِ ہند میں نغمہ کناں ہیں طوطیاں اس کی
بلا شک سارے عالم میں عیاں ہیں خوبیاں اس کی

اسی گلشن کی بلبلؔ سندھ میں محوِ ترانہ ہے
اسی میں طائرؔ کشمیر کا بھی آشیانہ ہے

رشیدؔ و قاسمؔ الخیرات ہوں جب باغباں اسکے
رفیعؔ الدین اور یعقوبؔ جیسے پاسباں اس کے

جب ایسے ہوں نفوسِ قدسیہ روح و رواں اسکے
قدم چومے نہ کیوں پھر آ کے گلزارِ جہاں اس کے

عہ اشارہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ ناظم موتمر الاسفار دارالعلوم دیوبند۔

عہ اشارہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند۔

انھیں کے فیض کا دریا رواں عالم میں ہے ہر سو
انھیں کی خاکِ پا بنتی تھی رشکِ تاجِ کیخسرو
یہی اُٹھتے تھے احکامِ الٰہی کے سنانے پر
انھوں نے ہی کمر باندھی تھی امت کے بچانے پر
یہی قابض ہوئے الفقر فخری کے خزانے پر
انھیں کو فوق تھا سب تاجدارانِ زمانہ پر
یہی وہ تھے کہ جن کی حق کے گھر توقیر ہوتی تھی
انھیں کی اک نظر سے خاک بھی اکسیر ہوتی تھی
انہی کی رشکِ اعجازِ مسیحا ہوتی تھی ٹھوکر
مسیحائے جہاں پاتے تھے صحت ان ہی سے آکر
گدا ایسے تھے یہ کاسہ سرِ فغفور کا لے کر
لگاتے تھے درِ احمد پہ جب شام و سحر چکّر
انھیں علمِ لدنّی کی وہاں سے بھیک ملتی تھی
یہ تھے جیسے گدا بس بھیک بھی کیا ٹھیک ملتی تھی
پریشاں پھرتے تھے سب تشنگانِ علمِ دیں ہر سو
شہید کربلا کی طرح پاتے تھے نہ اک چُلّو
ہر اک اُجڑے چمن میں بولتے تھے جا بجا اُلّو
جہالت چار دانگ عالم میں تھی چھائی ہوئی ہر سُو
خدا کے واسطے ان سب بزرگوں نے کمر باندھی

ضیاءِ علم ہر ہر گوشۂ ظلمت میں پھیلا دی
بنایا رشکِ گلزارِ ارم اس دیں کے گلشن کو
منوّر کر دیا نکہت سے اس گلشن کے عالم کو
ہوئیں نغمہ سرا پھر علمِ دیں کی قمریاں ہر سُو
لگی پھر فاختہ بھی اس چمن میں بولنے کو کو
گئی ظلمت جہالت کی منور ہو گیا عالم
بہت رفعت پہ لہرانے لگا اسلام کا پرچم
پسند آئی نہ جب ان کو ادا دنیائے فانی کی
گئے فانی سے رحلت سوئے ملکِ جاودانی کی
کہاں اس گلشنِ دیں میں پھر ان کی باغبانی تھی
خیال و خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا تھا کہانی تھی
ہمیشہ گلشنِ فردوس میں ان کا ٹھکانا ہو
سرِ تربت الٰہی ابرِ رحمت سائبانہ ہو
پھر آزادی نے کانٹے بو دیئے راہِ ہدایت میں
مقید ہو گیا ہر شخص پھر قیدِ جہالت میں
بہت سے ہو گئے گمراہ، پھنس کر دامِ بدعت میں
مچا دی لوٹ آ کر جہل نے گنجِ شریعت میں
بہت سے جاہلوں نے آ کے جھوٹی خیر خواہی میں
اُڑائے طائرانِ عقل اسرارِ الٰہی میں

یہ حالت دیکھ کر پھر بحرِ رحمت جوش میں آیا
بدل کر بھیس انسانوں کا اک ابرِ کرم آیا

ہوئے دریا رواں ہر سو چھما چھم اس قدر برسا
ہوئے سیراب پیاسے علمِ دیں کے دم میں دم آیا

لقب محمود از سرکارِ احمد بے گماں دارد
مرا ایں جسم جاں پرور حیاتِ جاوداں بخشد

شرف پاتے ہیں فخر رازؒ و شبلیؒ زماں انسے
علاج اپنا کراتے ہیں مسیحائے جہاں انسے

بنا ہے رشکِ گلزارِ ارم ہندوستاں انسے
زمینِ دیوبند ہے آج رشکِ آسماں انسے

انھوں نے وہ شرف بخشا ہے اس کو باغباں ہو کر
زمینِ علمِ دیں اترا رہی ہے آسماں ہو کر

اُٹھاؤ ہاتھ اب اپنے ذرا دل سے دعا مانگو
دعا مانگو دعا کے ساتھ ہی اک شورِ آمین ہو

وہی ہو جائے گا اب بے گماں جو کچھ کہ تم چاہو
کرم کا وقت ہے ظاہر کرو جو بھی تمنّا ہو

عزیزو اب دعا مانگو کہ یہ وقتِ اجابت ہے
دعا کا وقت ہے اب جوش پر دریائے رحمت ہے

نہیں ہے بند ابھی تک بالیقیں توبہ کا دروازہ

رُخِ رحمت کے رخساروں کی سُرخی ہے تروتازہ
بھگتنا گر نہ چاہو غفلتوں کا اپنی خمیازہ
تو کرڈالو بلند اک بار پھر توبہ کا آوازہ
ندامت دل میں، توبہ لب پہ سعی نیک ہاتھوں پر
سراپا کار بن جاؤ۔ کرو تُف کوری باتوں پر

خداوند! بفضلِ خود ہمیں علم آشنا کردے
زمینِ علم پر باغِ عمل کو پھر ہرا کردے
عمل کے نور سے اخلاقِ ربانی بپا کردے
عظیم خُلق سے احوالِ نورانی عطا کردے
ثمر احوال کا جنّت ہو اور قربِ الہٰی ہو
فقیری تیرے در کی اور دنیا کی بادشاہی ہو

زمینِ دینِ احمد کو الہٰی آسمان کردے
خدایا اس چمن کو رشکِ گلزارِ جہاں کردے
عروج اس کی ترقی کا ورائے لامکاں کردے
اور اپنی رحمتوں کا اے خدا دریا رواں کردے
مسلمانوں کو پہونچا جلد معراجِ ترقی کو!
امیدیں ہنس پڑی ہیں یاد کرکے تیری رحمت کو

حمایت دین کی یارب بس ان کا کارِ منصب ہو
سوا اسلام کے ان کو کسی شے سے نہ مطلب ہو

ترقی دین و دنیا کی ہمیشہ ان کا مرکب ہو
عروج ان کا دلوں میں حاسدوں کے نیشِ عقرب ہو
نہ دیکھیں شکلِ غم یارب ہمیشہ رکھ تو شاد ان کو
ملے ہر دم تری بخشش سے منہ مانگی مراد ان کو
یہ گلشن علم و ایماں کا قیامت تک پھلے پھولے
ہمیشہ بار ور ہوتے رہیں یارب شجر اس کے
ترا ابرِ کرم برسا ہے اس پر اور سدا برسے
رہیں سایہ فگن اس پر ہمیشہ باغباں اس کے
حبیب خاص رحمٰن ہوں ہمیشہ پاسباں اس کے
مربّی ہیں یہی اور ہیں یہی روح و رواں اس کے
قیامت تک الٰہی اس کا فیضِ عام جاری ہو
مخالف کے بھی دل میں اس پہ شوقِ جاں نثاری ہو
تری رحمت کا پانی اس میں محوِ آبشاری ہو
سدا اٹھکھیلیاں کھاتی ہوئی بادِ بہاری ہو
قدم چومے قیامت تک بہارِ بے خزاں اس کے
رہیں محمود و احمد یا الٰہی باغباں اس کے
انھیں کی خوشہ چینی کا مجھے بھی فخر حاصل ہے
انھیں کے آستانِ فیض کا احقر بھی سائل ہے
انھیں کے کفش برداروں میں یہ مکتر بھی داخل ہے

انھیں کے زمرۂ خدام میں بندہ بھی شامل ہے
علمِ طیّب لقب ہے بلبلِ شیریں بیاں میرا
انھیں کے باغ میں اک شاخِ گل پہ آشیاں میرا

فکرِ حزیں

چند حروف کہ از غوائل حشو و اطناب خالی نیند بمحض حب قلبی نوشتم

این چند سطور از صنائع اشعار و بدائع مصارع خالی مگر از دردِ قلبی و ہیجانِ عشقی لبریز۔ ہر کہ بیند مرا بدعائے خیر یاد دارد کہ بندہ باین دارِ فانی بجز دعائے خیر محتاج چیزے نیست ؎

خدا را انتظارِ حمدِ ما نیست
محمد چشم در راہِ ثنا نیست
محمد از تو می خواہم خدا را
خدایا از تو حب مصطفٰے را

گلستانِ علم (دار العلوم دیوبند) وَمَنْ بِہَا

ہمیں گلشن کنوں کو رشکِ ہند است
ہمیں دار العلوم دیوبند است
بمرغانِ چمن فضلش ہویدا
چمن اندر چمن بارانش پیدا
بہر ہر مرغ خود گوید کہ اعطی
فَاِنِّیْ قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ
بماہ ہند آمد ضوء این مہر
بر اعدائے چنیں مہرے شود قہر
بارضِ ہند بیشک آں فلک ہست
بچشمِ ہند انسانش ملک ہست
بذاتِ بانیش رحمت بباری
بہ قربِ رحمتِ جانش در آری

بہر سو دینِ برحق زاں علم شد | حکایتہائے شرک و کفر کم شد
جہادے کردہ و دیں را فزودہ | کہ شرک و کفر از عالم ربودہ
بہم ایمان و دیں از بس رسیدند | ز نورش کفر و بے دینی رمیدند
بعلمے جہل از گیتی رواں شد | بیامد حق و باطل از جہاں شد
محمد قاسم الخیرات ذی شاں | گرفتہ دینِ برحق رد نقضے زاں
بباغِ دینِ احمد باغبان ست | کہ ایں گلشن بعہد نوجواں ست
شریعت را ہزاراں بر علم کرد | طریقت را بلوحِ دل رقم کرد
شدہ در شرق و غرب از وے فساآ | جنوب و در شمال از وے ترانہ
کہ صیت فضل و فیض او محیط است | چو نورِ مہر بر عالم بسیط است

انقلاب دھر

وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ

ہماں گوہر کہ او بودہ جہاں تاب | جہاں از آبِ فیضش گشتہ بیتاب
بصد حیفم کہ نورِ مہرِ رخشاں | نہ ہر ذرہ بود از مہر رخشاں
باافسوسم کہ ابرِ آبِ حیواں | نبارد از پئے اطفال بستاں
بفریادم کہ فیض لا تناہی | گذارد تشنہ اندر آب ماہی
خدا را اے وفادارانِ دلریش | بمن گوشے کہ می گویم غمِ خویش
چہ غم! افسانۂ صد درد و ماتم | بہ ہول روز رستاخیز ہمدم
چہ غم! جورِ فلک ہر صبح و ہر شام | چہ غم! تیرِ قضا بے وقت و ہنگام
چہ غم! من زندہ و جانم تہِ خاک | چہ غم! تن سالم و در سینہ صد چاک

چه غم! بے چادری دا ابرِ باران　　چه غم! بے مادری دا شیر خواران
چه غم! با بے نوائی ساز کردن　　چه غم! فریاد بے آواز کردن
چه غم! ماهی در ریگ گرم دگرما　　چه غم! مفلوج و آبِ سرد و سرما
چه غم! جامِ تهی از بادهٔ خُم　　چه غم! راهم دراز و زادِ ره کم
چه غم! رو پوشیٔ ایمان و جانم　　چه غم! بربادگیٔ خان و مانم
چه غم! بے تو جهان پُر ناله و شور　　چه غم! بے تو هزاران زنده در گور

تو اے مولائیم آخر کجائی
زمار و پوشش بے چون و چرائی

کجائی روز ما را آفتابی　　کجائی اے شبم را ماهتابی
کجائی داروئے مطلق کجائی　　کجائی مرشدِ برحق کجائی
کجائی راحتِ جانم کجائی　　کجائی نورِ ایمانم کجائی
کجائی داروئے دردِ دلِ من　　کجائی ساکنِ آب و گلِ من
کجائی اُے که بودے بر تو نازم　　کجائی اے که سویت چشم بازم
کجائی اے سرو سامانِ مایان　　کجائی روح مایان جانِ مایان
کجائی تا ترا خدمت گذارم　　بمیرم زیر پایت جاں سپارم
سرم بر زانوت چشمم بسویت　　کفن از دامنت قبرم بکویت

نه تخمے تا تنه خاکت فگندند
نه رازی تا که پنهانت پسندند

اگر نورے بخال من قدم زن　　اگر خالے بیا در مردمِ من

اگر خود مردمے در چشم من شو | دگر چشمے بیا در حدقہ ام رو
اگر تنہائیت مقصود باشد | ہزاراں خلوتم موجود باشد
دلم دارم ز دردِ غیر خالی | بیا بنشیں قدم نہ لا اُبالی
سرے دارم ز سودائے دگر پاک | بیا بنشیں قدم نہ چست و چالاک
نہاں دارم درونِ سینہ خانہ | بیا بنشیں قدم نہ مالکانہ
دو چشم و اندرونش پردہ ہایم | بیا بنشیں قدم نہ اے نگاہم
دماغم شد تہی از فکرِ اغیار | بیا بنشیں قدم نہ مست و سرشار

ولیکن من کجایم تو کجائی
کہ در ویرانۂ قلبم در آئی

توٗ و با ذاتِ حق راز و نیاز ے | من و بے ذاتِ تو سوز و گدازے
توٗ و ہر دم حصولِ مقصدِ خویش | من و چشم پر آب و سینۂ ریش
توٗ و قدوسیاں و سُبحہ رانی | من و جانِ حزین و نوحہ خوانی
توٗ و لاہوتیاں و اسمِ اعظم | من و ناسوتیاں و نوحۂ غم
توٗ و کرّوبیاں و عیش و عشرت | من و ماتم سرا و کُنجِ وحشت
توٗ و با توجمالِ جاودانی | من و با من وبالِ زندگانی

دمے زخاک مولانا بروں آ
کہ بینم روئے زیبا قدِّ رعنا

چہ دیدی کز ہمہ سایہ بُریدی | چہ افتادت کہ تا دامن کشیدی
ز پہلوئے محبّاں پاک رفتی | جفا کردی کہ زیرِ خاک رفتی

مرا باشد اگر صد چشم بینا — بود در روئے ترا ہر دیدہ جویا
کشائم دیدہ تا روئے تو بینم — گل نظارہ از حُسن تو چینم
ترا ہر لحظہ دیدن با خداوند — مرا از دیدنِ تو دیدہ نے بند
ترا از دیدنِ ماگشتہ پرہیز — مرا بے تست جامِ عمر لبریز

ولے اے طبیبِ غافل ندانی
کہ نورِ مہر را ظلمت بدانی

نہ موتست اینکہ دانی بل وصالست — کہ نزدِ آشنا افزوں کمال ست
وگرنہ موت کامل ارتحال است — کہ از حالے بحالے انتقال است
چو خورشیدیست زیر ابر پیدا — بگیتی روزِ روشن زاں بہر جا
منور تربتش از فضلِ خود ساز — درِ رحمت بروئے اُو کنی باز

سقی اللّٰہُ الکریمُ ثراہُ مہما
یُفیض علیٰ بسیط الارضِ نعماء

ایقاظ نفسِ خود کہ اصلِ اُصولِ معرفت ست

خداوندا بایں مردانِ میداں — کنی انجام من برخیر و احساں
بکامِ نفسِ خود مشغول ہستم — زیاد و ذکر تو معزول ہستم
زمانہ شد بعیش و کامرانی — ندارم ہیچ زادِ جاودانی
نصیحت گوش کن اے نفسِ دوں کیش — حذر کن بنگر اندر رہ پس و پیش
بیابشنو کہ دنیا بے ثبات ست — جہانے دیگر از بہر حیات ست
بسا کس اندریں رہ پا نہادند — بآخر سر نہادہ پا نہادند

نگہ کن بر شہانِ آسماں جاہ — نہ بُردند از جہاں جز حسرت و آہ
نگر آنگہ بجمالِ خوب رُویاں — بعالم آنکہ بودہ مشکبو یاں
بہار شاں خزاں بگرفت و بگذشت — بسانِ لالہ بر دل داغ در دست
نگہ کن بر جمالِ حسنِ یوسف — ہمہ عالم از و شد در تأسف
ہمہ حسنش سمومِ مرگ پژمرد — بجز نامِ گرامی نیست چوں مرد
ببیں پیشیں زمانہ ہا گذشتہ — ہزاراں کس وحید دہر گشتہ
چو مرگِ شاں کشیدہ جاں ز اجسام — نماندہ یاد در عالم بجز نام
حذر از محنتِ دنیا ضرور است — کہ دنیا از وفا پاک است و دور است
بجز نقدِ گنہ چیزے ندارم — مگر از فضلِ اُو اُمید وارم
بحالِ زارِ من یارب نظر کن — چو وا ماندم بفضلِ خود گذر کن
بیا طیّب زاین وآں گذر کن
بسوئے رحمت از فضلش نظر کن

ذکرِ محمود

مرثیہ حضرت قطب ارشاد مرشدِ عالم شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ مع ذکر تحریکِ خلافت جو حضرت کی وفات پر دار العلوم دیوبند کے ایک عظیم تعزیتی جلسہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔

تمہید

ظلمت سرائے فنا معمور است۔ و آفتاب رُشد مستور۔ سفینہ نوح موجودات و نوح راہ مفقود۔ کجا فکر راہ پیمائی راہ بیابان۔ وکجا غم گم شدنِ راہ بر راہبران۔ حیف کہ سرود اہلاً وسہلاً باختتام نرسید کہ وقت وصال حقیقی محمود در رسید کہ محمود احد و مقصود احمد بود۔ عاقبتِ ماتم سرایانِ محمود محمود۔ و ذاکرین منازل محمودش ہمچو مسک برداران مسعود۔ بدیں وجہ ایں حقیر کم مایہ کہ نامش طیب است لیکن خود طیب شدن می خواہد۔ چند ابیات ز کلکِ غم بنگارش می پردازد۔

دہر کب دیکھا گیا ہے ان حوادث سے بری !
جن سے ہے آباد، دنیا کی تغیُّر پروری
انقلابات آفریں ہے۔ دورِ چرخِ چنبری
ذرّہ ہے ذرّہ کبھی، اور گاہ مہرِ سروری
ہے کبھی ہندوستاں کی خاک ہم اوجِ فلک
اور کبھی اس میں نمایاں ہے غلامی کی جھلک
بستیوں میں کتنی ہی۔ آباد ہیں ویرانیاں
اور ویرانوں میں پیدا آج بستی کے نشاں
کتنے ہی گلشن ہوئے۔ صحرا میں مرہونِ خزاں
اور خزاں دیدہ بھی کتنے آج ہیں باغِ جناں
کتنی ہی رفعت کی تصویریں ہوئیں پا بوسِ خاک

اور پستی ناک دیواریں ہوئیں پستی سے پاک
اک زمانہ تھا کہ بزمِ ہند تھی مدہوشِ خواب
بزمِ مشرق میں دواں مغرب کی تھی مہیائے ناب
اور زبانوں میں نہ تھی کچھ نغمہ پیرائی کی تاب
کیونکہ مغرب کے سمندر میں تھے ہم مثلِ حُباب
چھوڑ بیٹھے تھے نوا پیدا بھی ذوقِ شور و غُل
ہو چکی تھیں بلبلیں بھی باغ کی تلمیذِ گُل
کب رہا ہے خواب میں اندیشۂ سُود و زیاں
خواب میں زنداں سے غافل رہتے ہیں زندانیاں
اور دولت کے نشوں سے بے خبر سلطانیاں
محو رہتا ہے۔ خیالِ ایں فلاں و آں فلاں
سب کے سب غفلت زدہ تھے اہلِ اسلام و ہنود
سب ہی محوِ خواب تھے۔ اور "دُزد اندر خانہ بود"
آتشِ جورِ فرنگ کے آسماں پیکر جبال
جن سے دولت ہند کی جل کر تھی ریگ پائمال
اشکہائے دیدۂ پُرنم تھے گو دریا نوال
تھا مگر اس نارِ عالمگیر کا بجھنا محال
نارِ یورپ تھی الٰہی یا تھا طوفاں آب کا
دل کے ارماں جل گئے۔ پر ساتھ ہی دل بجھ گیا

غیرتِ حسرت ہمارا شاہدِ آرام تھا
نقدِ وحشت کا خزینہ یہ دلِ ناکام تھا
فرشِ خاکِ ملک مثلِ بسترِ آلام تھا
ابتدا کچھ بھی ہو، آخر کار یہ انجام تھا
نا اُمیدی خار تھی، اور اپنا دامانِ حیات
زندۂ زنداں تھے زندہ، اور پشیمانِ حیات
گو یہ سب تھا، پر جو ہو تیغِ ندامت کا شکار
فائزِ امید ہے، جس پر ہے نُصرت کا مدار
فتح ملتی ہے، اگر ہو جوشِ عبرت استوار
مٹ نہیں سکتا ہے باطل سے صداقت کا شعار
رحمتیں اُمڈیں، اُمیدیں خوگرِ ارماں ہوئیں
درد کی جو شدتیں تھیں، رُوکشِ درماں ہوئیں
ظلمتِ شب ہی سببِ آخر ہے صبحِ عید کی
شامِ غم ہی سے چمکتی ہے سحر اُمید کی
نوبتِ وصل آگئی آخر کو ہجراں دید کی
اور امیدیں ہنس پڑیں اس خاکِ نا اُمید کی
ابرِ رحمت، رحمت افشاں، شکلِ انساں میں ہوا
اور چل نکلی چمن میں۔ پھر مسرّت کی ہَوا
اک اُٹھا داعی خدا کا، نعرۂ مستانہ زن

اور کڑک کر دی عمل سے اک صدائے کوہ کن
غُلغلہ تا ہفت گردوں ہو گیا لرزہ فگن
گونج اُٹھی عالمِ مشہود کی یہ انجمن ،
ایک خاموشی ہی اُس کی رشکِ صد گفتار تھی
اُس کی ہستی ہی سراپا طاقتِ کردار تھی
یعنی خورشیدِ نبوت کی جہاں تاب اِک کرن
ابتدا و عاقبت محمود۔ محمود الحسن
جس کے شمعِ رُخ کی شیدائی تھی ملّی انجمن
جو ہُوا بے باک یُورپ کی فضا میں نعرہ زن
یوں نوا سنج ہے کہ اُٹھ اے قوم۔ اب ہشیار ہو
خوابِ غفلت چھوڑ دے لِلّٰہ اب بیدار ہو
مٹ رہا ہے آج ملّت کی خلافت کا نشاں
مدتوں محکوم تھا جس کا یہ سارا خاکداں
اب خدارا نامِ حق پر کھینچ لے تیغ زباں
کیوں ہے اب بھی تو۔ قتیلِ خنجرِ سود و زیاں
کام میں لگ۔ پھر تو حامی ہے نتیجہ کا خدا
چھوڑ دے انجام بینی۔ وقت ہے آغاز کا
آہ فاراں کا جبل۔ اور وہ عرب کا ریگزار
وادیاں مکّہ کی۔ اور وہ اس کے روشن کوہسار

وہ مدینے کی فضا۔ اور اس کے اسلامی شعار

باغِ رضواں جس پہ شیدا ہو وہ احمد کا مزار
مسجدِ اقصیٰ کی وہ پیاری مبارک سرزمیں
جس سے نورانی ہوئی تھی سارے عالم کی جبیں
بیتِ مُقدس ہی فقط کیا؟ ملک سارا شام کا
کچھ نہیں ہے آج جو کچھ تھا عرب کے نام کا
جا چکے سب مُلک جن سے نام تھا اسلام کا
قوم میری! تجھ کو اب بھی فکر ہے انجام کا
آہ وہ معمورۂ مدّت کی تُرکی سلطنت
کل تلک جس سے رہی آزادیوں کی مملکت
جس کا بیت السلطنت کل تھا پناہِ مکرمت
ہاں۔ وہی بیت الخلافت آج ہے زنداں صفت
بوریائے قید ہے۔ تختِ امیر المؤمنیں
خون روئے آسماں۔ ہو خاک برسرِ زمیں
آہ تو مظلوم ہے اے میری قوم بے خبر
تجھ کو پہونچا گردشِ ایام سے ہے یہ ضرر
ہاں مگر پہلے ہو آپس میں ذرا شیر و شکر
پھر صدا فریاد کی اپنی اُٹھا دے بے خطر
یاد تازہ کر حدیثِ احمدِ معصومؐ کی!

رائگاں جاتی نہیں دعوت کبھی مظلوم کی

آج تیرے مرض کی ہے صرف یہ ہی اک دوا
جس کے پہونچانے کو میں نے آج چھوڑا مالٹا

ہوں سبکدوشِ فریضہ۔ کیونکہ دعوت دے چکا
قوم کو دے دی "أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰہ" کی ندا

رخصت اب اے قوم دنیا کی ہوا بھاتی نہیں
رُوح و رَیحاں کی یہاں پر کچھ ہَوا آتی نہیں

جیسے نھی بجلی کا کڑکا دعوتِ حق کی پُکار
گونج اُٹھے جس سے دریا اور دشت و کوہسار

ایسے ہی یہ داعئ صادق بھی آیا برق وار
ڈھونڈھتی ہی رہ گئی جس کو نگاہِ خیرہ کار

دعوتِ حق دی ادھر تھا رخت بر بندِ سفر
اے دلِ مضطر بتا اب کون ہوگا راہ بر

پھر ہے مرکز نا اُمیدی کا اُمید آبادِ ہند
آج پھر بے سوز ہے ہر ہر دلِ ناشادِ ہند

زلزلہ انداز دل ہے آج پھر فریادِ ہند
آج جو یارِ ضیار ہے خانۂ برباد ہند

حرفِ موت آتا ہے آج اک زندۂ جاوید پر
بجلیاں گرتی ہیں میرے خرمنِ اُمید پر

لرزہ براندام ہے۔ اور خاک برسرِ دہر آج
ہائے وہ سرمایہ جس کا تھا عبادت کا خراج
عہدِ جورِ کفر میں رکھی تھی جس نے دیں کی لاج
اور کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے یورپ کا تاج
جو ستارا آسماں سے آگیا تھا ٹوٹ کر
آج پھر پروازِ راں ہے آسمانِ اوج پر
آہ اے فرزانۂ سرِّ شریعت شیخِ ہند
آہ اے دیوانۂ رمزِ طریقت شیخِ ہند
آہ اے غوّاصِ دریائے حقیقت شیخِ ہند
آہ اے بریاں زسوزِ عشقِ وحدت شیخِ ہند
اے، تماشا گاہِ عالم تھا ترے چہرے کا نُور
اب کہاں ذوقِ تماشا۔ تو ہو جب نظر و نسئے دُور
آہ تو تھا علم کا دریائے ناپیدا کنار
قطرۂ دل تھا ترا اک گوہرِ شب تاب وار
جو بھی تھا غوّاصِ دریا آج ہے یوں اشکبار
کس طرح گوہر بدست ہوں جس سے ظلمت ہو فرار
ظلمتوں کا ظلم۔ اور تاریکیوں کا یہ ہجوم
المدد۔ اے شیخ۔ اب اٹھتا نہیں بارِ ہموم
شمعِ حق تھا خود۔ کہ شمعِ حق کا تو پروانہ تھا

قصۂ دل ہاں ترا اک نور کا افسانہ تھا
تیری گردوں رس صدا اک نعرۂ مستانہ تھا
تو ندائے "جاہدوا فی اللہ" کا دیوانہ تھا
علم پیمائی میں تھا جب۔ تھا تو اک بااجتہاد
جنگ آرا جب ہوا۔ جب تھا تو اک مردِ جہاد
ابتدائً تھی تری اُستاد، گو عقلِ سلیم
پر علومِ لوحِ قرآں جب ہوئے تیرے ندیم
اور حدیثِ احمدِ مرسل ہوئی تجھ پر کریم
عقل بھی خود سامنے تھی مثلِ تلمیذِ صمیم (خالص)
ذرّہ ہائے خاک تک ہی ہے رسائی عقل کی
اور ورائے لامکاں ہے تاز نورِ نقل کی
منطقِ یوناں کی صرف اک ذلّت عزت نما
جورِ ہمشکلِ وفا۔ اور گِل برنگِ کیمیا
اور جہلِ فلسفہ کی ظلمتِ تابش ادا
منہدم سازِ جگم۔ دانائی حکمت صدا
ابنِ سینا کی اگر نازش تھی۔ اس دولت پہ تھی
گر ارسطو کی جبیں خم تھی۔ تو اس ملت پہ تھی
نازشِ محمود تھا علمِ الٰہی کا وہ نور
ظلمتِ یونانیاں جس سے گریزاں دُور دُور

وہ حدیثِ مصطفٰے جس سے ہے ایماں کا ظہور
جس سے پاتا ہے فراست کی ضیاء ہر باشعور
فرق یہ ہے وہ تو تھا اک مایۂ نازِ مشقی
اور یہ انوار ہیں اک مایۂ نازِ ولی
خاک غم محمود کی ہے مثل سرمہ بہرِ چشم
کیونکہ دو آنکھیں ہیں گویا پر گہر دو بحرِ چشم
مت سمجھ آنسو۔ گہر ریزی ہے کرتی نہرِ چشم
اشک سمجھا خلق نے گوہر کو۔ یہ ہے سحرِ چشم
فکر کیا ہے چشمِ گوہر ریز گر بہہ جائے گی
تھی عطا اُس کی ہی اُس کے کام میں لگ جائیگی
یہ کھُلی آنکھیں کبھی جب خوگرِ نظارہ تھیں
جستجوئے دید میں مجنوں صفت آوارہ تھیں
یا خُمار آلودۂ نظارۂ رخسارہ تھیں
اور یہی کچھ تازگی بخشِ دلِ بے چارہ تھیں
آج "منظر" ہی نہیں۔ گل دید کا کھلتا نہیں
ڈھونڈھتی ہیں ہر طرف لیکن نشاں ملتا نہیں
کس طرح دیجئے تغیّرہائے گردوں کی مثال
گہ صعود و گہ ہبوط و گہ خوشی گاہے ملال
ماہِ شب۔ بڑھ کر کے ہر انجم سے ہے جس کا جمال

ہے کبھی بدر۔ اور کبھی شرمندۂ نقشِ ہلال
گاہ خورشیدِ جہاں آرا برآید نارگوں
گہہ زگردشہائے دوراں می شود اوسرنگوں
انقلابات وحوادث کی رسائی دیکھ کر
بختِ ژولیدہ کی اپنے نارسائی دیکھ کر
جوّ دنیا کی یہ کچھ گندم نمائی دیکھ کر
اور سرابِ دہر کی یہ خوش ادائی دیکھ کر
دیکھ کر طرّاریِ اسپِ حیاتِ مستعار
اور سمجھ کر ہستیٔ فانی کا کچھ انجام کار
آنکھ کہتی ہے کہ عزمِ سیل وطوفاں کیجئے
خانۂ دل چیختا ہے مجھ کو ویراں کیجئے
آہ بولی مجھ کو ماتم سازِ ارماں کیجئے
عقل کہتی ہے کہ حضرت فکرِ درماں کیجئے
آہ گم کردہ حواسِ خمس اور آزردہ ہوں
آہ کی، یا دل کی، یا کچھ عقل کی کس کی سنوں
دشت وحشت بڑھ چلا تارِ گریباں کے لیئے
درد کی شدت بڑھی تاراجِ درماں کے لیئے
اور ہجومِ یاس امڈا قتلِ ارماں کے لیئے
لشکرِ حرماں بڑھا پابندِ حرماں کے لیئے

تابِ خاموشی نہیں ۔ یارائے ضبطِ دل نہیں
کیسے ہو یارب کہ دل اپنا وہ پہلا دل نہیں
دل ہے اک ویرانہ اپنا عیش کی منزل نہیں
شمعِ دل خاموش ہو جب قابلِ محفل نہیں
کیا تعجب ہے گر ایسا دل بحق واصل نہیں
خاک دل اک خاک ہے جب خاکسارِ دل نہیں

نے فروزاں، نے درخشاں، نے کہ تابانِ آمدم
صورتِ شمعم سرِ گورِ غریباں آمدم

اے خدا! بہرِ مریضانِ ستم درماں ہے تو
دشتِ پرخارِ الم میں رہبرِ یاراں ہے تو
اور ہجراں میں انیسِ وحشتِ ہجراں ہے تو
اور قفس میں مطمئن سازِ دلِ مرغاں ہے تو
اے خدائے قادرِ فرماں دہِ صبر و رضا
طاقتِ ضبطِ فغاں دے دل کو ہمت کر عطا

دیکھ اے ضبطِ جنوں، ضبطِ الم، ضبطِ فغاں
وہ کہ اول سے ہیں صدہا طاقتیں تجھ میں نہاں
وہ کہ آثارِ جمیلہ تیرے ہیں سب پر عیاں
آج جو لانگاہ ہے تیری فضاء امتحاں
دل کی ڈھارس ہے تو تیری اک نگاہِ مست ناز

کم اگر ہوگا تو ہوگا۔ تجھ سے دل کا سوز و ساز

وہ صدائے استقامت دے دہانِ باز سے
گنبدِ عالم لرز اٹھے تری آواز سے
سیکڑوں نغمے ہوں پیدا تیرے تارِ ساز سے
نارسا بخت ہوں۔ کر ساز مجھ ناساز سے

دے خدارا جلد اک آوازِ عبرت زائے دل
اور اُٹھا دے اک ندائے قُم حیات افزائے دل

گوشِ دل میں گونجتی ہے اک صدائے جاں فزا
دیدۂ بے نور میں پیدا ہوئی جس سے ضیاء
گلشنِ جاں میں چلی جس سے مسرّت کی ہَوا
ہے یہی شاید مرے ضبطِ الم کی اک ندا

دیکھ لے چشمِ بصیرت اور سُن لے گوشِ دل
آ رہی ہے دل ہی دل میں۔ کچھ نہ کچھ آوازِ دل

آوازِ دل

اے زدو عالم ربودہ اے زغفلت بے خبر
آنکھ دی جاتی ہے انساں کو پئے دید و نظر
دل عطا ہوتا ہے، تا ہو امتیازِ خیر و شر

عقل دیتے ہیں کہ تا ممتاز ہوں سود و ضرر
عبرتیں پیشِ نظر ہیں آنکھ صرفِ دید کر
عقل سے پہچان دل کو کشتۂ اُمید کر
چیخ کر بھی اور خموشی سے بھی رو سکتے ہیں ہم
اشک پیہم سرد کر سکتے ہیں نارِ رنج و غم
اور سبکدل بھی بنا سکتی ہے ہم کو چشمِ نم
درد کی شدت مگر درماں سے بھی ہوتی ہے کم
فکرِ درماں کر مداوائے دلِ ناکام کر
بیٹھ مت رہ دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر
تو سمجھتا ہے کہ درماں نام ہے آرام کا
کرب کے مٹنے کا زخمِ درد کے ابرام کا
دیکھ آنکھوں سے پلٹنا چرخِ نیلی فام کا
کر نظارہ دہر کے اک انقلابِ عام کا
درد ہی ہے آج درماں اور ٹھنڈک سوز ہے
بے خودی ہی آج اک عقلِ ادب آموز ہے
عقل اک غفلت ہے اور اک حیلۂ دامِ ممات
بے خودی اک عقل ہے۔ اسرار آرائے حیات
لاکھ صبحِ عقل سے بہتر جنوں کی ایک رات
پردۂ دل میں نہاں کر اس لیئے پچھلوں کی بات

کہہ گئے ہیں اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
ہوش آرائے حیات ست آں کہ فرزانہ نشد

گو کبھی تھیں خامشی میں راحتیں صد ہا نہاں
لیکن ابرِ انقلابِ دہر ہے اب گلفشاں
یہ سکھاتی ہیں تغیر کی ہوا کی شوخیاں
خامشی ہی آج کل ہے عین پستی کا نشاں

گرچہ تو ہے خاک پر دامن صبا کا تھام کر
اک بگولہ بن کے اُٹھ اور فوقِ گردوں گام کر
آبِ بارد بھی نہ بن۔ اور نارِ قاتل بھی نہ ہو
بادِ پروازی بھی مت کر۔ پستیٔ گل بھی نہ ہو
شیرِ شیریں بھی نہ ہو۔ زہرِ ہلاہل بھی نہ ہو
بے عناں بھی مت ہو۔ پابندِ سلاسل بھی نہ ہو

واقعاتِ دہر ہیں اسرار آموزِ حیات
سختی و نرمی بہم ہو جب ہی ہے فوزِ حیات
اک ترنّم کی صدا گوشِ سماعت کا ہے فوز
شور و غوغا درد ہے کانوں کا اور آرام دوز
روشنی ہلکی ہو جب ہے چشم بان و جانفروز
تیز ہو کر پھر تڑپ ہے اور ہے نظارہ سوز

خوشگوارِ جاں صبا ہے، ہو مگر جب تک لطیف

اور وہی آزردہ کن ہے۔ تند ہو جب اور کثیف
زندہ گر۔ زندہ دارِ دل بشو از نار جوش
تازگی بخشِ مشامِ جاں شود اب فکر و ہوش
ہمت افزائے زباں شو از صداہائے خروش
بعد ازاں گویم کہ بر بند نظیری دار گوش
من نمی گویم زیاں کن یا بہ بند سود باش
اے ز فرصت بے خبر دار ہر چہ باشی زود باش

آہِ دردمنداں

حضرت کے والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند ابن حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ بانیٔ دارالعلوم نے حیدرآباد دکن سے لوٹتے ہوئے نظام آباد اسٹیشن کے قریب ریل میں بتاریخ وفات پائی۔ حضرت مدظلہٗ نے اس سانحہ پر ذیل کا مرثیہ لکھا جو دارالعلوم میں حضرت ممدوح کے جلسۂ تعزیت میں پڑھ کر سنایا گیا جس سے پورے جلسہ پر گریہ طاری تھا اور بعض کی آواز بھی میں شنائع ہو چکی ہے۔

ملجائے کساں و بے کساں رفت ماوائے ضعیف و ناتواں رفت

مطلوبِ قلوبِ طالباں رفت محبوبِ دلِ جہانیاں رفت

گنجینۂ فیضِ بے کراں رفت قنّام زبزمِ قاسماں رفت

رأسِ زمن و پناہِ ایماں سرحلقۂ بزمِ مؤمناں رفت

سردائرۂ علوم و تقوے محمود و حبیبِ عالماں رفت

تسکینِ خواطرِ کریماں ہیہات کہ ازجہاں چناں رفت

باغ است و بہار خاک برسر کز گلشنِ علم باغباں رفت

طفلانِ چمن بزرد روئی شادابی و نکہتِ گلاں رفت

اے وائے چمن چنیں خزانے گل رفت و نسیمِ گلستاں رفت

آں رفت کہ رفتنش ز عالم گویا ز ہمہ جہاں تواں رفت

آں راہ نمائے دینِ احمدؐ آں قدر فزائے قدسیاں رفت

آں صدر نشینِ مرکزِ علم آں گلّۂ علم راشباں رفت

آں قاسمِ علم و ابنِ قاسمؒ از حلقۂ قاسمی دواں رفت

دارائے علوم حافظ احمد بگذاشتہ نام و خود نہاں رفت

ماندیم ز مرکزِ عقیدت افسوس کہ قبلۂ دلاں رفت

اُو رفت کہ رفت رعب و ہیبت اور فت کہ شیرِ نیستاں رفت

اے طیّبؒ و طاہرِ شکستہ الصبر کہ پیرِ دودماں رفت

تسلیم کہ رفت پیر سالے لیک آہ کہ ہمتِ جواں رفت

انداختہ خرقۂ یتیمی — بردوش شما سوئے جناں رفت
اندوختہ زاد راہِ عقبیٰ — از راہِ زمیں بآسماں رفت
ظلِ پدری کشیدہ ازما — درظلِّ ملیکِ مالکاں رفت
برداشتہ دل زما غریباں — ازغربتِ رہ رہِ جناں رفت
رفتہ زجہاں کہ رفتنی بود — حیفے کہ زدہر ناگہاں رفت
ناسودہ بہ ملک تن چوجانش — تسبیح کناں بہ ملکِ جاں رفت
حرکت[عہ] زدہ سبحۂ انامل — تہلیل کناں رواں دواں رفت
برلوح جبیں نوشتہ مومن — ازکلکِ قضا بعرق[عہ] چناں رفت
لاریب شہیدِ موت[عہ] غربت — رفتہ بحیاتِ جاوداں رفت
پیمودہ سبیلِ حق تعالیٰ — باموت شہادتہم عناں رفت
مہمانِ شہ[عہ] دکن شدہ پس — مہماں سوئے شاہ آسماں رفت
درخطۂ صالحیں نہفتہ — برخطۂ امرِ رب نہاں رفت

عہ عقدِ انامل پڑھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ۲۹ کے عقد پر انگلی تھی اور ہونٹ تیزی سے حرکت میں تھے ۱۲ عہ اشارہ بحدیث نبویؐ المؤمن یموت بعرق الجبین ۱۲ عہ حیدرآباد اور نظام آباد کے درمیان ریل میں وفات پائی ۱۲ للعہ نظامِ دکن کا تار نظام آباد پہونچا کہ نعش حیدرآباد لائی جائے اور یہیں دفن کیا جائے چنانچہ خطہ صالحین (حیدرآباد دکن) کے مشہور قبرستان میں سپردِ خاک کیئے گئے ۱۲ ؛

بگذاشتہ زود دوش احباب — بر دوش و سرِ فرشتگاں رفت
بگذاشتہ ایں سرائے فانی — با طائرِ قدس آشیاں رفت
با دلق گدا بطبعِ شاہی — پیوستہ بماند و ہم چناں رفت
غمہا بقلوب ما فتادہ — او گرچہ تہی غم از جہاں رفت
ما گریہ کناں بسیلِ اشکیم — واں خندہ زناں بجاوداں رفت
ما ئیم و فتادگیّ و دوری — او بر در قُرب بے گماں رفت
پایاب نمود منزلِ ہجر — قطرہ سوئے بحرِ بے کراں رفت
پابندِ ہوائے شوق گشتہ — ذرّہ سوئے آفتاب جاں رفت
رحمت بہ تن و روانِ تو باد — اے آنکہ زجاں بہ جانستاں رفت

نعتِ نبوی

تو ہے وہ نقطۂ انوارِ فیضانِ خداوندی
کہ جس سے نور ساماں ہے فضاء بزمِ امکانی
بنے اگلے نبی تجھ سے ہوئے پچھلے ولی تجھ سے
ترے ہی فیض سے ارزاں ہوئی شاہوں کو سلطانی
مقاماتِ عروجِ رُوح تم سے ہیں نہ تم اُن سے
ہے سورج خود سے روشن اور شعاعیں اس سے نورانی
نبوّۃ ہی نہیں ختمِ نبوّۃ کے ہو تم حامل

ستارے انبیاء ہیں اور تم ہو مہرِ نورانی
زمینی طاقتوں کا منتہائے ہے ایٹمی ذرّہ
خدائی طاقتوں کا منتہائے ہے ذاتِ نورانی
کمالاتِ نبوت ختم ہیں ذاتِ مقدس پر
نہ ہو ختمِ زمانی کیوں نہ پھر طغرائے پیشانی
براقِ برق پا تختِ رواں تھا ذاتِ اقدس کا
قدم کیا لیتا آکر منجمد تختِ سلیمانی

قصیدۂ خیر مقدم

بہ تشریف آوری عالی جناب محترم سعید احمد صاحب سنگاپوری
وسیٹھ قاسم صاحب بیٹری از راندیر ضلع سورت ، برائے
معائنہ دارالعلوم دیوبند۔ بتاریخ یکم صفر ۱۳۴۲ھ۔

آج تھمتا ہی نہیں دل میں مرا پیکِ خیال
دل کی نظریں متقاضی ہیں پئے شاہدِ حال
کی نظر جب تو عجب بزم ہوئی پیشِ نظر
جس سے روشن ہے مرا عالمِ ادراک و خیال
بزم ہے پیشِ نگہ اور نگہ پیشِ بزم
کیا بتاؤں کہ ہے کیا چشمِ نگہ باز کا حال
ہے نگہ بزم میں اور بزم نگہ میں قائم
ڈر ہے اُٹھے نہ کہیں دور و تسلسل کا سوال
حکم میں نے پئے تصدیق تصور کو دیا
کہ مرتب کرے اس بزم کی واضح سی مثال

بزم کیا کہیئے کہ ہے اک چمنستانِ ازل
بے مثالی ہی رہی جس کی ہمیشہ سے مثال

ہے زمیں اس کی مگر اوجِ فلک سے بھی رفیع
جس میں پستی بھی اگر ہے تو وہ رفعت کی مثال

لامکاں اس کے لیئے اک فلکِ فیضرساں
جس میں حرکت نہ سکوں اور نہ عروج اور زوال

اس چمن کیلیئے اخلاقِ نبوت ہیں نجوم
جن سے تاثیر ہے ہر نخل میں پیدا بکمال

ماہِ نو اس فلکِ پیر کا وہ ہے کہ جو تھا
قطعۂ قلبِ نبوۃ کا درخشندہ ہلال

نقرۂ صدرِ نبوت سے درخشاں خورشید
جس کی ضو سے تپش اندوز ہے ہر ایک نہال

دہر میں آتے ہیں جو حضرتِ حق کے نفحات
ہیں وہی اس چمنستاں کی صبا اور شمال

اس پہ جو ابر برستے ہیں سیہ فام نہیں
ابر ہیں اس کے مُلک جن سے ہے ہستی کا جمال

یہ وہ بادل ہیں کہ ہے وحی کی بارش ان سے
جس کا دلہائے نبوۃ میں سماتا تھا زلال

آب یہ آبِ حیات اور ہے وہ عذبِ فرات
نہ ہوا اور نہ ہو پی کے کسی دل کو ملال

جبکہ اَلْیَوْم سے دراصل ہوا اَکْمَلْتُ لَکُمْ
جاری عالم میں ہوا عینِ کمالاتِ کمال

یہ وہ قانونِ اتم اور اتم ہے کہ نہیں
کسی امت کے لیئے اس میں ذرا بھی اشکال

واں فقط خضر ہی پہونچے تو پیا آبِ حیات
یہ وہ دریا ہے کہ ہر ایک سے کہتا ہے تعال

اس سے ہموار ہوئیں پاک زمینیں دل کی
جن میں بویا گیا اک تخمِ سعادت تمثال

نام جس کا ہے امانت جو ہے ایماں کا مدار
جس کو چھو بھی نہ سکے ارض و سما اور جبال

نخلِ اسلام پھر اس تخمِ سعادت سے اُگا
یعنی پیدا ہُوا اس بطنِ چمن سے اک لال

جس کے گلہائے شگفتہ ہیں علومِ قرآن
اور خلاقِ جہاں کی ہے رضا اُس کے ظلال

بلبلیں اس کی شب و روز ہیں مستِ گلبانگ
طالبِ علم و معلّم ہیں عنادل کی مثال

جبکہ ہے اس شجرِ پاک کی طوبیٰ اک شاخ
کس طرح کہدوں کہ یہ نخل ہے طوبیٰ کی مثال

نورِ اسلام کی ہے ایک یہ تمثیلِ لطیف
ہوگیا جس سے شگفتہ چمنستانِ مثال

ظرف اس باغ کا ہے دارِ علومِ دین
جس سے شادابیٔ ماغوں کا ہوا ادراکِ خیال

آج اس باغ میں آئی ہے نئے سرسے بہار
شاخِ گل پر ہے ہزار آج مثالِ یک لال

رونقِ بزم یہ کیوں؟ رونقِ گلشن ہے یہ کیوں
دل کے نورانی لطیفہ سے کیا دل نے سوال

شاہدِ حال نے گلبانگِ مسرت میں کہا
آج ہے چند بزرگوں کا یہاں استقبال

ہیں یہ اُس طبقۂ مسعود کے افرادِ بلند
دین کیسا تجھ سے لی جس نے کہ دنیا بھی سنبھال

ارضِ سورۃ سے چلے تاکہ دکھائیں صورت
خود تجھے مسعود ہے مسعود درودِ اقبال

خیر مقدم میں جہاں اور رہا یا ہوئے پیش
میرے دامن میں نہ تھا کچھ بھی بجز ہدیۂ قال

اس لیئے میں نے یہ شیریں سخنی کا تحفہ
پیش کرتے ہوئے بڑھ کر کے سنایا یہ مقال

آپ سورۃ سے چلے آئے بحسنِ سیرت
آپ خوش حال ہیں خوش فال ہیں اور نیک مآل

جبکہ سانچے میں ہو صورت کے حقیقت پنہاں
ایسی صورت پہ کبھی بھی نہیں آتا ہے زوال

آپ کا جزو تمدن ہے تجارت کا اصول
جس سے خالق ہے اگر راضی تو خلقت خوشحال

آج دنیا میں تجارۃ ہی ہے وہ حصنِ حصین
جس سے مجبور ہیں افلاس کے سارے دلال

آج جس لفظ میں ہے قوم کی بہبود و فلاح
ہے وہ صرف ایک فقط ایک تجارۃ کا سوال

ہے تجارت ہی امیں رزق کے نو حصوں کی
اس کسوٹی سے ہے قوموں کا عروج اور زوال

جس زمیں پر ہیں کھڑی سلطنتیں یورپ کی
وہ تجارت کی زمیں ہے نہ فلک ورنہ جبال

للہ الحمد کہ ہیں آپ اُسی نخل کے پھول
جس کی جڑ کا ہے قوی ارضِ تجارۃ سے وصال

آپ کے دامنِ دل میں ہے تجارت کا اصول
جانتے آپ ہیں اشیاء گرانقدر کا حال

آپ ہی خوب سمجھتے ہیں کہ رزاں کیا ہے
جانتے آپ ہیں رزاں و گراں کے احوال

گرم بازاری ہو یا سرد شدہ ہو بازار
وقت پہچان کے رکھتے ہیں ہر ایک میل کا مال

لین اور دین کے ہیں آپ کے ذہنوں میں اصول
جن پہ چلنے ہی سے ہوتی ہے تجارت خوشحال

یہ اُصول آپ کے سچ مچ سبھی معقول سہی
اور مقبول بھی پھر بھی ہے مگر ایک سُوال

آنکھ تاجر کی لگی رہتی ہے گاہک کی طرف
تا کہ مخلوق جھکے اور کرے اشیاء کا سُوال

آپ کی جنس کی مخلوق خریدار ہوئی
تا کہ لے جنس کو خود، آپ کو دے حصۂ مال

ہاں مگر آپ کے نفسوں کا خریدار ہے وہ
جو ہے موجود بخود آپ ہیں سب اُس کے ظلال

ساتھ ہی آپ کے مالوں کا طلبگار ہے وہ
جس کے ہاں آپ کی دنیا کی ہے ارذل سی مثال

نفس اور مال کے بدلہ میں ہے جنت کا ثمن
یہ تجارت ہے کہ اصل درمنافع ہیں بحال

یہ تجارت ہے کہ جس میں ہے دو عالم کی نجات
اصل تاجر ہے وہی جس میں کہ اُٹھے یہ سوال

آپ تاجر ہیں تو ہوں تاجرِ عقبیٰ بھی ضرور
دین بھی تا کہ ملے۔ اور رہے دنیا بھی بحال

پاس تھا قندِ سخن کا یہ غریبی تحفہ
وہی حاضر ہے باخلاص پئے استقبال

ختم کرتا ہوں دعا پر میں قصیدہ اپنا
کہ دعا ہی میں ہے بہبودیٔ آغاز و مآل

یا الٰہی ہو مبارک یہ تجارت ان کو
رہیں اس دورِ تجارت میں یہ فرخندہ مآل

مدرسہ کی یہ زیارت ہو سدا ان کے لیئے
باعثِ خیر و ترقیٔ دیانات و کمال

دعاء پدر

دسمبر ۱۹۵۲ء میں احقر کو حیدرآباد مدراس بھٹکل بمبئی وغیرہ کا سفر پیش آیا۔ رفیقِ سفر برخوردار مولوی محمد سالم سلمہٗ تھے۔ پہلی بار احقر نے موصوف کی تقریریں سنیں، جوشِ مسرت سے جو دل نے دعائیں دیں اُنھوں نے نظم کا جامہ پہن لیا۔ سُبلی سے بھٹکل کار سے سفر ہوا اُسی میں یہ ذیل کی نظم لکھی گئی جس کا عنوان دعاء پدر ہے۔ اس میں مختلف دعائیں دی گئی ہیں۔ ہر خمسہ خاص قسم کے اوصاف پر مشتمل ہے اور اُنھی کے تلازمہ میں مناسب اوصاف دعاء دی گئی ہے۔ یہ نظم رسالہ دارالعلوم بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ مطابق فروری ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئی ہے

تبریک وتہنیت

مبارک گلشنِ قاسم کے اے رنگیں گلِ تازہ ؛ مبارک ابتدائے عہد سے نیکی کا آوازہ
مبارک ہو فتن سے بعد اور ایمان کا غازہ ؛ مبارک حال سے ماضی سے مستقبل کا اندازہ
مبارک سالم ابنِ طیب ابنِ احمد قاسمؒ
مبارک تجھ کو علم قاسمی کی نسبتِ دائم

اعترافِ قابلیت

مبارک ہو دکن کا دورۂ تبلیغ ایمانی — مبارک بھٹکل و مدراس میں تعلیم عرفانی
مبارک بمبئی میں حلقۂ تہذیبِ روحانی — مبارک قوتِ تقریر اور تلقین احسانی

مبارک علم و حکمت اور پھر اظہار پیرِ قدرت
مبارک دین و دانش اور اس سے خدمتِ ملت

اظہار جذبۂ مسرّت

قلم پر ہدیۂ تبریک، دل میں جذبۂ تحسین
لبوں پر آفریں و مرحبا کا نعرۂ شیریں
تصورِ ان محاسن کا، مرے ادراک کی تزئین
فزونی ولولوں کی اُن کا ہے تکرار اور تمرین

زبانِ طیبِ خستہ پہ آتا ہے کہ یا اللہ
دعا نیم شب جانِ پدر یہ ہے کہ یا اللہ

دُعائیں

اخلاق و روحانیت

رہیں جب تک نفوس، اور ان میں ہوں ہیئاتِ نفسانی
ہوان ہیئات میں جب تک توانائی روحانی
رہے ارواحِ انسانی میں جب تک ذوقِ عرفانی
پھر عرفاں پروری سے جلوہ پیرا قربِ ربّانی
تو اخلاقِ مجسّم ہو تو روحانیٔ کامل ہو
حقیقت آشنا قرب آشیاں یکسر ترا دل ہو

فہم و علم، عشق و حال

رہے جب تک کہ فہم۔ اور فہم سے ہو علم کا چرچا
ہو فہم و علم سے جب تک عمل کی زندگی برپا

عمل میں حال ہو اور حال سے تسکینِ دل پیدا
سکونِ دل سے اُبھرے عشقِ حق کا پاک تر جذبہ
معاون فہم ہو تیرا، محافظ علم ہو تیرا
مربی عشق ہو تیرا، مسکن حال ہو تیرا
معنی آفرینی نکتہ سنجی

رہیں جب تک نقوشِ علم کی رسمیں سفینوں میں
ہوں رسموں کے معانی موجزن شفاف سینوں میں
ہو سینوں کی امانت مرتکز دل کے خزینوں میں
خزانے عدل و علمِ حق کے پھیلے ہوں امینوں میں
ہو پھیلا وا ترے لفظ و معانی کا زمانے میں
سمٹ آئیں زمانے کے حکم تیرے خزانے میں

تقریر و خطابت

دہن میں ہو زباں۔ اور ہو زبانوں میں زباندانی
زباں پر خطبے ہوں خطبوں میں تاثیروں کی ارزانی
ہو تاثیرِ لسانی سے تأثر کی فراوانی
تأثر سے فزوں تر ہو دلوں میں نورِ ایمانی
زباں داں ہو زباں آور ہو اور میرِ خطابت ہو
خطابت میں تری اُبھرا ہوا زورِ قیادت ہو

تحریر اور زورِ قلم

رہے جب تک کہ نے نے سے قلم۔ اُس سے قلم سائی
قلم کی جب تلک باقی ہے کاغذ پر جبیں سائی
رہے کاغذ کی جب تک دفتروں میں حکم فرمائی
رہے حکموں سے اقلیموں میں قائم کار فرمائی
تو ہو شاہِ قلم۔ شہ کار ہو زورِ قلم تیرا
سیاہی روشنائی ہو قلم ہر ہر قدم تیرا

ادب و تواضع اور رفعت

رہے جب تک مطیعوں میں ادب اور اس میں دلداری
ہو دلداری میں عجز و انکسار اور اس میں خودداری
ہو خودداری میں دفع کبر و نخوت اور سرداری
ہو سرداری میں جب تک سرفروشی اور جی داری
تو با عزت تواضع سے ہو اور رفعت کے شایاں ہو
رفیع المنزلت ہو اور با عزِّ فراواں ہو

موانست و محبّت

رہے جب تک کہ انسانوں میں اُنس باہمی قائم
ہو انسِ اندرونی میں محبت کا اثر قائم
محبت کے ہر اک جلوہ میں ہو رنگِ فنا قائم
فنا سے ہو دلِ عشاق میں حال بقا قائم
تو دائم پیکرِ انس و محبت بن کے قائم ہو

تو فانی بن کے باقی ہو تو باقی ہو کے دائم ہو

حق پسندی اور باطل شکنی

رہے جب تک حق و باطل میں دورِ کشمکش جاری
سرِ باطل پہ تیغِ حق کی پڑتی ضرب ہو کاری
رہے میزاں میں باطل جُھک کے پلّہ حق کا ہو بھاری
کُھلے مبطل کی ذلّت اور حقّانی کی سرداری
تو ہو باطل شکن حق پر ہو، حقانی ہو، غالب ہو
جہاں بھی حق نمایاں ہو۔ وہیں اس کا تو طالب ہو

جہاد و حریت دینی

ہو جب تک حزبِ رحمانی مقابل حزبِ شیطاں کے
رہیں کفار دشمن جب تلک مردِ مسلماں کے
ہوں مصروفِ جہادِ دیں محافظ دین و ایماں کے
فراری ہوں شکستیں کھا کے بندے نفس و عصیاں کے
سرِ میداں مجاہد ہو، تو غالم اور غازی ہو
جہادِ دین و حریت میں مذہب کا سپاہی ہو

دولت و حشمت اور جاہ و عزت

رہے دولت سے جبتک حشمت اور حشمت سے ہو عزت
پھر عزّت سے وجاہت اور وجاہت سے عیاں شوکت
ہو شوکت باعثِ قدرت اور اس سے زور اور قوت

ہو قوت سے نمایاں غلبہ و آوازۂ سطوت
تو ہو آسودۂ دولت ہو شوکت عزوشاں تیری
ہو قدرت منزلت قوۃ پناہِ بے کساں تیری

ہدیۂ دُعا و تہنیت

بسلسلۂ تقریب شادی خانہ آبادی برخوردار عزیز محمد اسلم سلمہٗ رمزی، با عزیزۂ محترمہ برخورداری عائشہ سلمہا بنت مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کہ بتاریخ ۱۳ شعبان ۱۳۷۹ھ یوم الخمیس مطابق ۱۱ فروری ۱۹۶۰ء بدار السلطنت دہلی انجام پذیرفت والحمد للہ اولاً و آخراً۔

خدا کی حمد حرفِ اولیں ہے — نبی کی نعت نقشِ آخریں ہے
عزیز اسلم کی شادی کا ہے چرچا — کہ شاداں ہر کہیں و ہر مہیں ہے
ہے اس شادی کی بہجت کچھ عمومی — کشش ہر دل میں اس کی جاگزیں ہے
زہے قسمت ہے خطبہ رُو بخطبہ — نوید رشتہ شادی سے قریں ہے
رواں ہے قافلہ شادی خوشی کا — ہر اک دل جوشِ فرحت سے قریں ہے
نگاہِ دیوبند دلّی پہ ہے آج — کہ اس کے دل کی جمعیت[1] یہیں ہے

---

[1] اشارہ بہ جمعیۃ علماء ہند و ارکان جمعیۃ ۱۲۔

رواں ہے قافلہ دلّی کی جانب — ہراک دل رہ نوردِ دورہ گزیں ہے
ہراک دل کا ہے قبلہ سمتِ دلّی — ہوائے شوق گویا سب کا دیں ہے
ہراک میں "اشتیاق"[۱] منزل اتنا — کہ گویا خود مکان دلّی مکیں ہے
ہراک کو راہِ دلّی آج "محبوب"[۲] — ہراک دل کا یہی شغلِ حسیں ہے
ہراک موٹر ہے اپنی دوڑ میں غرق — فنافی الشوق ہر موٹر نشیں ہے
غزل خوانی میں کوئی مست و شاداں — کوئی مصروفِ داد و آفریں ہے
خوشی کا ہر طرف ہے شور برپا — خبر کانوں کو اپنی بھی نہیں ہے
یہ شور اور ساتھ ہی موٹر کا غوغا — زمین و آسماں گویا یہیں ہے
جو پھیلی بوئے "گل"[۳] تھا قولِ "واحد"[۴] — کہ یہ غوغا نہیں طرزِ متیں ہے
چلے یہ بھی بس اب موٹر کی رفتار — کہ اس میں ننگ و عار اصلا نہیں ہے
وفورِ شوق سے ہے ہر زباں پر — کہ اب "پہونچے" ہمارا یہ یقیں ہے
جوں ہی دلّی ہوئی اک دم نمودار — تو پہنچے سب مراد اپنی یہیں ہے
دلوں کے شوق کی پر کیف منزل — کہ جس پر سرنگوں دل کی جبیں ہے

بھلا دلّی سے دل کیونکر جدا ہو
کہ دِل دلّی کا جزوِ اولیں ہے

---

[۱] تلمیح بنام مولانا اشتیاق احمد صاحب صدرالکاتبین دارالعلوم، شریک بارات ۱۲
[۲] جناب بابو محبوب حسن صاحب ناظم تعمیرات (جناب) سید محبوب صاحب ضوی سر دفتر محافظ خانہ ۱۲
[۳] اشارہ بہ مولوی محمود گل صاحب ناظم شعبۂ تنظیم ۱۲
[۴] اشارہ بہ مولوی عبدالواحد صاحب ناظم محاسبی دارالعلوم ۱۲

سنبھل کر یاں چلیں مہر و وفا سے
یہ اقلیم محبت کی زمیں ہے

اُتر کر موٹروں سے پا پیادہ
بڑھا مجمع کہ الفت کے قریں ہے

چلی بارات دولہا آگے آگے
یہ سیارات چوں بدر مبیں ہے

فلک کے انجم و اختر[1] کا سہرا
نثارِ نوشۂ روشن جبیں[2] ہے

جمی محفل برائے عقد خوانی
کہ سنت اور طریقِ مرسلیں ہے

بندھا عقدا اور کھلا عُقدہ یہ از بس
تزوّج دیں ہے اور از فخرِ دیں[3] ہے

خدا کا نام ہی بندھن ہے اس کا
عجب کیا گر تزوّج نصفِ دیں ہے

یہ فخر حاصل ہے آج اسلم میاں کو
کہ کامل آج ان کا نصف دیں[4] ہے

بقیہ نصف ہے باقی عمل میں
عمل سے وہ بھی حاصل بالیقیں ہے

جہانوں میں وہی "مہدی"[5] صفت ہے
جو ان نصفین میں جامع ترین ہے

یہ ابراہیم[6] کی ملت کا طغرے
حیاتِ نو کی خشتِ اولیں ہے

---

[1] اشارہ بہ جناب حاجی محمد اختر صاحب کارکن شعبہ محاسبی واوقاف ۱۲ [2] اشارہ بہ جناب مولوی نثار احمد صاحب محرر محاسبی ۱۲ [3] اشارہ بحضرت اقدس مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جنھوں نے نکاح پڑھا ۱۲ [4] اشارہ بحدیث "النکاح نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی (نکاح آدھا دین ہے باقی نصف میں آدمی خدا سے ڈرے اور عمل کرے ۱۲ [5] اشارہ بحضرت المحترم مولانا سید مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۲ [6] اشارہ بحضرت المخدوم مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند ۱۲

مبارک عائشہ اسلم کی شادی
کہ یہ دنیا بھی ہے اور عین دیں ہے

بہم ممزوج ہیں یاں دین و دنیا — کہ دیں دنیا ہے اور دنیا ہی دیں ہے
مبارک ہو یہ جمع دین و دنیا — کہ دیں سلطاں ہے دنیا ہمنشیں ہے
بدنیا عیش با دین و دیانت — چہ خوش مجموعۂ دنیا و دیں ہے
مبارک برکتوں کا خاص سنگھم — کہ اس میں نفع دنیا نفع دیں ہے
قبائل کی ہے وحدت اس میں پنہاں — وہ ذات البین کی حبل المتیں ہے
شہود اور جلوتوں کا جلوہ بردار — اور حفظِ[1] غیب و خلوت کا امیں ہے
نگہ کو دم میں کر دے عفت آثار — ہے دل مؤمن تو تقویٰ کی زمیں ہے
یہ ہے "تہذیبِ[2] نفس" اور اس کا آغاز — جو حکمت حکمتوں میں اولیں ہے
یہی پھر ہے رہِ "تدبیرِ[3] منزل" — جو حکمت کا اہم رکنِ رکیں ہے

مبارک حکمتوں کی ہو یہ دنیا
کہ جس سے آدمی بالانشیں ہے

مبارک اور سلامت باکرامت — مبارک ہو کہ دل دل سے قریں ہے

---

[1] اشارہ آیہ کریمہ فالصّٰلحٰت قانتات حافظات للغیب (نیک بیبیاں جو عبادت گذار اور اسرار کی محافظ ہیں) ۱۲ [2] حکمتِ عمل کی تین قسمیں ہیں۔ تہذیب نفس۔ تدبیر منزل۔ سیاست مدنی۔ اولیں حکمت تہذیبِ نفس ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ۱۲
[3] اشارہ بہ حکمت ثانیہ جو انفرادی زندگی میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

جو دل ہو مرکزِ انس و محبت — وہی دل دل ہے پھر عرشِ بریں ہے
دلوں کو راہ دل سے ہے ازل سے — دلوں کا اقتراں کتنا حسیں ہے
دلوں کا میل ہی ہے عیشِ دنیا — دلوں کے جوڑ ہی سے حفظِ دیں ہے
مودّۃ ہی میں ہے تسکین کا راز — نہو گر اُنس انساں کچھ نہیں ہے
اگر تسکین بر روئے زمیں ہے — ہمیں است و ہمیں است و ہمیں ہے
مبارک ہو یہ عقدِ دل مبارک — بریں صد مرحبا و آفریں ہے

ہے اس تقریب پر دل کی یہ آواز
کہ دُولہا دل ہے۔ دلہن دل نشیں ہے

قِراں سعدین کا بایں سعادۃ — شبہ کیا ہے جو شیر شکّریں ہے
نسب نسبت سے دونوں ہیں سرافراز — کہ اونچی ان سے انساں کی جبیں ہے
ہے دولہا آلِ صدیقِؓ معظم — دلہن اولادِ ختم المرسلینؐ ہے
بہم ہے نورِ صدیقی و علوی — سیادۃ افضلیّت سے قریں ہے
ہیں دونوں نام سے بھی اپنے خوش فال — تفاؤل نیک بھی از قسمِ دیں ہے
ہے اسمِ عائشہ میں عیش پنہاں — سلامت اسمِ اسلم میں مکیں ہے
درخشانی میں اک "خورشید" انور — رُخِ تاباں سے اک بدر مبیں ہے
بآب و تاب دولہا بے بہا، دُر — دُلہن اک خوش بہا، درثمیں ہے
فروزاں ہے ہر اک چہرہ میں ایماں — یہ چہرہ ہے کہ قرآنِ مُبیں ہے

رہیں زوجین باحُسنِ معیشت
یہی میری مرادِ اوّلیں ہے

ہے حسنِ عیش ہی دنیا کی رونق — اسی سے زلفِ دنیا عنبریں ہے
یہی حسنِ معیشت دیں کا شہ کار — اسی سے دین بھی بالا جبیں ہے
اصولِ عاشِرُوھُنَّ[1] ہے معروف — یہی اک راہ راہِ مکرمیں ہے
سراپا لطف[2] ہو جو اہل کے ساتھ — وہی دانائے دیں ہے اور فطیں ہے
جو ترشی، تندخوئی کا ہو قیدی — وہ سنگ و خشت ہے گو مرمریں ہے
کھلا رستہ یہی ہے حسنِ دین کا — اسیرِ حسنِ دیں روشن جبیں ہے
اُسی کے سر ہے سہرا خُرّمی کا — جو حسنِ عیش میں افضل تریں ہے
ہوائے نفس ہے قبحِ معیشت — یہی انساں میں مار آستیں ہے
ہے نفس[3] انساں کا خود انساں کا دشمن — جو اس سے بچ رہے وہ ہی فطیں ہے
ہے بچ جانے کا رستہ صبر اور ضبط — بشر کی یہ ہی خُو اشرف تریں ہے

نہیں ہے داشت اور برداشت جس میں
وہ انساں دہر میں اَرذل تریں ہے

دُعا آخر میں ہے دل کی تڑپ سی — کہ یہ ہی ارمغانِ خوش تریں ہے
دعا ہے یہ کہ اے بارِ الٰہا — کہ تو ہی مرجع دنیا و دیں ہے

---

[1] اشارہ آیہ کریمہ وعاشروھن بالمعروف (عورتوں کے ساتھ بھلی معاشرت رکھو ۱۲
[2] اشارہ بحدیث ان اکرم المؤمنین احسنھم اخلاقًا والطفھم اھلا (تم میں سب سے زیادہ قابلِ تکریم مسلمان وہ ہے جس کے اخلاق پاکیزہ ہوں اور بیویوں کے ساتھ لطف و مدارات سے پیش آتا ہو) [3] اشارہ بہ حدیث ان اعدیٰ عدوک الذی بین جنبیک۔

ترے ہی ہاتھ میں ہے مُلک اور مِلک — ترے ہی ہاتھ میں سب ہند وچیں ہے
ترے ہی ہاتھ میں ارض و سما ہے — تو ہی اک مالکِ عرشِ بریں ہے
تو ہی ہے سب کا ماویٰ اور ملجا — جو تجھ سے منحرف ہو وہ لعیں ہے
نہیں تیرے سوا کوئی مددگار — تری ہی ذات اک حصنِ حصیں ہے
یمینُ[1] اللہ ملآن شان تیری — ترا جود و کرم برُّ الیمیں ہے
تو جس کو دے خوشی ہے وہی دلشاد — جسے تو رنج دے وہ ہی حزیں ہے
حوادث تیری ہی جانب سے سب ہیں — وفا ہے یا جفائے خشمگیں ہے
ترے ہی ہاتھ میں فقر و غنا ہے — ترے ہی بس میں بد اور نیک بیں ہے
ترے ہی ہاتھ میں ہے مُرغ و ماہی — ترے ہی ہاتھ میں نانِ جویں ہے
خزانے رزق کے قبضہ میں تیرے — تو جو دے جس کو سب فضلِ مبیں ہے

دعا و التجا بندہ کی سُن لے!
ضعیفوں کی تو ہی حبل المتیں ہے

خدایا جب تلک قائم ہے دُنیا — اور اُس میں رونق بزمِ یقیں ہے
تنا ہے جب تلک خیمہ فلک کا — بچھا یہ جب تلک فرشِ زمیں ہے
فلک پر جب تلک ہیں چاند سورج — اور ان دونوں سے روشن یہ زمیں ہے
چلیں جب تک ہوائیں اس فضا میں — رطوبت اُن سے جب تک جاگزیں ہے

۱؎ اشارہ بہ حدیث یمین اللہ ملآن سحّاء اللیل والنہار (اللہ کا ہاتھ پُر ہے رات دن خرچ کر رہا ہے۔

کرے جب تک کہ آگ آتش فشانی — فضا جب تک کہ اس سے آتشیں ہے
برودت آفریں جب تک ہو پانی — یبوست خیز جب تک یہ زمیں ہے
نباتاتی جہاں جب تک ہے قائم — کھلا جب تک گلاب و یاسمیں ہے
ہیں جب تک دہر میں حیوان و انساں — اور ان سے دہر کی روشن جبیں ہے
دماغوں میں ہے جب تک عقل باقی — دلوں میں جب تلک بردِ یقیں ہے
ہے جب تک ذکر و غفلت میں تصادم — مقابل شک کے دنیا میں یقیں ہے

ظہورِ ہستیٔ دنیا ہے جب تک
نمود و بود یاں ہے یا کہیں ہے

رہیں دولہا دلہن باعیش دائم — یہی اپنی مرادِ اوّلیں ہے
رہیں زوجین گھل مل کر کہ یہ عقد — مثالِ خلطِ شیر و انگبیں ہے
رہے ان کا ہمیشہ بول بالا — تری چوکھٹ پہ جب ان کی جبیں ہے
حیاتِ طیبہ[1] سے ہوں یہ سرشار — کہ جس کا نہج نہجِ صالحیں ہے
حنیفیت[2] انھیں دے جس کا تمغہ — نوائے لا اُحبُّ الآفلیں[3] ہے
خدایا دے انھیں حسنِ معیشت — جو کارِ انبیاء و متقیں ہے
انھیں پھر ایک سے اکیس کر دے — کہ تیرے یاں کمی کچھ بھی نہیں ہے

---

۱ تلمیح بنامِ طیب ۱۲ ۲ تلمیح بنام ام اسلم ۱۲ ۳ اشارہ بہ کریمہ لَا اُحِبُّ الآفلین (میں غائب ہو جانے والوں سے محبت نہیں کرتا ۔ خدائے باقی ہی محبت کے لائق ہے) ۱۲ ۔

حفاظت ہو تری ان سب کو شامل　　کوئی خطرہ نہیں جب تو معیں ہے
رہیں یہ سب کے سب دلشاد و آباد
دعا یہ اوّلیں اور آخریں ہے

۱۳؍ شعبان سنہ ۱۳۷۹ھ یوم الخمیس

نامۂ دعا و نصیحت

برادرِ عزیز اعظم سلمہٗ کو جو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں زیرِ تعلیم ہے امتحانات قریب آنے پر ۹ ۱۱/۶۵ء کو حضرت مدظلہٗ نے یہ منظوم خط لکھا۔

اے عزیز از جانِ اعظم زندہ باد　　اے تو برخوردار شو پائندہ باد
شاد باش و شاد زی فرخندہ شو　　کامران و کامگار و بامُراد
از نکو نامی و از نیکی ہمہ　　شادکام و دائما فرخندہ باد
حظِّ وافر قسمتت از نورِ علم　　آمد و از لطفِ حق آئندہ باد
زیرِ پایت دولت و ثروت مدام　　برسرت ظلّ ہما پائندہ باد
برسرایہ شوکت و جاہ و حشم　　اخترِ اقبالِ تو تابندہ باد
از عنایاتِ حق و از فضلِ رب　　برتو ناید حرف جز یک حرف صاد
از وفورِ عیش در عمرت گہے　　غم مباد و غم مباد و غم مباد

جوہرِ عمرت بعمرت دائما — خیر و برکت صحت و قوت بیار
کائناتِ جسم و جان و روح و تن — از جنابِ حق برایت بندہ بار
چوں شدی از عیش دنیا کامگار — ہم چنیں از یُمنِ دین میمون بار
اجر قرآں، نامِ حق حرفِ دعا — ہر چہ آید از تو۔ گر آیم بیار
ایں سعادتہا کہ نقدِ وقت شو — از طفیلِ نسبتت دائم بیار
چہ عجب؟ گر آیدت خیرِ کثیر — کز اُب وجد آمدی فرخ نہاد
بعدِ اہدائے دعاہائے پدر — چند گیر از ما سخنہائے مراد

گوش کن از ما نصیحت ہوش کن
گوش در راہِ اطاعت جوش کن

زندگی ہے نعمتِ عظمائے حق — پر ہے دنیا میں عطار مستعار
چند روزہ ہے بہارِ زندگی — اک امانت ہے حیاتِ مستعار
زندگی کیا؟ حرکتِ ایّام ہے — زندگی کیا؟ گردشِ لیل و نہار
شہسوارِ ابلقِ ایّام ہے — بادپا ہے ابلقِ لیل و نہار
بے ثباتی جوہرِ ایّام ہے — لمحہ لمحہ وقت کا ہے بے قرار
زندگانی سِل ہے گویا برف کی — جو پگھلتی رہتی ہے لیل و نہار
ہاں دوامِ زندگی ہے علم سے — علم ہی دنیا میں ہے دائم بہار
انقلابِ دہر سے بالا ہے علم — علم کے محکوم ہیں لیل و نہار
علم ہی پر چل رہے ہیں رات دن — جہل سے ممکن نہیں یہ نظمِ کار
انقلاب آتے ہیں سب معلوم پر — علم رہتا ہے ہمیشہ بے غبار

آمد و شد ہو نفس کی یا نہ ہو
موت ہو یا ہو حیاتِ مستعار

تختہ بندی ہو چمن میں یا نہ ہو
باغ میں ہو روئے گل یا نوکِ خار

خندہ زن ہوں گل کہ شبنم گریہ زن
ہو خزاں گلشن میں یا آئے بہار

شہر اُجڑیں یا بسیں، یا کچھ بھی ہوں
ہوں وہ ویراں یا رہیں باغ و بہار

بادشاہی ہو کہ محکومی کا داغ
ہو غلامی یا ہو زور و اقتدار

آسماں ہل جائے ٹل جائے زمیں
جوش پر دریا ہوں یا بجھ جائے نار

کچھ بھی ہو ہر حال میں یکساں ہے علم
وہ نہیں ہرگز تغیر کا شکار

آئے لاکھوں اور گئے لاکھوں بشر
علم، پر اپنی جگہ ہے برقرار

ہیں تغیر کے شکار افرادِ علم
علم ہے لیکن سدا باغ و بہار

زندگی نعمت ہے لیکن علم سے
جاہل انساں ہے حقیقت میں حمار

زندگی نعمت ہے لیکن بے ثبات
علم سے ہے تا ابد اور برقرار

علم ہے معیارِ اخلاق و کمال
علم ہی ہے نوعِ انساں کا اُبھار

علم ہی ہے نور افزائے حیات
علم ہی سے زندگی کا ہے وقار

علم ہی دارین میں وجہِ نجات
علم ہی آسودگی کا ہے شعار

علم کی توفیق ارزانی ہوئی
ہے یہ بے شک نعمتِ پروردگار

پر کسے کہتے ہیں علم اور کیا ہے علم؟
ہے کہاں سے؟ کیوں ہے؟ اور کس کا ہے علم؟

اک سوالِ خاص و معنی خیز ہے
پر یہ ہے اس کا جواب حق شعار

علم وہ ہے جس سے ہو حق سربلند
اور باطل سرنگون و شرمسار

علم وہ ہے جس سے حق آئے نظر
جس سے باطل محو ہو یا بے وقار

علم ہے سرمایہ دارِ زندگی
زندگی بنتی ہے جس سے آبدار

علم کی انواع ہیں گو خود ہے ایک
ایک وحدت سے ہے کثرت آشکار

علمِ ابداں، علمِ ادیاں دو ہیں علم
اک سے دنیا اک سے عقبیٰ کا وقار

علمِ طبعی، علمِ عقلی، علمِ وحی
علم ظاہر علم باطن نور بار

علمِ طبعی مایۂ حیوان ہے
خاص انساں کا نہیں ہے کچھ شعار

علمِ عقلی ہے دماغوں کی اپج
لیکن اُس سے ہے تمدن کا وقار

علمِ حسّی ہے ظواہر کی نمود
علمِ الہامی ہے روحوں کا نکھار

علمِ ابداں ہے بدن کی تازگی
علمِ ادیاں سے ہے عقبیٰ شاندار

علمِ الہامی دوامِ زندگی
زندگی بنتی ہے جس سے پائیدار

علم وہ ہے جس سے اُبھرے کچھ عمل
وہ عمل جس سے ہو تسکین و وقار

ہے عمل ہی پر مدارِ زندگی
بے عمل ہو گل تو بن جاتا ہے خار

پر عمل آنی۔ دوامی علم ہے
ہے بقا کا راز علمِ حق شعار

علم سے آتی ہے حرکت میں حیاۃ
زندگی ہے ورنہ مرنے میں شمار

قصد سے حرکت۔ ارادہ علم سے
علم ہی رہتا ہے آخر روح کار

ہے دواں علم اپنے مرکز کی طرف
جس کا سرچشمہ ہے ربِّ کردگار

کلمہ کلمہ علم کا حرکت میں ہے
جس کا رُخ ہے جانبِ پروردگار

زندگی بھی اس لیے حرکت میں ہے
علم ہی سے جبکہ ہے اس کا اُبھار

حرکتِ دائم ہے، کارِ زندگی
بے قراری زندگی کا ہے شعار

دوڑ میں ہے بھاگ میں ہے رات دن ایک لمحہ بھی نہیں ہے برقرار

زندگی اک حرکتِ بے تاب ہے
زندگانی میں سکوں بے آب ہے

ہوتی ہے حرکت تو مقصد کے لیے ہے یہ فطرت اور طرازِ زندگی
پاتے ہی مقصد کے ہو جاتی ہے ختم اور سکوں بنتا ہے سازِ زندگی
ہے نہاں حرکت میں مقصد کی تلاش اور سکوں میں رازِ وصلِ زندگی
زندگی تھم جائے، مقصد ہے وہیں جس کی خاطر چل رہی تھی زندگی
کیوں ہے حرکت میں یہ آخر زندگی؟ کیوں بپا ہے اضطرابِ زندگی؟
کیا ہے اس حرکت میں مقصودِ حیات؟ کون ہے آخر؟ سکونِ زندگی؟
زندگی کو حق کی ہے ہر دم تلاش نقشِ باطل سے گریزاں زندگی
زندگی ہے حق طلب اور حق نیوش حق سے ملتا ہے قرارِ زندگی
ہو نہ جب تک زندگی واصل بحق ہو نہیں پاتا قرارِ زندگی
موت پر ہوتی ہے حرکت اس کی ختم ہے دمِ آخر سکونِ زندگی
وقتِ مردن جو ملے مقصد ہے وہ ہے وہی وجہِ سکونِ زندگی
چھوٹتا ہے موت سے دنیا کا نقش کیا اُسی سے تھی گریزاں زندگی؟
ہم کنار ہوتا ہے آخر نامِ حق جس پہ تھم جاتی ہے آکر زندگی
آشکارا اس سے ہوتا ہے یہ راز ہے نہیں دنیا سکونِ زندگی
جب وہ جاتی ہے تو آتا ہے سکوں ورنہ ہے حرکت ہی کارِ زندگی
بعدِ دنیا حق ہی حق ہے جلوہ ریز اس لیے ہے حق ہی قصدِ زندگی

مقصدِ حرکت ہے حق کی جستجو
وصلِ حق ہی ہے سکونِ زندگی

وصلِ حق دنیا میں گر مطلوب ہو
ہے وہ طاعت اور حق کی بندگی

زندگی شرعی ہو اور اسلام ہو
دل میں ہو ایمان کی تابندگی

خلقتِ انساں ہے بہر بندگی
بندگی میں ہے نہاں فرخندگی

زندگی ہے از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

زندگی با بندگی فرخندگی
بندگی در زندگی تابندگی

بندگی ہے بہرِ سرافگندگی
ہو نہ سرافگندگی ہے گندگی

علم سے آتی ہے سرافگندگی
علمِ نافع ہے جمالِ زندگی

علم وہ ہے جس سے ہو خوفِ خدا
خوف وہ ہے جس سے ٹپکے بندگی

علم وہ ہے جس سے ہو تہذیبِ نفس
علم ہی کیا گر نہ سنورے زندگی

علم کا مقصد ہے اخلاق و عمل
علم کی غایت صلاحِ زندگی

علم کیا ہے؟ اسوۂ پیغمبری
پیروی ہو تب ہے صالح زندگی

دل میں ہو جوشِ عقیدت موجزن
دست و بازو ہوں بکارِ زندگی

دل بیار و دست برکار و عمل
با ہمہ و بے ہمہ ہو زندگی

علمِ نافع جذبۂ حسنِ عمل
زندگی کی ہے یہی تابندگی

محنت و کاوش ریاضت اور ادب
یہ عناصر ہیں جمالِ زندگی

خُلق و احسان اور سچائی کا جوش
یہ محاسن ہیں کمالِ زندگی

تا اجل پابندیٔ صوم و صلوٰۃ
ہے یہی اسلام والی زندگی

دوستوں سے لطف ہو اور خوش رُخی
ان کی تابانی ہے نورِ زندگی

سارے اُستادوں سے ہو روئے نیاز — موجبِ صد فخر ہے یہ زندگی
پھر دوام زندگی مقصد ہو گر — علم ہے روحِ دوامِ زندگی
علم کے حامل کبھی مرتے نہیں — موت بھی ہے ان کی طورِ زندگی
بعدِ مردن اُن کی ہے علمی حیات — علم باقی ہے تو باقی زندگی
علم کی ساتھ آتے ہیں آثارِ علم — جو ہیں آثارِ بقاءِ زندگی
یعنی فہم و خُلق و دین و عقل و عشق — اے عزیزان سے بنا کچھ زندگی
جہل کے بھی کچھ ہیں آثارِ قبیح — جو ہیں اسبابِ ہلاکِ زندگی
یعنی ظلم و سَفَہ و طغیاں سرکشی — ان سے بچ یہ ہیں وبالِ زندگی
اُمر کی تعمیل، مَنہی[1] سے گریز — خوش نصیبی کی یہی ہے زندگی
امتحانوں کے لیئے تیار ہو — ہے یہی طالب کی علمی زندگی

یَا بُنَیَّ جَاءَ وقتُ الامتحان
یُکْرَمُ الانسانُ فیہ اَوْ یُھَانْ
فَاجْتَھِدْ فِی الْعِلْمِ وَاعْمَلْ وَاقْتَصِد
وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَھُوَالْمُسْتَعَانْ

---

[1] مَنہی یعنی ممنوع ۱۲

دعوتِ آم سردھنہ میں

بتاریخ ۴؍ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

اس بار سفرِ سردھنہ میں صعوبتِ سفر کافی پیش آئی۔ کئی جگہ کار خراب ہوئی۔ کہیں رکشا لینی پڑی، کہیں پیدل چلنا پڑا بالآخر دو گھنٹے کا سفر چار چھ گھنٹے میں پورا ہوا اور تاریخی بن گیا جس کا ذکر ذیل کی نظم میں کرتے ہوئے دعوتِ انبہ اور آم خوری کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

بہت ہی سر دُھنے سے سردھنے تک — پہنچ پائے بفضلِ ایزدی ہم
مشقت رہ گذر کی منتظر تھی — کہ اُلجھیں اُس کے کانٹوں سے ذرا ہم
لگا دامن تو کانٹوں نے بصد شوق — کیا آگے کو بڑھ کر خیر مقدم
بگڑ بیٹھی اچانک کار اپنی — لگی رُکنے بگڑ کر اور پیہم
چلی کار اور بیکاروں کی مانند — رہی کچھ دیر رُک رُک اور تھم تھم
بگڑ کر دی پھر اک پرزے نے آواز — کہ اب ممکن نہیں منزل کا مُقدم
غرض موٹر کا باطن کچھ خفا تھا — مگر اس میں خفا تھا شے تھی مُبہم
سڑک کا رُخ بھی کافی پر جفا تھا — کہ جس سے پڑ گئے تھے کار میں خم
کھلی گاڑی تو رخنے کھل گئے سب — کہیں تب جا کے آیا کار میں دم
چلی تب سیدھی سیدھی سادھ کر سیدھ — لیا بس سردھنے آکر ہی پھر دم
خوشی ہے۔ ناخوشی راہوں کی مٹ کر — درِ مقصد پہ با مقصد ہوتے ہم

صعوبت راہ کی پا ور ہوا تھی
جوں ہی منزل نے آکر سر کیا خم

کشش سچی تھی اہلِ سر دھنہ کی
کہ پہونچے اور پہونچے سر کے بل ہم

محبّوں مخلصوں کی ہے یہ بستی
فدا کاری ہے جن کی غیر مبہم

درِ مسجد سے تا مسجد دو رویہ
صفیں تھیں مخلصوں کی بستہ باہم

کھڑے تھے دوست سب باجمع ضدین
دلوں میں آتشِ حُب آنکھ میں نم

لبوں پر انبساطِ دل کے آثار
تبسم کی جھلک کے پیچ اور خم

قدم بڑھتے ہوئے پھیلے ہوئے ہاتھ
گلے ملنے کا جذبہ سب میں منضم

مصافحہ میں ہر اک سبّاق بالخیر
ہر اک تھا بے خودی میں غرق و مدغم

بغل گیری کے جذبے سے اُبھر کر
بڑھے اخلاص کا بھرتے ہوئے دم

ملے سب شوق سے بالُطف و اکرام
خوشی امڈی۔ ہوا کافور سب غم

یہ قدریں کس قدر ہیں قابلِ قدر
نظر آتے ہیں یاں آکر ہم ہی ہم

کہیں جلسے، کہیں دعوت، کہیں کچھ
جدھر دیکھو اُدھر ہے خیر مقدم

فضا میں نغمۂ شادی کی ہے گونج
شکارِ بے کسی ہے نوحۂ غم

ہر اک سنّی ہے قسمت سے ہے دل شاد
نصیبِ شیعیاں ہے ان کا ماتم

محبت کا ہر اک سر میں ہے سودا
تعاون کا ہر اک بازو میں دم خم

ہر اک لائق۔ لئیقِ صد ستائش
ہر اک کا حق کی چوکھٹ پر ہے سر خم

ہر اک ہے بندگی میں عبدِ واحد
مگن طاعت میں اور دنیا سے بے غم

ع منشی لئیق احمد صاحب کی طرف اشارہ۔ ع منشی عبدالواحد صاحب کی طرف اشارہ۔

کوئی ہے پاس سے کٹ کر کے نسبتیں[عہ] — امیدوں کی بشاشت میں ہے مدغم
ہے اس تثلیث میں پیوست توحید — کہ یہ سب شرک کے بارے میں ہیں بَم
ہے قدرِ مشترک اخلاص ان میں — کوئی زیادہ ہے اس میں اور کوئی کم
ہیں تن سب کے الگ پر دل ہیں سب ایک — مئے وحدت کا ہر دم بھرتے ہیں دم
ہے ان کی روح وحدت اور محبت — محبت جام ہے خود اس کے ہیں جَم
محبت کے یہی ہوتے ہیں آثار — کبھی دعوت، کبھی ہدیہ، کبھی غم
ہے آج ان کی طرف سے دعوتِ آم — کہ جس پر آج ہم یک جا ہیں باہم
کوئی دیبن سے۔ کوئی کوکھنی[عہ] سے — کوئی میرٹھ[سہ] سے۔ آئے مل کے باہم
نگاہیں منتظر ہر آم پر ہیں — خیالوں تک کی رُو جاتی ہے یاں تھم
مئے وحدت ہے گویا آم کا رس — ملا دیتا ہے سب بچھڑوں کو باہم
ہے مرکز وحدتوں کا آم کا طشت — کہ چوگرد اس کے سب بیٹھے ہیں بے غم
نگارستان ہے آموں کا تسلا — ہے رنگا رنگ محبوبوں کا عالم
ہیں بیٹھے طشت پر آسن جمائے — نہیں دنیا و مافیہا کا کچھ غم
ہے جب تک سامنے آموں کا تسلا — سمجھتے ہیں کہ سب کے دم میں ہے دم
ہر اک دل میں ہے آموں ہی کا سودا — ہر اک کا طشت کے آگے ہے سر خم

عہ حافظ یٰسین صاحب کی طرف اشارہ۔ یہی تینوں حضرات داعی تھے۔
عہ کوکھنی موضع (ضلع مظفر نگر) سے مہربان علی وغیرہ آئے۔
سہ حکیم محمد الیاس صاحب میرٹھ سے آئے۔

ہر اک آموں کی الفت میں ہے سرشار
زبہر رنگ و بو واز بہر مُطعَم

جب ہم ہوں۔ آم ہوں پھر فکر ہو کیا!
بپا ہو جائے گو معدہ میں ماتم

دل آرامے برنگِ صاف و شفاف
خنک صہبا بہ ساغر ہائے نیلم

شرابِ زرد سے بھرپور شیشے
جو کھو دیتے ہیں غم والوں کے سب غم

بلا سینہ کے پستاں مُہر بر سر
بنتی دودھ سے لبریز و پُر نم

سُرور آور برائے قلبِ عشاق
سکوں بخشے، یہ رومانِ پیہم

شرابِ پاک میں شہدِ مصفّٰی
ہے مائیت میں شیرِ پاک مدغم

شراب و شہد و شیر و آبِ صافی
ہے آم انہارِ جنت سے مُقوّم

شرابوں کے ہیں زنگار رنگ ساغر
بھرا ہے مستیوں کا جن میں عالم

عجب پُر کیف ہے آموں کا یہ کیف
نشہ ہے۔ پر خرد ہوتی نہیں کم

نہیں انسان کی صنعت گری یہ
نہ خم خانوں سے یہ مینا ہے پُر نم

نہ کچھ پیرِ مغاں کا اس پہ احساں
نہ ہے یہ میکدہ کا قیدیٔ غم

جہانِ غیب کا ہے راست تحفہ
ز دستِ قدرتِ خلاقِ عالم

یہ ساغر غیب کا ڈھالا ہوا ہے
رسیلی آنکھ میں مستی کا عالم

زمیں پر خاکساری سے اُبھر کر
فضاؤں کی بلندی میں ہے قائم

نہیں ہے ایک رنگ کا اُس پہ ملبوس
ہے صد الوانِ رنگینی کا عالم

لباسِ نو بہ نو میں ایک محبوب
تجلی ریز بر خضرائے خاتم

کوئی سبز اور کوئی زرد اور کوئی سرخ
کوئی ہے زعفرانی، کوئی نیلم

عجب رنگیں ادا، رنگیں صورت
رنگوں کا اُن پہ لہراتا ہے پرچم

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
ز اندازِ قدت پر نور چشم

ضخامت اور قامت میں تفاوت
نمایاں جس سے حکمت کا ہے عالم

کوئی چپٹا، کوئی چوڑا کوئی گول
کوئی قامت میں سیدھا کوئی پرخم

کوئی کہتر کوئی مہتر کوئی وسط
کوئی کم کوئی زیادہ اور مفخم

ہزاروں ہیں قد و قامت کے پیکر
نرالا قدرتِ حق کا ہے عالم

بہر قامت کہ آئی، بر سر و چشم
بہر پیکر کہ باشی نور چشم

ہر اک کی خاص خوشبو ہے نرالی
ہر اک خوشبو کا پھر ان میں ہے سنگم

گلاب خاص ہے گر اس کو سونگھو
بہشتوں کا ثمر ہے بہرِ مطعم

ہے ہر ہر آم کا اک ذائقہ خاص
بہت سے ذائقے ایک اک میں مدغم

حلاوت با حموضت بے مرارۃ
ہے گویا ذائقوں کا ایک عالم

اگر یکجا کہیں ہوں مختلف آم
دکھائی دیتے ہیں پھولوں کا البم

دلِ عشاق کو راحت کا پیغام
نگہ کی زندگی ہے ان کا موسم

جو بلبل کو ہے گل سے خاص نسبت
لیے ہے آم سے وہ ابنِ آدم

نمود و بود اس کی فصلِ باراں
ہیں پانی کے لگن سے اس کے دم خم

بآب صاف رنگیں مچھلیاں ہیں
جو خود پانی کی زینت کا ہیں پرچم

لباسِ آب میں عریاں ہیں ایسے
حریرِ تر میں جیسے ابنِ آدم

ہیں رنگا رنگ ساغرہائے انبہ
بزیبائیِ صورت دافعِ غم

نہیں کام و دہن ہی ان کا شیدا
اگر ہوں ناک تک تب بھی رہیں کم

لبوں پر ہوں تو شیرینی سے لب دوز
اُتر کر منھ میں پہونچیں تب ہیں ہم دم

گلے لگ کر اُتر جائیں جو نیچے
جراثیم شکم کے حق میں ہیں سم

غذا بھی ہیں تفکّہ بھی دوا بھی
دمِ انسان کے دم ساز و ہم دم

یہ دم دم کی بھی خواہی کا ہے سہرا
اُنھی کے سر ہے اور رہتا ہے پیہم

ہے آموں کی محبت بھی نرالی
کسی حالت میں بھی ہوتی نہیں کم

اُگل کر پھر نگلنا گو ہے منفور
نہیں ہوتی ہے رغبت پھر بھی کچھ کم

اُگلنا بھی نگلنے کے لیئے ہے
کہ نگلا جائے اس کو لے کے کچھ دم

ہے انبہ ایسی اک محبوب زوجہ
کہ ہے اُس کے بغیر عاشق لب دم

طلاقِ بائنہ یاں کب ہے ممکن؟
کہ ہجرِ آم پر ہو کوئی خرّم

ہے فصلِ آم کا مقصود بھی وصل
ہے اس کے فصل میں بھی وصل منضم

ہے وصلِ آم ہر ہر فصل کے بعد
طلاقیں ہیں، مگر رجعی ہیں پیہم

نکاحِ نو کی یاں حاجت نہیں ہے
یہ رشتہ بدرِ فطرت سے ہے دائم

یہ زوجہ گھر میں ہو یا باغ میں ہو
بہر صورت ہیں ازواج اس سے منضم

یہ آموں ہی کی ہے شیریں ادائی
کہ ان کی ترشیوں پر بھی ہے سرخم

اگر ہوں ترش رو تب بھی گوارا
محبت کا عجب ہے اُن کی عالم

ہوں نیچے رنگ رنگ آموں کے تشلے
اور اُوپر سے برستا مینھ ہو چھم چھم

ہوں جمع نیم عریاں پینے والے
لُنڈھائے جائیں ساغر ہائے پیہم

تو یہ دنیا میں ہوگی بزمِ جنت
شرابِ طُہر سے دل ہوں گے خرّم

عجب رنگین ہے آموں کی محفل
ہے گویا مجلسی ہی ان کا سسٹم

تمام عاشق یہاں شیشہ بدست ہیں
ہے اس محفل میں یکجا جام اور جم

یہ آموں کی محبت کا ہے ثمرہ
کہ ان پر آکے جڑ جاتے ہیں باہم

ہے آموں میں لڑائی کا بھی پہلو
کہ بن جائیں مقابل جو تھے ہمدم

ہے بزمِ آم سے وابستہ نوروز
کہ جس میں جنگ کی صورت ہے منضم

ان آموں کے یہ گٹھلی اور چھلکے
سروں پر پڑتے ہیں جب صورتِ بم

تو بزمِ آم بن جاتی ہے اک رزم
اور اُٹھ جاتے ہیں سرآب تک جو تھے خم

جہاں مصروفِ ناؤ نوش تھے سب
وہ ہو جاتے ہیں مار اور دھاڑ میں ضم

لباس و تن پہ زرد از زرد دھبّے
مثالِ خونِ مجروحین بے دم

مگر اس جنگ کا منشا ہے تفریح
جو ہے وجہ نشاطِ ابنِ آدم

غرض ہے بزم و رزم آموں میں یکجا
عجب ہے جمع ہوں ضدین باہم

یہاں رزمی بھی ہے ہمدوشِ بزمی
ہے مجلس اور میداں اس میں توأم

ہے انبہ عشق کی رو سے بھی جامع
ہے محبوبی میں اس کی عاشقی ضم

ہے آموں میں محبت کا بھی مضموں
کہ محبوبی میں بھرتا حُب کا ہے دم

اچھلتا رس ہے گر کپڑوں کی شامت
تو فاش اس سے ہے اس کا عشق مبہم

ہے دلدادوں پہ اپنے اتنا شیدا
چھڑکتا ہے اُچھل کر اپنا خود دُم

اِدھر محبوب اُدھر عاشق بیک وقت
اِدھر دلدار اُدھر دل گیر اسی دم

تعجب ہے کہ پھر بھی ہے وہ مظلوم
محبت کا بدل اس کو ملے غم

ہوں آموں پر پیاپے ایسے حملے
کہ ایک ایک آم کا ہے ناک میں دم

ہے ہر ہر ہاتھ چابک دست ایسا
کہ آم اس سے ہیں دم کے دم میں بیدم

بعجلت ہاتھ بڑھتے ہیں لگن پر
کہ اک دانہ بھی رہ جائے نہ بادم

ہے دانتوں کی یہ یورش اور یلغار
تنِ نازک پہ صدہا زخم پیہم

ہر اک کا پیٹ وسعت پر ہے نازاں
کہ کتنے آم بھرتا ہے بیک دم

تعجب ہے کہ یہ عشاقِ انبہ
بنے ہیں اس کے حق میں نفثۂ کالم

ہیں دشمن سے زیادہ اس کے دشمن
بدعوائے محبت اس پہ ہیں بم

خود ہی کرتے ہیں اس کا حسن پامال
نچوڑیں ہاتھ سے اور کھینچ لیں دم

نہ صرف ہاتھوں سے، دانتوں سے بھی مسلیں
لگا کر زخم کر دیں اس کو بے دم

اکھاڑیں پوست، ہڈی تک نہ چھوڑیں
کریں پھر فخر محبوبے خورندم

عجب محبوب ہے عاشق سے مجبور
عجب محبوب عاشق کے سہے غم

عجب عاشق جنوں کا نام لے کر
کرے محبوب ہی کے لختِ پیہم

چبا جائے برغبت گوشت اور پوست
نہ چھوڑے رنگ و بو کا اس کے عالم

پیئے خون اور ہڈی تک چچوڑے
نہ کرنے دے اسے فریاد و ماتم

یہ عاشق ہے کہ خوش اتنا ہے جتنا
تنِ محبوب پر کاری لگیں زخم

تعجب ہے جفا محبوب پر ہو
وہ غمگیں ہو، رہیں عشاق خوشدم

یہ آموں کا سمجھیے حسنِ سیرت
کہ ہیں صبر و رضا میں خوب محکم

یہ آموں کا ہے اخلاص اور ایثار
محبت کے شغف کا یہ ہے عالم

مگر ہے اس میں کیا آموں کا نقصان
محبت میں گیا جو وہ ہے دائم

یہاں کی ہر فنا میں اک بقا ہے
مٹا جو بھی وہی آخر ہے دائم

یہی آموں کی محبوبی کا ہے راز
کہ تسلیم و رضا میں ہیں وہ محکم

ختامِ فصل سے تا فصلِ ثانی   سراپا شوق رہنا ہے یہ عالم،
کہ کب آم آئیں کب ہم منتفع ہوں   اُنھیں غم دے کے ہم اُن سے ہوں خوش دم
پس اے آموں کی اُمت مت ہو دل ریش   نہیں دارین میں تیرے لیئے غم
تو اس مشقِ ستم سے ہو نہ دل گیر   دوامِ زندگی ہے تجھ میں قائم
ملا ہے جس کو جو ہستی کو کھو کر: فنا ہی میں بقا ہوتی ہے منضم
فنا میں ہے بقا کا راز مضمر   بقا اندر فنا، ہے قدر مُبرم
مٹا جو، وہ ہے اَمٹ، ہے یہ فطرۃ   تو مٹ جانے سے تجھ کو کیا ہے پھر غم

مگر ہوں کھانے والے بھی نہ نادم   کہ قدرِ نعمتِ حق ہے مقدّم
ہے استعمالِ نعمت قدرِ نعمت   اور اس کا ترک ہے عصیان و مأثم
تم ان آموں سے جتنا منتفع ہو   یہی قدرت کا ہے ایما پیہم
پس انساں بھی ہو خوش اور آم بھی خوش   کہ دونوں نے اطاعت کا بھرا دم
وہ مستعمل ہوا جس کے لیئے تھا   حوائج کا یہی ہے کار را قوم
یہ عامل بن گیا جس کے لیئے تھا   عمل ہی ہے ہر اک شئے سے مقدم
خدا کا شکر ہے دونوں ہیں فائز   رہے طاعت میں دونوں ہی ہر دم
مبارک ہے ہماری دعوتِ آم   ہوئیں دو طاعتیں اُس سے منظم،

اقانیم ثلثہ[ع] کا تشکّر   کہ جن کے دم سے دعوت میں پڑا دم

ع منشی لئیق احمد۔ منشی عبدالواحد۔ حافظ لیسین زید مجدہم۔

لئیق و احمد و یٰسین تینوں — پھر اہلِ سرد ھنہ ہوں سارے خُرّم
انہی سے آم کو طاعت ملی آج — انہی سے ہم نے طاعت کا بھرا دم
خدایا دے انھیں توفیق ہر سال — کہ آموں کا منائیں جشنِ نیلم
خدایا رکھ انھیں ایسا سُبکسار — کہ سر پران کے مأثم ہو نہ مَغرَم عہ
خداوندار ہیں دائم یہ دل شاد — نہ چھو پائے انھیں تشویش اور غم
غمِ دنیا سے یکسر ہوں یہ آزاد — غمِ عقبیٰ میں ہر لمحہ ہوں پُر غم
رہیں دنیا میں جب تک، آبروسے — چلیں عقبیٰ کو جب۔ کر دے معظّم
زمیں کے فرش پر عرش آشیاں ہوں — ہوں ظلِّ عرش میں رحماں کے محرم

والحمد للہ اولاً و آخراً

۴ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

عہ گناہ ۱۲ سلمہ قرضہ و تاوان ۱۲۔

کیلا

برادرم حکیم محمد الیاس صاحب کٹھوری تم المیرٹھی نے بمبئی کی ایک دعوت کے موقعہ پر جبکہ کیلے بھی دسترخوان پر آئے تو فرمایا کہ ایک کیلا قابض ہوتا ہے، دو قابض نہیں ہوتے، تین ہاضم ہوتے ہیں اور اس سے زائد ملیّن ہو جاتے ہیں، احقر نے اُسی موقعہ پر اسے نظم کر کے جو حسبِ ذیل ہے حکیم صاحب ممدوح کی خدمت میں پیش کیا۔

ہیں کیلے کی شانیں عجب رنگ رنگ
نرالے ہیں تاثیر کے اُس کی ڈھنگ

کہیں قبض آور۔ کہیں ہے ملیّن
کہیں ہے یہ پانی، کہیں ہے یہ سنگ

عدد کے تفاوت سے تاثیر اس کی
دکھاتی ہے معدہ کو دنیا کے رنگ

ہے قابض اگر ہو اکیلا یہ کیلا
دو کیلا ہو تو قبض سے ہے بجنگ

کمک ایک کی اور مل جائے گر
تو پھر قبض کے رنگ میں ہے یہ بھنگ

اکیلے دو کیلے جو مل جائیں چند
تو مسہل بھی رہ جاتے ہیں ہو کے دنگ

نمایاں نہ ہو گر یہ تاثیر کا فرق
تو سمجھو کہ کیلے کے جوہر میں ہے زنگ

یہی بات کہتے ہیں الیاس حکیم
ہے امراض کا قافیہ جن سے تنگ

اسی کے مؤید ہیں طب کے اُصول
ہے آئینِ فن کا یہی رنگ ڈھنگ

جوانی کے غرّے میں ترکِ اُصول
اگر عذر بھی ہو تو ہے عذرِ لنگ

دعوتِ چائے

۱۹ر شعبان ۱۳۸۵ھ کو محترم جناب مولوی محمد ہاشم صاحب ایڈوکیٹ سہارن پور المعروف بہ ہاشم صاحب مختار حال منصرم اوقاف دارالعلوم دیوبند کی دعوتِ چائے پر حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استانۂ عالیہ میں (جو وکیل صاحب ممدوح کی قیام گاہ ہے) حاضری ہوئی۔ ممدوح نے چاء نوشی سے قبل ہم لوگوں کی عزت افزائی کے لیئے غالب کا یہ شعر مع اپنی تضمین کے پڑھا ؎

وہ آئیں گھر پہ ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

احقر نے شکریہ کے طور پر اس شعر کو قدرے بدل کر ذیل کی نظم عرض کی:-

ہم آئیں گھر پہ تمہارے خدا کی رحمت ہے
کہ نسبتوں سے یہ گھر خود مقامِ برکت ہے
یہ گھر ہے حضرتِ حاجی محمد عابدؒ کا
خمیدہ سامنے جن کے سرِ عقیدت ہے
ہے گھر یہ خانۂ مردِ کریم و حق آگاہ
وہ جن کے گھر کی زمیں آسمانِ عظمت ہے

بہا کیئے ہیں یہاں سے فیوض کے چشمے
یہ گھر نہیں ہے۔ جو سمجھو۔ مقامِ طاعت ہے
اگر ہے جائے مشائخ بجائے ذاتِ شیوخ
تو یہ مقام سزاوارِ صد کرامت ہے
ہم آئیں ایسے گھرانے میں شکر ایزد ہے
ہمارے حق میں حضوری یہ عین برکت ہے
شرف نہیں یہ حضوری کچھ اس گھرانے کا
یہ حاضری ہی ہمارے لیئے فضیلت ہے
ہمارے آنے کو سمجھا جو آپ نے عزت
فروتنی ہے۔ جو خود آپ کی ہی عزت ہے
ہو جب مکان مقدّس مکین ہوں مخلص
تو ایک چائے کی دعوت ہزار نعمت ہے
اِس عظمتوں کے گھرانے میں چائے کا جُرعہ
بلا کشانِ محبت کو جامِ رحمت ہے
یہ چائے کی نہیں دعوت۔ ہے چاہ کی دعوت
یہ چائے کی نہیں پیالی۔ یہ جامِ الفت ہے
پلایا آپ نے چائے کا بادۂ گلگوں
سزا نہیں ہے، سزاوارِ شکر و منت ہے
ہوئے ہیں پی کے جو بے خود بفیضِ ناؤ نوش

یہ کیفِ چائے نہیں ہے، خمارِ الفت ہے
شرابِ ناب سہی۔ پر ہے صالحوں کی شراب
بلا کا سُکر سہی پر تھمی بصیرت ہے
نشہ یہ قلب کا ہے۔ نشۂ دماغ نہیں
نشہ ہوس کا نہیں، نشۂ محبت ہے
یہ ناؤ نوش کا قضیہ ہے آپ ہیں مختار
ہمارے حق میں تو سچی یہی عدالت ہے
ہمیں وکیل کی حاجت نہ جج کی پابندی
وکیل آپ ہیں حق کی یہی ضمانت ہے
جب آپ کے لیئے دارالعلوم بھی ہے وقف
تو پھر کسی کی ہمیں اور کیا ضرورت ہے
یہ ناؤ نوش ہے بے شک، پر آخرت کی نجات
رسولِ ہاشمِ مختار کی شفاعت ہے
یہ شکریہ بتواضع مُحبِّ صادق کا
قبولیت کی توقع پہ پیشِ خدمت ہے

مقصدِ زندگی

لسان العصر اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا تھا:۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے　　یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی　　وہ فقط وقت کا گذرنا ہے

اس میں دنیائے فانی کی زندگی اور اس کے احوال کو ناقابلِ التفات ٹھہرایا گیا ہے جو امرِ حق ہے مگر مقصد کا پتہ نہیں دیا گیا جس کے لیئے ان احوال کو ترک کر دیا گیا ہے۔ نیز بعض احوالِ دنیا رہ بھی گئے ہیں جو ذکر میں نہیں آئے۔ اس لیئے احقر نے اس قطعہ میں بطور تتمہ چند اشعار کا اضافہ کر دیا ہے۔ اب اس قطعہ کو یوں پڑھنا چاہیئے:۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے　　یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی　　وہ فقط وقت کا گذرنا ہے

اکبر

رہ گیا عزّ و جاہ کا جھگڑا　　یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے
قابلِ ذکر بھی نہیں خورد و نوش　　یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے
مقصدِ زندگی ہے طاعتِ حق　　نہ کہ فکرِ جہاں میں پڑنا ہے

فجور و تقویٰ

لسان العصر اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا:۔

دنیا نے کہا کہ کیسے چپکوں؟ عورت نے کہا کہ گوند ہوں میں
چندہ نے کہا کہاں سماؤں؟ کالج نے کہا کہ تو ند ہوں میں

یہ عنوان حقائق خیز تھا اس لیئے احقر نے اس بحر میں اور اسی اسلوب بیان سے مگر بتبدیل قافیہ ذیل کی نظم کہی جس میں نفسِ انسانی کی کمزوریوں کے اسباب و لوازم ذکر کرتے ہوئے خیر و شر کے چند مقامات دکھلائے گئے ہیں اور ان کا معیار علم و عمل قرار دیا گیا ہے۔ (بوقت سفر پاکستان ۲۶ اپریل ۶۲ء)

بدی کے دواعی

عصیاں نے کہا کدھر سے آؤں؟ شہوت نے کہا کہ راہ ہوں میں
فتنہ نے کہا کہاں پہ اُتروں؟ غصہ نے کہا پناہ ہوں میں
ذلّت نے کہا کہ کیسے تاکوں؟ نخوت نے کہا نگاہ ہوں میں
دولت نے کہا کھپوں کہاں میں؟ بولی یہ ہوس کہ چاہ ہوں میں
شیطاں نے کہا جموں میں کیونکر؟ عورت نے کہا نباہ ہوں میں
طغیاں نے کہا مرا سہارا؟ دولت نے کہا کہ شاہ ہوں میں

نیکی کے وسائل

ایماں نے کہا بچوں میں کیونکر؟ نیکی نے کہا سپاہ ہوں میں

تقویٰ نے کہا کہ میں ہوں عِنّین ہمت نے کہا کہ باہ ہوں میں
فطرت نے کہا کہاں ہے عزّت؟ تعلیم بڑھی کہ جاہ ہوں میں
عزّت نے کہا کہاں سے اُبھرُوں؟ بولا یہ عمل کہ راہ ہوں میں
ملّت نے کہا کہ میں ہوں بدحال کوشش نے کہا رفاہ ہوں میں

نیکی وبدی کا مرکز

دنیا میں اُبھر کے نفس بولا لشکر ہیں کہ جن کا شاہ ہوں میں
ہر نوع بدی کے ہیں دواعی بیک کہیں جو خواہ ہوں میں
(سائل ۱۲)
ہر خیر کے جو بھی ہیں وسائل وہ راہ ہیں سربراہ ہوں میں
میں خود سے نہیں ہوں نیک وبد نیکی و بدی کی راہ ہوں میں
تقویٰ وفجور کا ہوں برزخ دونوں کا قرارگاہ ہوں میں
ہوں خیر کہ شر، ہیں دونوں مجھ سے دونوں ہی کا تختگاہ ہوں میں
بچ جاؤں جو شر سے۔ متقی ہوں شر کر کے فجور گاہ ہوں میں
دونوں کے لیئے ہے علم معیار ہوں خیر۔ کہ شرپناہ ہوں میں

نفس کی علم سے فریاد

کی نفس نے علم سے یہ فریاد آ۔ ورنہ غبارِ راہ ہوں میں
اس دور کے جہل اور بدی سے افسوس کہ روسیاہ ہوں میں
نیکی سے ہر ایک لمحہ محروم ہر لحظہ تہِ گناہ ہوں میں

علم کا جواب اور دعوتِ عمل

دی علم نے تب صدا عمل کو تو آ۔ کہ نشانِ راہ ہوں میں

گو کوہِ گراں ہوں میں جہاں میں
پر تیرے بغیر کاہ ہوں میں

قائم ہوں ترے ہی دم سے ورنہ
اس دار میں بے پناہ ہوں میں

سیری ہے مری تجھی سے ورنہ
بے آب ہوں بے گیاہ ہوں میں

میں ایک ہوں۔ نفس کے ہیں لشکر
تو آئے تو سر بجاہ ہوں میں

میں پیس کے رکھدوں ہر بدی کو
تو فوج ہو اور شاہ ہوں میں

ہر شر کی چمک کو ماند کردوں
تو ہالہ ہو اور ماہ ہوں میں

راکب بنوں میں جو تو ہو مرکب
تا عرش بعزم راہ ہوں میں

تجھ ہی سے مری ہے ساری پرواز
ہو تو نہ۔ تو پھر تباہ ہوں میں

جواب مجذوب بہ نظم مرغوب

ملا رفیق احمد صاحب مجذوب مرحوم امام مسجد موضع برالہ ضلع مظفر نگر متصل کیرانہ، کے تین خط منظوم یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ پہلے خط میں بڑی محبت کے ساتھ احقر کو برالہ آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ماہ صفر میں حاضری کا وعدہ کر لیا گیا تھا۔ دوسرے منظوم خط میں واپسی افریقہ کے بعد پھر یہ وعدۂ حاضری ایک دوسرے منظوم خط سے یاد دلایا گیا اور تیسرے خط میں برالہ پہونچنے کے شدید انتظار میں شکوۂ محبت بہ خشونت کیا گیا تھا۔ ان خطوط کا منظوم جواب احقر نے رام پور سے

واپس ہوتے ہوئے ریل میں لکھا جو درج ذیل ہے :۔

سلامِ شوق پہونچے میرا مجذوبِ برالا کو
رفیقِ خاص و مخلص اور محبت کے ہمالا کو
مسرت نامۂ ساقی نے آنکھوں کو چمک بخشی
پھر ایک اک حرف نے نامہ کے چہرے کو دمک بخشی
تقاضائے شنید و دید چشم و گوش کو بخشا
تماشائے تصوّر روئے عقل و ہوش کو بخشا
تمنّا دید کی اُبھری نگہہ کے آبگینے میں
گلے ملنے کی اُبھری آرزو پر شوق سینے میں
ہتھیلی میں تمنائے مصافحہ گدگدا اُٹھی
قدم میں رہ نوردیِ برالہ تلملا اٹھی
زباں میں بے پنہ جذبہ تحیت کا بھڑک اُٹھا
دلِ مہجور میں جذبِ ملاقات اور اُبھر اُٹھا
مگر دوری میں ملنے کا طریقہ خط کتابت ہے
جو خط پہونچے تو پھر آدھی لقا میں بھی قناعت ہے

بلا شک حاضری کا تھا صفر کے ماہ میں وعدہ
فریضہ تھا کہ اس وعدہ کا سچائی سے ہو ایفا
مگر انسان مجبوری و معذوری کا ہے پُتلا

مشیّت کا ہے ہر حالت میں اس کی ذات پر قبضہ
وہی چاہے تو میں چاہوں نہ چاہے وہ تو میں کیا ہوں
وہ مالک ہے ارادوں کا، میں ایک ناچیز بندہ ہوں
صفر سے پہلے آکو دا سفر وسطائے مشرق کا
عرب کا مصر کا افریقہ کا اور بیت مقدس کا
ارادہ تھا کہ واپس آکے راہیِ برا لا ہوں
رفیقوں کا وہاں کے ہم پیالہ ہم نوالا ہوں
مگر مجبوریاں انساں کے پیروں کی ہیں زنجیریں
ہیں غالب سر پہ تقدیریں۔ نہیں چلتی ہیں تدبیریں
نہیں ہے حَول وقوت کی نمود اِلّا بِاِذنِ اللہ
نہیں چاہے گا انساں کچھ بھی اِلّا اَن یَّشَاءَ اللہ
ہوا واپس تو کھینچا آکے تقدیرِ الٰہی نے
قضاءِ مُبرمِ حق نے۔ خدا کی بادشاہی نے
کہ پھیرو رخ کو فوراً لکھنؤ کے شہر کی جانب
اور اس کے بعد دن ہی دن میں فیض آباد کی جانب
معًا جانا پڑا پھر حیدرآباد اور دلی کو
بجا لانا پڑا موقع کی سب خدماتِ ملّی کو
مجالِ دم زدن کیا تھی کہ رخ ہوتا برالے کا
تھا بس ہی کیا کسی مجذوب یا مجذوب والے کا

ترسنا آپ کا حق ہے، محبت سے ہے الفت سے
تکلف سے نہیں ہے۔ واقعی ہے دل کی کلفت سے
مرے دل میں ہے قدر اس کلفتِ عشق و محبت کی
اُبھرتی ہے مرے دل میں بھی ٹیس ایسی کلفت کی
ہے دل کو راہ دل سے۔ اور محبت سے محبت ہے
تمنا سے تمنا ہے۔ مودّت سے مودّت ہے
ہے واں کلفت تو میرا دل بھی کلفت سے نہیں خالی
یہ کلفت صرف قالی ہی نہیں ہے بلکہ ہے حالی

مگر ہے کلفتِ ہجراں ہی میں دیدار کی لذّت
نہ ہو دیدار با لذّت اگر حائل نہ ہو فرقت
وصالِ یار آنی ہے یہ لذّت آنی جانی ہے
مگر یہ انتظار و شوق۔ لذّت غیر فانی ہے
یہ لذت ہو اگر حاصل تو پھر کلفت ہے لاحاصل
کہاں کلفت کی لذت اور کہاں یہ لذتِ وصل
دعا ہے میری یہ، لذت ہماری اور بڑھ جائے (ہجراں فاصل)
اور اس کی عمر و مدت کی درازی اور چڑھ جائے
کہ اس سے ہی بڑھے گی نعمتِ دیدار کی لذّت
ہو جتنی پیاس غالب اُتنی ہی پانی کی ہے قیمت

صفر کا یہ سفر اب منتظر ہے ماہِ شعباں کا
اور اُس کے عشرۂ آخر کا جو مبدا ہے رمضاں کا
اگر شعباں گذر جائے، تو پھر ماہِ محرم ہے
دباؤ وقت کا وعدہ یہ کیا؟ وعدہ تو مُبرم ہے
ہو آنا جب بھی۔ وہ ہی وعدہ ایفائی کی ساعت ہو
اور اس کا وقت لمبائی میں تا قربِ قیامت ہو
مثل مشہور ہے دنیا میں، دیر آید درست آید
مگر یہ مرحلہ کافی کٹھن ہے، صبری باید

خدا چاہے تو سالم اور یہ احقر ساتھ آئیں گے
مزہ ملنے کا سب اہلِ بُرالاہل کے پائیں گے
ہیں گر اس وقت ہم آدھے تو اس دم ہونگے ہم سالم
اگر ہوں ایک سے دو، تو رہیں گے سالم وغانم

بلانا بار بار حرفِ شکایت سے حکایت سے
نجاجت سے اور اس کے ساتھ ہی قدرِ خشونت سے
مکرّر یادگاری اور سہ کرّر یاد فرمائی
اور اس پر شوقِ دل داری سے نثر و نظم آرائی
یقیناً عشق صادق ہے یہ سچا رنگِ الفت ہے

یہ احسانِ محبت ہے، محبت کی صداقت ہے
ادا سے کس طرح ہو شکر یہ اس جذبِ صادق کا
کشش کا۔ جوش کا۔ اوپر سے اک مجذوب عاشق کا
جو مجذوبی میں جاذب بھی ہے مطلوبی میں طالب بھی
اور اس جوشِ عقیدت سے مخاطب پر ہے غالب بھی
نہیں الفاظ جو اس بارِ احساں کے مساوی ہوں
مساوی بھی نہوں تو کچھ نہ کچھ اس کے مکافی ہوں
زباں ہے گنگ اور الفاظ کا میداں ہے کافی تنگ
نہیں ممکن کہ بھر دوں پھیکے لفظوں میں دل کا رنگ

مگر کفرانِ نعمت بھی نہیں ممکن ہے مخلص سے
فلوسِ بے حقیقت بھی ہے کافی ایک مفلس سے
نہ طاقت شکرِ نعمت کی نہ ہمت کفرِ نعمت کی
عجب مشکل میں ہے جاں میری ہمّت اور قوّت کی
نہ ہو جب شکر یہ ممکن، نہ آساں کفرِ نعمت ہو
مناسب ہے کہ دل کی اک دعا ہی دادِ منت ہو
دعا دل۔ سلام شوق ہے بس شکر یہ میرا
قبول و نا قبول اُس کا۔ ہو جو بھی۔ کام ہے تیرا

۷ رجب ۱۳۸۳ھ

استقبالِ مجاہد

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے احمد آباد جیل
سے رہا ہونے پر یہ نظم لکھی گئی جو جامع مسجد دیوبند کے جلسۂ خیر مقدم
میں پڑھی گئی :-

با ممدوحے کہ زممدوحیٔ خویش
از ثنائش ہمہ ترساں و گریزاں آمد
چہ کنم مدح عزیزے کہ ز تسلیم و رضا
مدح و ذم در نظرش واحد و یکساں آمد
شکرِ معبود بجا آرم و شاداں گویم
از رہِ فضلِ خدا یوسفِ زنداں آمد
پیکرِ صبر و رضا رہ گرِ اخوانِ صفا
یوسفِ راہِ وفا باز بکنعاں آمد
اسم سابقش حُسین است و مسمّٰی حسن است
دُرّ دُرجِ تکبیر بہ تصغیر چہ پنہاں آمد
نیک مردے ست کہ سرمستِ شہادت بینم
ہم حیاتش ہمگی ظلِّ شہیداں آمد
اے تو عیسیٰ قدمی زانکہ ہمیں خطۂ ہند
بود صحرا ز قدومِ تو خیاباں آمد

راہِ محمود سپردی ہمہ محمود شدی
باد فرخندہ ترا شاں کہ درخشاں آمد
برٹش افگندہ اگر قید باین مردِ قوی
روبہے اُوست بہ شیرانِ نیستاں آمد
اے کہ تو ماحیٔ جوریؒ وشدیدی برکفر
زانکہ بر زعمِ عدو حامیٔ ایماں آمد
پنجہ ات پنجۂ سیمیں نشد است و نشود
آہنی پنجہ کہ بر گردنِ شیطاں آمد
مردے از جیل بروں آید و کارے بکند
ملکے بود کہ در صورتِ انساں آمد

ہیچو فرحت ز دلم قصۂ غم ہم خیزد
فتنہ بیدار شدہ شور بہ بلداں آمد
سیّدی از تو چہ گویم چہ شد است و چہ شود
چہ زباں فاش کند قصہ کہ لرزاں آمد
حیف شیرازۂ قومی بگسستہ زخلاف
مجمعِ قوم چو اوراقِ پریشاں آمد
ہر کہ موسوم بہ مسلم شدہ گردن زدنیست
قطرۂ خونِ مسلمانی چہ ارزاں آمد

ہمہ صحرا، ہمہ کوہست زخونم رنگیں
ہمہ دریا ست کہ از خونِ مسلماں آمد

وائے شومی کہ بہ ملکانہ بجائے تکبیر
ایں خروشے است کہ ناقوس خروشاں آمد

فتنہ بارید بہ مسلم صفتِ عود حصیر
شورِ محشر ز خروشش ہمہ گیہاں آمد

نوح ساں خیز بمیدانِ صلاح واصلاح
کشتیٔ ملّتِ اسلام بطوفاں آمد

مثلِ موسیٰ زعصا حملہ و جلوہ بنما
حملہ آور بہ مسلماں ہمہ ثُعباں آمد

اے فرود آئے مسیحا ز فلک زود بیا
بر زمیں فتنۂ دجّال نمایاں آمد

زردہ زردی

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے زردہ

کی ایک دعوت میں حسبِ ذیل قطعہ کہا تھا

چہرے کی اُڑا دیتا ہے زردا زردی | کھا دیکھو کہ سودا ہے یہ مردا مردی
سردی میں دکھاتا ہے وہ گرما گرمی | گرمی میں دکھاتا ہے جو سردا سردی

اس قافیہ پر احقر نے حسبِ ذیل نظم لکھی جس میں اولاً اوپر کے قطعہ کے ہی قافیئے لائے گئے ہیں۔

زرد رو ہوں جو خرابیِ جگر کے باعث
کیا اُڑا سکتا ہے اُن چہروں کی زردا۔ زردی

یہ ہیں سب سوختہ جاں سوختہ ساماں انساں
کیا دکھا سکتا ہے ان لوگوں کو سردا سردی

سرد مہری ہو اگر سردیٔ موسم کی جگہ
کیسے ممکن ہے دکھائے اُسے گرما[ع]۔ گرمی

آج بے روح نمائش کی ہے گرما گرمی
بات ہی بات ہے اس دَور کی مُردا مردی

جان دل میں نہیں، ایمان دماغوں میں نہیں
گھس چکی رُوح کے جوہر میں ہے سردا سردی

گرمیٔ بزم کہاں؟ دل ہی جب ہو برف کی قاش
بزمِ اخلاق پہ کیوں چھائے نہ سردا سردی

جاں سپاری کا پتہ ہے نہ محبت کا اُبھار
صرف اوپر سے سپاہی کی ہے وردا وردی

ذوقِ گفتن ہو جہاں مبلغ پروازِ کمال

ع گرما کابل کے ایک شیریں ترین خوربوزہ کا نام ہے۔

کیسے آسکتی ہے واں بحث میں کردہ کردی

جب غذا اور دوا میں ہو ملاوٹ غالب

کھیلتی کیوں نہ پھرے چہروں پہ زردا زردی

لگ گیا جو ہر گندم کو تو چوہوں کا گروہ

رہ گیا بھوسہ، تو ہے پیٹ کی دردا دردی

راحتِ جان کہاں؟ جان کے لالے ہیں پڑے

یاں تو پھیلی ہوئی ہر سمت ہے مُردا مُردی

جان جانی تھی گئی، ہو گئے اخلاق بھی ختم

اک تملّق ہی تملّق کی ہے گرما گرمی

وہ تو کرتے نہیں رُخ دے کے بھلے موٗنھ کچھ بات

یاں خوشامد سے ہے سرکار کی گِردا گِردی

معذرت آج کی ہے طفلِ تسلّی کل کی

آج کی بھوک کا درمان ہے وعدا وعدی

یا تو وعدہ ہو وفا۔ یا ہو کھلا صاف انکار

کیا مصیبت ہے یہ ہر روز کی فردا فردی

سرفروشی کی بھلا کیا ہو توقع اُن سے

جن کا مذہب ہو شب و روز کی خُوردا خُوردی

کبرِ نفس آج کے خُردوں کے ہے دل کا جوہر

ہے دکھاوے کے لیئے محض یہ خُردا خُردی

بنتِ آدم میں حیا کا ہی وہ جوہر نہ رہا
لاکھ گاتے پھرو تم نغمۂ پردہ پردی

ہیں جواں مرد وہی۔ سر کو ہتھیلی پہ لیئے
جن کا سودا ہے ہمہ وقت کی مُردا مُردی

مردِ مؤمن کی ادا راہ رضا میں ہے قضا
نہ کہ خودرائی و خود بینی و غرضا غرضی

دین اور وطن

ایک دَور میں اس موضوع پر بہت سی رباعیاں چلیں۔ احقر نے حسبِ ذیل ثلاثی عرض کی :۔

زقوم و نسل و وطن ملّتے کہ سر بزند
چو پارہ ایست زکُل۔ کُلِّ آنش دینِ نبی است

میانِ ہود و مسلماں کہ عہد وحدۃ شد
بشرطِ غلبۂ حکمِ محمد عربی است

وجود وحدۃ ملّت بہر چہ طور شود
خلاف شرط مقرّر شرارِ بولہبی است

بہرہ ور

مولوی عبدالواحد صاحب ناظم محاسبی دارالعلوم دیوبند کی شان میں
جو کانوں سے بہرے ہیں مگر بے بہرہ نہیں، خود انھیں کی زبان سے)

لوگ کہتے ہیں کہ تم بہرے ہو، سب ٹھیک مگر
میں نہ بے بہرہ ہوں، اور ہوں نہ کسی کا مقروض
شرع میں سمع و تکلم کی ہے قلت مطلوب
مردِ صالح کے لیئے ہیں یہی ایماں کے حفوظ
کان گو میرے ہیں بند، ان کی زباں بھی تو ہے بند
کہنے سننے کے معائب سے ہیں دونوں محفوظ
یہ ہے کیا کم، کہ ہے کم، سمع و زباں کا منکر
ہو بڑی بات کہ معروف سے ہوں ہم محظوظ

حکمت و عبرت

خالق کو ناپسند ہے سختی کلام میں
پیدا نہ کی اسی لیئے ہڈی زبان میں
کانوں کو ناگوار نہ ہو تلخیٔ کلام
رکھا ہے تلخ میل بدیں وجہ کان میں
شیریں دہن ہو آدمی میٹھا کلام ہو
اس واسطے ہے چشمۂ شیریں زبان میں
شوریدگی ہو سر میں تو آنکھوں سے بہہ پڑے
آنسو ہیں شور اس لیئے آنکھوں کی کان میں

ترشی کی تاکہ روئے بشر پر نہ ہو نمود / مستور آب ترش ہے معدہ کی کان میں
روکا گیا دہن کو ہے دانتوں کی باڑھ کر / بے روک تاکہ لقمہ نہ پہونچے دہان میں
شیریں اداؤں پر نہ نگہ ڈالے آدمی / ہے آب شور اس لیئے آنکھوں کی کان میں
اونچا ہے منہ بشر کا۔ ہے گردن اُٹھی ہوئی / تا اُٹھ کے لقمہ خود ہی سے پہونچے دہان میں
خالق کو ہے پسند نگہ میں حجاب و شرم / رکھی ہے آنکھ اس لیئے پردوں کی تان میں
سننے میں بات کے رہے ہر آن احتیاط / پردے رکھے ہیں اس لیئے انسان کے کان میں
زائل نہ ہو وقار فضولِ کلام سے / رکھا زباں کو اس لیئے قیدِ دہان میں
اثبات اور نفی کا تصور رہے مدام / رکھی نفس کی آمد و شد آن آن میں
دل تھا قرار گاہ، تجلیٔ غیب کا / رکھا ہے دل کو اس لیئے مخفی مکان میں
ہے علم سر بلند اور آنکھوں سے ہی نہاں / اونچا ہے سر، دماغ ہے مخفی مکان میں

خالق کو ناپسند[ع۵] ہے سختی کلام میں
پیدا نہ کی اسی لیئے ہڈی زبان میں

یادِ رفتگاں

مرثیہ:۔ عزیزم مولوی سید حسن ابن اُستاذی مولانا نبی حسن صاحبؒ مدرس دار العلوم دیوبند کہ بتاریخ ۱۲ رجمادی الاولی ۱۳۳۳ھ یوم چہارشنبہ بوقت اذان عشا اچانک بموت فجاءۃ وبندش حرکت قلب واصل بحق

ع۵ اس شعر کا قائل علم میں نہیں ۱۲۔

شدند. رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

چو سید حسن رفت جاں از جہاں رفت | سکوں از میاں رفت و تاب و تواں رفت

چناں آمد از عرش جذبِ الٰہی | بموت فجارۃ رواں و دواں رفت

مزاجش چو سیماب با عزم محکم | سبک رفت و ہم مثل سیلِ رواں رفت

اسف وا اسف حیف صد حیف آہ | کہ دل رفت و دلدار جلوہ کناں رفت

چہ درد و چہ صد غم چہ فریاد و ماتم | کہ رُکنے ز ارکانِ قرآنیاں رفت

تزلزل بدار العلوم اوفتادہ | قرار از تلامیذ و از درسیاں رفت

ز تشریع درس کتب سست ماندہ | ز تکوین تعبیرِ قدوسیاں رفت

بہ عشقے ربودہ بعلمے ستودہ | بدل پیرِ دانا بعمرش جواں رفت

معلّم، مربّی، مصنّف، مبلّغ | بہ تکمیلِ اوصافِ عرفانیاں رفت

گہے نیم مجذوب و گہہ نیم سالک | بزادِ مقاماتِ پنہانیاں رفت

علومے ز دریائے قرآں کشیدہ | پئے آبیاری بہ باغِ جناں رفت

بہ بزمے کہ بزمِ نشاط آفریں بود | کسے کو بیامد کہ ماتم کناں رفت

کجا صیدِ علم و کجا صیدِ فن | چو از دست صیّاد تیر و کماں رفت

رفیقِ کمالات شاید غنا شد | کہ از پیشِ احباب غمزہ کناں رفت

چناں رفت گویا کہ از تن دہاں رفت | زباں از دہاں رفت و نطق از زباں رفت

چناں رفت سید حسن آہ صد آہ | کہ گویا نشاطِ زمین و زماں رفت

کرم ہا و برایں جوان مرگ یارب
کہ در عنفوانِ شباب از جہاں رفت
رَحِمَہُ اللّٰہُ رحمۃً واسِعَۃً

فغانِ غم

مسدس کہ از وفات حسرت آیات محترم المقام عالی جناب
مولوی عبدالباقر خاں صاحب حیدرآبادی طاب ثراہ وجعل الجنۃ
مثواہ باظہار حزن و ملال بہ نگارش آمد۔

خوگرِ عیش و طرب آج آہ اپنا دل نہیں — دور ہوائے شادمانی میں ترے قابل نہیں
ہوں وہ بحرِ غم کہیں جس کا کوئی ساحل نہیں — دل میں ہے اک دردِ شوق شرکتِ محفل نہیں

کیا نقابِ رُخ نہیں ہے موت مجھ دید کی
نا اُمیدی اک سزا ہے کشتۂ امید کی

زینتِ بزمِ عدم ہونے کو ہے اب شمعِ جاں — یعنی چشمِ زندگانی دوز ہے تیرِ فغاں
نطق اپنا بھول بیٹھا گو کہ اندازِ بیاں — رُخ کے آئینہ میں عکسِ حیرتِ دل ہے عیاں

ہمنوا از من چہ پرسی عندلیبِ نوحہ ام
آشیاں برنخلِ ماتم زیرِ گردوں بستہ ام

سرمرا مرہونِ بارِ رنج و غم ہونے لگا — سرمۂ چشمِ امل چوں گردِ رَم ہونے لگا
زور ہر موجِ نفس تاثیرِ سم ہونے لگا — حوصلہ درماں کا پیشِ دردِ کم ہونے لگا

درد عالم سوز من شرمندۂ درماں نشد
نیست اُمیدے کہ آخر موجبِ حرماں نشد

بزمِ امکاں درحقیقت اک طلسمِ خواب ہے — جس کا ہر نقش نگیں مثلِ حُبابِ آب ہے
جلوہ گر نورِ بقا میں صورتِ سیماب ہے — اے نظامِ دورِ امکاں بس تجھے آداب ہے

خیمہ ات استادہ کرد آمالِ استقبالِ تو
گشت چوں چترِ شہاں امروز میموں فالِ تو

زخمہ ہے نورِ امید اور نظمِ ہستی ساز ہے — عرصۂ ہستی میں تا بندہ یہی سربراز ہے
رفعتِ آدم کے حق میں زینۂ پرواز ہے — زال ہے دنیا مگر اُس میں یہ مثلِ ناز ہے

آدمے برمن کہ سودِ دل ندارد حالِ دل
صورتِ آلام گشتہ چشمۂ آمالِ دل

چشمِ بینا ہے۔ نظر آتا نہیں پردۂ فوز — پیشِ سوزِ آتشِ دل ہم بلرزد پائے سوز
شب محیطِ جان محزوں شد ولے چشمم بروز — ظلمتِ شب برقرار و صبح ناپیدا ہنوز

گر کشم یک آہ صد جامی شود آتش بلند
گوشہائے مردماں را شورِ آہِ من کمند

آمدِ بوئے ہوائے روضۂ مالک جناں — کر رہی ہے حرکتِ رم سے مگر اپنی عیاں
جس کے تھا شوقِ لقا میں مدتوں سے آسماں — یعنی عبدالباقرِ جنت نشاں عالی مکاں

زینتِ بزمِ سرورِ خفتگان خاک شد
گر علوِّ رفعتِ او فوق از ادراک شد

آفتابِ علم بر رُخ چادرِ رحلت کشید — غیرتِ صد شامِ نومیدی شدہ صبحِ اُمید

دستِ وحشت جامۂ صبر و شکیبائی درید　　گوئی پیکِ دل گہے در عمرِ خود راحت ندید

ایکہ از دریائے امکاں خوش برفتی تا ختی
در محیطِ دیدۂ پرنم غریقم ساختی

زندگی تیری تھی دنیا میں کہ تھا راز خموش　　ہاں مگر بزمِ سخا تھی تیری پُر از ناؤ نوش
بعد مردن نیز بارت نے شدہ پیچ دوش　　ہمچو رنگِ گل عدم پیمائی از پروازِ ہوش

گرچہ فائز شد کسے کو بر درِ جودت گذشت
چوں چراغِ مفلساں عمرت بخاموشی گذشت

ای کہ تھا صبحِ دکن میں نور ساماں جلوہ ترا　　اور مہرِ صبحِ عشرت روئے پاکیزہ ترا
انجمِ اقبالِ دولت انجمن آرا ترا　　نورِ امیدِ غریباں صرف اک خندہ ترا

ٹوٹتا ہے آہ یہ تارِ امیدِ بے کساں
المدد اے خالقِ وحش و طیور و انس و جاں

ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

۹ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ کو انبہٹہ ضلع سہارنپور کے ایک سفر میں کسی دوکان پر ایک شعر آویزاں نظر پڑا جس کا ردیف قافیہ تھا "ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں" اس پر اُسی وقت ذیل کے چند اشعار موزوں ہو گئے۔

ہو مُوَ میاں سب اپنی جگہ　　اور قامتِ زیبا اپنی جگہ

اعضا کا تناسب اپنی جگہ　　پر آن نہیں تو کچھ بھی نہیں

صورت بھی ہو اور رنگ بھی ہو　　اور صاف بدن بے زنگ بھی ہو
پھر پیلتنی کا ڈھنگ بھی ہو　　پر جان نہیں تو کچھ بھی نہیں

گو عشق بھی ہو اور یار بھی ہو　　اور عشق دروں خود دار بھی ہو
پھر قرب بھی ہو دل دار بھی ہو　　ارمان نہیں تو کچھ بھی نہیں،

الفاظ بھی چست اور خوب سہی　　تقریر بھی سمع نواز سہی
پر اپنی درونی فطرت کا　　رُجحان نہیں تو کچھ بھی نہیں

طاعت اور ریاضت ہو　　اور سعی و عمل میں ہمت ہو
پھر محنت اور مشقت ہو　　عرفان نہیں تو کچھ بھی نہیں

تبلیغ و ہدایت نوح کی ہو　　اور کفر و بغاوت قوم کی ہو
پھر حجت تام خدا کی ہو　　طوفان نہیں تو کچھ بھی نہیں

سب جمع ہوں مصر کے بلوائی　　اُبھرا ہو نفاق اور خود رائی
ہوں خلع خلافت کے خواہی　　مروان نہیں تو کچھ بھی نہیں

جوہر ہوں شجاعت کے پنہاں — انداز بھی طاقت کے ہوں عیاں
ہتھیار بھی ہوں سب زیبِ میاں — ہیجان نہیں تو کچھ بھی نہیں

سامانِ ضیافت اعلیٰ ہو — سب نمکا میٹھا رکھا ہو
اور ناؤ نوش کا غوغا ہو — پر پان نہیں تو کچھ بھی نہیں

خودداری ہو خود کاری ہو — پھر قومی خدمتگاری ہو
ایثار کا چشمہ جاری ہو — ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

شکوۂ ایّام

محترمی اخوی منشی سید حسن احمد صاحب منگلوری مرحوم کی اسمبلی کے انتخابات سے ناکام واپسی پر یہ نظم لکھی گئی۔ باوجودیکہ فریق مخالف سید محمد ہاشم صاحبؒ کی نسبت ووٹ اُن کے بہت کافی اور زیادہ تھے مگر عین وقت پر حریف نے ایک قانونی سقم پیش کر دیا جس سے باوجود کثرت ووٹران، وقت کے وقت پہ وہ ناکام ہو گئے اور باصد حسرت و یاس واپس آئے۔ احقر منگلور میں بغرض علاج اُنہی کے مکان پر مقیم تھا، ان کی حسرت زدہ چال کو دیکھ کر حسبِ ذیل نظم لکھی جو منگلور کے گھر گھر میں بالخصوص فریق مخالف کے گھرانوں میں

بار بار پڑھی گئی۔

تقدیر کی ہے خوبی نہ شکوہ نہ کچھ گلا
سب کام ہو چکے تو میں ناکام رہ گیا

یوں تو بہت لنڈھائے تھے صہبا کے خم پہ خم
لیکن خمارِ بادۂ گلفام رہ گیا

راتوں کو جس سبق پہ رہی کاوشِ دماغ
حسرت کہ ناشنیدۂ ایام رہ گیا

وہ جلسۂ نشاط، تھی جس میں چہل پہل
اب صرف اک خرابۂ آلام رہ گیا

ہر خام نا امیدی مری ہو گئی قوی
منصوبۂ اُمید قوی خام رہ گیا

صد مے فراق کے سہے۔ دشمن کی سب سنی
قسمت کہ پھر ہی وصلِ دلآرام رہ گیا

ترکش میں تیر بھی نہ رہے اور کماں شکست
صیدِ غزالِ چشمِ سیہ فام رہ گیا

بزمِ سرورِ شب کی وہ سب خندہ سازیاں
بدلیں تو ایک گریۂ دشنام رہ گیا

مایہ گئی۔ شماتتِ ہمسایہ سر ہوئی
گھر بھی لٹایا اور میں بدنام رہ گیا

مقصد کے ذوق میں تھے گراں سب ہی عزیز
سر تو گیا مگر سرِ سرسام رہ گیا

گل اور شگوفے سارے رہینِ خزاں ہوئے
ہاں اک شگوفۂ بنی اعمام رہ گیا

کاندھے پہ دو نفوس کے کونسل کا تھا جُوا
ان میں جب اک گرا تو سفر خام رہ گیا

یا حَیُّ[1] ترے اک عبد کے ہے نام کا اثر
بے بس پڑا میں رہ گذرِ عام رہ گیا

کمیاب ہیں وہ دہر کی سب کامیابیاں
باندھا تھا جو خیال وہ سب خام رہ گیا

بیٹھے ہیں کف پہ کف دھرے سب محوِ بیخودی
چھلکی بھی ایسی۔ خالی پڑا جام رہ گیا

جلسہ کہ تھا وہ مجمعِ ارباب کیف و کم
میں کیا کہوں کہ مجمعِ اوہام رہ گیا

---

[1] اشارہ بہ قاضی عبدالحئی صاحب مرحوم۔

یاروں نے دم میں لی فلکِ کونسل کی آہ
اور میں اسیرِ گردشِ ایام رہ گیا

کونسل تیرے دماغ میں کڑے پڑیں ہزار
امید مٹ گئی دلِ ناکام رہ گیا

آغاز و وسط ذوقِ چشاں سبکو گو ہوئے
لیکن نمک چشیدنِ انجام رہ گیا

ہم تو ہیں صلح کل، ہمیں اس سے ہے کیا غرض
باکام ہے کوئی۔ کوئی ناکام رہ گیا

پر آپ کی یہ کوششیں ناکام جو رہیں
مجھ کو بھی یہ تو شکوۂ ایام رہ گیا

طے کی گئی تھیں کاغذی گھوڑے پہ منزلیں
دن بھر چلا اور آکے سرِ شام رہ گیا

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

۵ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ یوم چہار شنبہ (نعمت پور)

جبر و اختیار

دنیائے عمل میں یہ انساں، ہے جبری بھی اور قدری بھی
چوں مدِ حساب اس کی ہے مثل بے کار بھی ہے باکار بھی ہے
ہے زندگیٔ انساں بھی عجب، اضداد کا ایک مجموعہ ہے
معدوم بھی ہے موجود بھی ہے مجبور بھی ہے مختار بھی ہے

حیاۃ النبیؐ

مسئلہ حیاۃ النبیؐ میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا مسلک
اور آب حیات کا خلاصہ

جب موت بھی مُزیلِ حیات آپؐ کی نہیں
کہنا ہی کیا پھر آپ کی عینِ حیات کا
اصلِ حیات علم ہے اور علم آپؐ کا
مرکوز ذات میں ہے جو جوہر ہے ذات کا
پس ذات ہی خود آپ کی ہے آپ کی حیاۃ
ہے موت ایک عارضی پردہ حیات کا
یہ موت انتقال ہے تبدیلِ حال ہے
جو انبیاء کے واسطے افزوں کمال ہے

نعمتِ دوام

دھوپ، سورج، کسب، محنت، حرکتِ فکرِ معاش
دن ہی دن تک ان میں ہر اک ہمرہِ انسان ہے
چاند، تارے، شمع، شبنم، چاندنی، ہیجانِ غم
ان میں ہر اِک۔ ایک ہی اک رات کا مہمان ہے

لذتِ عصیاں، مسرّت، وصل اور حظِّ طعام
لطفِ یک ساعت ہے۔ اور پھر قصۂ نسیان ہے
برّ و تقویٰ، صوم و حج۔ فعلِ صلوٰۃ اور ہر عمل
حرکتِ آنی ہے اور پھر فوت یا فقدان ہے
پر مسلسل جو ہے قائم جس کو حاصل ہے دوام
جو ہے مثمر تا ابد وہ نعمتِ ایمان ہے

ہست و نیست

عالم ہمہ اضداد، شدہ ہست و شدہ نیست
در کون و فساد است بپا ہست و بپا نیست
چیزے کہ رسیدہ بعدم حکمِ بقا یافت
ہر عین دریں کون فنا ہست و فنا نیست
انسان خودی ہست، مگر ظلِّ خدا نیز
ایں نقشِ نمودار انا ہست و انا نیست
از مبدأ تخلیق۔ بشر جبری و قدری است
انسان سزاوارِ جزا ہست و جزا نیست
اوصافِ خدا آمدہ لا عین و لا غیر
چوں نور کہ از مہر جُدا ہست و جُدا نیست

از شاعرِ ایران

او ظاہر و ہم باطن، او شاہد و ہم غائب
این جلوۂ با خلوہ خفا ہست و خفا نیست

ہر قول و عمل آمدہ مأجور بہ نیت
ہر اسم عمل تحتِ رضا ہست و رضا نیست

ہر لمحہ دوراہست۔ پر از خیر و پر از شر
ہر خیر دریں دَیر روا ہست و روا نیست

کردیم ادا سجدہ ولے رُوح ندارد
این ست عبادت کہ ادا ہست و ادا نیست

ناکارہ ادا گر بقضا رفتہ ادا شد
این طور ادا طور قضا ہست و قضا نیست

ناکردہ عمل، آرزوئے ثمرہ اگر بست
این طفل تمنا ست رجا ہست و رجا نیست

ناساز دلے گر بزباں ساز نُماید
این سازشِ بے جان وفا ہست و وفا نیست

بر گردنِ اطفال گراں سختیٔ تادیب
این صورتِ تعذیب جفا ہست و جفا نیست

آفت کہ بپاداش عمل آمدہ در رفت
در قلبِ نظر باز بلا ہست و بلا نیست

پنہاں چو خورد جانِ حزیں را الم و غم

گر زیر علاج است دوا هست ودوا نیست
گونان بدستی مگر از راهِ حرام است
صد لقمه اگر هست غذا هست وغذا نیست
صحّت بفنا رفته چو دائر به دوا شد
از شرب دوا روئے شفا هست وشفا نیست
چون کسب عمل از رهِ ایمان نباشد
بر پیکرِ انسان جِلا هست و جِلا نیست
مذنب بهمه عیب چو بر عظمتِ حق مُرد
در نامه اش اعمال خلا هست وخلا نیست
ایمان کزُو نورِ عمل نامده بیرون
چون رُوحِ بلاجسم ضیا هست وضیا نیست
گر روئے عمل گرمئ ایمان نه دارد
چون جسم بلا روح بقا هست و بقا نیست
جگنوکه دُمش روشن ومحروم شعاع است
کِش گردشِ ماحول ضیا هست وضیا نیست
از نار بجنّت شده گر مؤمن فاسق
گو سوز طویل است سزا هست وسزا نیست
چون عرش کند سایه بکس روز قیامت
حقا که براو حشر بپا هست وبپا نیست

این شمس و قمر جن و بشر روح و ملک ہم
این کل ہمہ اظلال خدا ہست و خدا نیست

۴ ۱۲/۴۴ ۶
(قیام علی گڈھ بسلسلہ چشم سازی)

نوا سنج اَنا الحق

اے نوا سنجِ انا الحق ترا کہنا تھا بجا
پر نہیں پاسِ ادب عشق میں دعویٰ ہونا
ہے اَنا عشق میں اک رازِ درونِ پردہ
پر نہیں راز کا حق، راز کا افشا ہونا
عشق خود دار ہے خود رازِ درونِ عشاق
عشق کی خامی و رسوائی ہے لب وا ہونا
شور برپا نہو ہر ایک بلا ہو برسر
یاں ہے برسر ہی ہنر عیب ہے برپا ہونا
اپنے آپے میں خودی ہو تو خودی ہے ورنہ
اپنے آپے سے گذرنا ہی ہے رسوا ہونا
غیرتِ عشق ہے اسرارِ خودی ہوں خاموش
نہ کہ اسرارِ خدا تک سے بھی گویا ہونا

دیکھ کر مہر کو اپنے میں نظر آئے جو مہر
یہ نظر ہی نہیں آنکھوں کا ہے خیرا ہونا
ہو اَنَا مونہہ میں تو اَنْتَ کی صدا کا کیا مونھ
ہے اَنَا ہی کا فنا مونھ کا مُدّاوا ہونا
نعرہ سنجیٔ اناحق سہی لیکن پھر بھی
شرطِ انصاف ہے انصاف سے گویا ہونا
ہے اناحُسنِ نوا بحر بقطرہ ہو اگر
پر نہیں اس کا محل قطرہ بدریا ہونا

تبریک و تہنیتِ حج

محترم جناب حاجی محمد شریف صاحب مالک پٹرول پمپ لکھنؤ، اور
ان کی اہلیہ محترمہ کی ۸۵ھ کے حج سے واپسی پر۔

شکرِ ایزد شریف اور شکیل — حج کی دولت سے سرفراز ہوئے
کہہ کے لبیک جذبۂ دل سے — عازمِ کوچۂ حجاز ہوئے
اُڑ کے پہونچے سوئے حرم عشاق — فاش عشقِ دروں کے راز ہوئے
لے اڑی ہے ہوائے شوق نیاز — محوِ طوفِ حریمِ ناز ہوئے

ع ہوائی جہاز سے سفر کیا تھا۔

مُحرِم ہوتے ہی بن گئے مَحرَم
در خدا کے حرم کے باز ہوئے
کعبۂ دل سے آملا کعبہ
رازدانِ رموزِ راز ہوئے
دل کھلا اور کھُلا درِ کعبہ
محرمِ سترِ بزمِ راز ہوئے
تم سراپا وہاں نیاز ہوئے
ہم یہاں محوِ فخر و ناز ہوئے
ناز کرتے ہیں اُن پہ ارض و سما
جو وہاں پیکرِ نیاز ہوئے

مسل منظوم

مولانا بشیر احمد خاں صاحب مرحوم مدرس ہیئت و ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے بعض خاص حدود میں سنہ شمسی رائج کرنے کے لیۓ دفتر اہتمام کو مشورہ دیا احقر نے یہ مشورہ رائے زنی کے لیۓ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدرس تفسیر دارالعلوم دیوبند (وحال شیخ التفسیر جامعۂ اشرفیہ لاہور) کے پاس بھیجدیا، انھوں نے نظم ذیل سے ناظم صاحب تعلیمات کو خطاب فرمایا۔

"سنِ شمسی سنّ اربابِ جفا"

السلام اے واقفِ سرِ نجوم
ناظمِ تعلیم در دارالعلوم
من ندانم جنوریؔ و فروری
ہیں بگو با ما سنِ پیغمبری
ایں حسابے ہست از نصرانیاں
اہلِ دیں دانند ایں را مُستہاں
از ہلال واز قمر میقاتِ ما
نے ز شمس و دور او تاریخ ما

حکم او فرض کفایہ در شرع ترک کُلی ہست نے بشبہ منع
روزہ وحج وزکوٰۃ آں معتبر کہ بباید بر حساب ایں قمر
اُمۃٌ اُمیّۃٌ مارا لقب در سن وتاریخ آمد ایں ادب
سنِ ہجری سنِ ارباب صفا سَنِ شمسی سنِ اصحاب جفا
ماہمہ خدامِ دینِ مصطفٰے وارثانِ انبیاءِ باصفا
ماہمہ مرغابیانِ بحرِ علم زندہ از آبِ حیاتِ علم وحلم
روح از ما خمرِ رمضاں گشت مست بے خبر از جون وجولائی اگست
از محرم نقشہ باید از ربیع ایں ستم بر از سرِ ما اے رفیع
غرّۂ شوال سالِ جنت است زاں سبب ایں مبدأ تعلیم گشت
در حدیث مصطفٰے آمد چنیں بیہقی تخریج کردہ نجمِ دیں
برلبِ من خود بخود آمد سخن از تلطف لطف ومعذاری بکن
گفتگوئے طالباں در کار رب جوششِ علم است نے ترکِ ادب
والسلام اے ناظمِ تعلیم ما یصلح اللہ لنا اعمالنا

آمین یا رب العالمین

بندۂ ناچیز محمد ادریس غفر اللہ
خادم طلبہ دارالعلوم دیوبند ۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ

بہ جواب اصل مجوزِ سن جدید مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ کے پاس بھیجا گیا۔ تو ممدوح نے اس کا جواب اُردو نظم میں دیا جو درجِ ذیل ہے:۔

آیات لاولی الالباب

من شواھد اُمّ الکتاب

السلام اے شاعرِ عالی مقام
السلام اے شاعرِ دارالعلوم
السلام اے شاعرِ خستہ جگر
السلام اے شاعرِ حکمت مآب
السلام اے عاشقِ راہ ھُدیٰ
السلام اے شیخ تفسیر قرآں
السلام اے شاعرِ والانکات
جنوری و فروری سے بے خبر
ایک مدت سے ضرورت اس کی تھی
جس میں ہوں اوقاتِ تعلیمی چھپے
تاکہ ہر ہر ماہ کچھ دقّت نہ ہو
اور قمری ماہ سے عالی جناب
آپ اس نقشے کو رکھ کر سامنے
کب کہی ہے آپ سے میں نے یہ بات
میں نہیں ہوں مدعی اس کا حضور

السلام اے شاعرِ ذوالاحترام
السلام اے ناظرِ سرِّ نجوم
السلام اے شاعرِ بالغ نظر
السلام اے واقفِ اُم الکتاب
السلام اے راہِ حق کے رہ نما
اے فقیہہ و مجتہد اے نکتہ داں
من ندانم فاعلاتن فاعلات
اس غلو سے چاہیئے کرنا حذر
ہو مرتب ایسا نقشہ دائمی
ہر مہینے اور ہر ہر کام کے
محنتِ بے کار کی کلفت نہ ہو
ہو نہیں سکتا تھا نقشہ کامیاب
سنِّ ہجری خود بخود لکھ لیجیئے
کیجیئے اپریل میں حج و زکوٰۃ
مارچ ہی میں روزہ رکھیئے بالضرور

کب میں یہ ترغیب دیتا ہوں جناب
کیجیے جولائی سے آغازِ نصاب

جنوری میں جو بھی شوال آئے گا
سالِ جنت کیا نہ ہوگا وہ بھلا

اور اگر رمضاں ہو در ماہِ اگست
خیر رمضاں سے نہ ہوں گے آپ مست؟

ہم اگر ہیں خادمانِ مصطفیٰ!
ہر جگہ سے علم و حکمت لیں اُڑا

اور جو ہیں کوتاہ بینی کے شکار
اُن کا دعویٰ دعوئے بے اعتبار

خادمانِ مصطفیٰ نے بے ملال
ہر سمندر سے لیئے موتی نکال

تنگ نظری اس قدر اچھی نہیں
جس سے اہلِ علم ہوں چیں برجبیں

آپ نے کس طرح سے یہ لکھ دیا
سنِ شمسی سنِ اصحابِ جفا

سوچیئے قبل از جنابِ مصطفیٰ
سنِ شمسی کس جگہ رائج نہ تھا

انبیاء و اولیا اس وقت کے
آپ کی ناوک کی زد میں آگئے

کر رہا ہے خود ہی قائم کارساز
شمس کے سایہ سے اوقاتِ نماز

حکم جعل الشمس ہے واضح جناب
کفر کب ہے شمس سے لینا حساب

روزہ کے اوقات و افطار و سحور
شمس کے تابع ہیں بالکل اے حضور

سنیئے حضرت آپ یہ حکمِ خدا
ہے محو نا آیۃ اللیل بجا

پھر جعلنا کی بھی آیت دیکھیئے
کس طرح شاہد ہے دعویٰ پر مرے

اور ثلاث مائۃ ہے اے عقیل
سال شمسی اور قمری کی دلیل!

والسلام اے صاحبِ فہم و ذکاء
زادنا اللہ لنا افہما منا

غور فرمائیں یہ خود دل میں حضور
کیا کہیں گے آپ سے یوم النشور

حضرت ادریس دریائے علوم
بانیٔ علم الحساب علم النجوم

جس طرح ادریس خود عجمی ہے نام　　جون و جولائی میں پھر ہو کیا کلام

بشیر احمد غفرلہ ۲۲ ۵/۶۶ھ

اس جواب کے پہونچنے پر احقر نے ان دونوں بزرگوں کے دعاوی پر ذیل کی فارسی نظم میں محاکمہ کیا جو درج ذیل ہے اور بحث ختم ہو گئی۔

الکلام المنیر

فی التوفیق

بین کلامی ادریس وبشیر

ایں کلامِ دو فقیہہ اُمت است　　بحث ہر دو اختلافِ رحمت ست

ہر یکے از یک مقامے شد عیاں　　آں مقامے کو بدل دارد نہاں

اینش طالع از مقامِ عشق شد　　وانش طالع از مقامِ عقل شد

یک طلوعے از جلالِ آفتاب　　یک طلوعے از جمالِ ماہتاب

از یکے شانِ بشیری شد عیاں　　در دگر شانِ نذیری درمیاں

نظم اول مشتمل بر حال شد　　نظمِ ثانی طورِ استدلال شد

نظم اول مشتمل بر الفت است　　نظمِ ثانی مشتمل بر حجۃ است

ہیچ تنگی نظمِ اول را مبیں　　جوششِ تقوی است نے فتوی است ایں

ہست مبنی بر کمالِ احتیاط　　علم باریک است چوں سُمّ الخیاط

منشأ ایں جوشِ عشقِ مفرط است نے ز فورِ رائے عقل و فکرت ست
جوشش عشقست نے ترکِ ادب ایں ہم اندر عاشقی از امرِ رب
نظمِ ثانی را مخواں جور و جفاست کایں ہمہ گبریّ شرعِ مصطفےٰ ست
منشاء او عقل و تنقیحِ حدود از کلامِ پاک علام وَدُود
حفظِ دیں را رُو رعایت کار نیست ایں مقامے جائے ننگ و عار نیست
چوں کہ مفہوم کتاب از عقل بود غلبۂ مستی و عشقے در ربود
عقل در ترکیب و تحلیل زمیاں عشق ایں کل را فنا دارد نہاں
آں کہ بود اد رلیں درسِ عشق داد واں بشیرے پائے عقل اندر نہاد
قولِ پیغمبر یکے را حرزِ جاں جوش لا نحسب ولا نکتب دراں
واں ز اعداد سنیں از الکتاب زمزمہ سنج حساب و ہم کتاب
از یکے پیدا است جاں افراختن واں دگر شیدائے سنداں باختن
از دلِ یک۔ نورِ تقوی منتشر بر رُخِ یک منوہ فتویٰ مستمر
گوئیا آدابِ دانان دیگر اند سوختہ جانان او انان دیگر اند
ہر یکے از یک مقامے شد طلوع آبِ ہر یک راز جائے شد ینبوع
نے کلام شاں منافاۃ و تضاد مشتمل ہر نظم بر یک یک مفاد
ہر یکے یک علم غامض را امام لازم آمد اقتدا شاں بر انام
آں حسابے دارد از نورِ قمر واں کتابے دارد از ظلِّ خُوَر
مہر در طاعاتِ یومی قد والیست ماہ در طاعات شہری زبدہ الیست
ایں مبارک نقشۂ طاعات روز لاجرم از شمس آمد جاں فروز

نیست در وے نفی حسبانِ قمر — چوں نباشد روز ضدِّ سال و شہر
مُثبتِ ایں نافیٔ غیرے نشد — نافیٔ اُو مثبت دیگر نشد
ہر یکے در حدِ خود خیزاں رواں — راہِ خود پیما و اُفتاں و دواں
ایں تعدُّد ہست حدے بیش نیست — ایں تبدُّد یا تضادے پیش نیست
حسنِ ظن با ہر دو ایں پیشہ بکن — از تنافی ہیچ اندیشہ مکن
ہر دو مضموں از کتاب و سنّت است — اختلافش اختلافِ رحمت است
حاشا للہ نے خلافِ فرقت است — بلکہ محض اختلاف صورۃ است
اختلاف شکل و صورت حکمت است — اختلاف لفظ و عنواں وسعت است
اتحادِ اصل چوں باشد بجا — اختلافِ فرع می باشد روا
رونقِ تکوینِ صوری اختلاف — زینتِ تشریعِ فرعی اختلاف
زانکہ اصلش حق و صدق آمد ہمہ — اصلِ کثرت وحدۃ آمد از ہمہ
اختلافِ بینِ ادریس و بشیر — منشأش علمے است حقّ و بے نظیر
اصل آں آمد مبارک بندۂ — اصل و فرع آمد ہمہ فرخندۂ
چوں مبارک بود اصلِ اختلاف — علم حق زائید ازو بے اعتساف
نظمِ شمسی نظمِ قمری باز شد — ہر یکے از ہیئتش ہمراز شد
جلوہ ریزی ایں دو شاہانِ فلک — بر زمیں شد از فلک اندر فلک
از کتاب و سنتِ صاحب کتاب — گشت واضح بے حساب و بے کتاب
چہ حسابے! کاں حساب اندر کتاب — چہ کتابے آمد از حق لاجواب
طاعتِ یومی ز سنت از خور — طاعتِ شہری ز قرآں از قمر

ہر یکے دارد حساب وہم کتاب — گر ولیکن باید از شاں رو متاب

قولِ فیصل درمیان ایں دو سخن — گوشِ دار واز سخن لا فے مزن

سالِ قمری اصل آمد از کتاب — سالِ شمسی عارض آمد از حساب

یک عزیمت دوم رخصت آمدہ — عزم و رخصت ہر دو طاعت آمدہ

چونکہ ایں من عند غیر اللہ نیست — پس ملامت بر کسے واللہ نیست

ربنا اتمم لنا اُنوارنا — ربنا طہّر لنا اسرارنا

ربنا کمّل لنا افہامنا — ربنا ہذّب لنا اَخلاقنا

زکّنا یا ربنا من سِرّنا — ربنا وفّق لنا من بِرّنا

تام شد مقصد دِگر طولِ کلام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

محمّد طیّب غفرلہ

۲۳ ۵/۶۶ ھ

موعظت و ذکریٰ

بہ ظلمتے کہ ز ظلمِ جہانیاں برپاست — بیا ز عدل بگیتی چراغِ نُور نہیم

ہوائے دہر عفونت فزائے باطن شد — بدل ز آتشِ عشق نہاں بخور نہیم

غرورِ سر چو برا فگندہ می برد سرہا — بزیر پائے مذلّت سرِ غُرور نہیم

بشوقِ جلوہ کہ از سوزِ جان بسا زاید — بساحتِ دلِ رنجور کوہِ طُور نہیم

اگر بجلوہ حجاب ست لُعبتِ دنیا — عروسیش بسرِ مردمِ کفور نہیم

ہمیں کہ جیفۂ ناپاک زالِ دنیا ہست — پے حصول نہ شاید کہ مکر وزور نہیم

ہماں بوصف دگر کشت زارِ عقبیٰ ہست — بکشت کار بدل آب وحیِ نور نہیم

امانتے کہ تہِ ظلم وجہل مستور است — بفرق ہر دو حجاب اخگرِ شعور نہیم

امانت آں کہ بانساں زمینِ ایمانست — زجوہرش بہ عمل صورتِ ظہور نہیم

خودی حجابِ خدا است از خدائے شاہد وغیب — قسم بماست کہ خود را زخویش دور نہیم

خودی چو رفت خدا آمد از خفا بشہود — دہد چو دست فنا نعرۂ سرور نہیم

بچشم خلوتیاں دیدنش کہ سر دارد — جبیں جبیں بسرِ چشم چشم حور نہیم

سیاہیٔ دل عاصی محیط جان شدہ — نگاہِ شرم بدامانیٔ غفور نہیم

سزد محاسبہ از خود زپیش یوم حساب — نہ آنکہ چشم باوقات نفخ صور نہیم

جُز اعتراف نیاید بہ پیشِ داورِ حشر — نگہ بعفو کناں نامۂ قصور نہیم

بناء قصر ومنازل چو کارِ امروز است — سزد کہ زیرِ نظر فتنۂ قبور نہیم

جمالِ فکر کہ مستور بود در باطن

خوشا دمے ست کہ برعرصۂ ظہور نہیم

تہنیتِ نکاح

شادی خانہ آبادی عزیز سعید مولوی صلاح الدین ناصر سلمہٗ

رام پوری ابن حضرت مولانا حکیم احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بعزیزۂ سعادۃ نشان مسعودہ بیگم سلمہا بنت مولانا حکیم محمد مسعود صاحب قدوسی گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

ناصر تجھے نصرتِ خدا سے — شادی کا یہ ارمغاں مبارک
ماں باپ کی زیرِ سرپرستی — سعدین کا یہ قِراں مبارک
سنت کے عمل کے زیرِ سایہ — ہو پیروئ قرآں مبارک
جوڑی یہ ازل ہی سے بندھی تھی — روحوں کا یہ اقتراں مبارک
تبریکِ اعزہ و بزرگاں — ناصر کو ہر زماں مبارک
دنیا میں نکاح نصفِ دیں ہے — ہو نصف یہ حرزِ جاں مبارک
رنگینئ دہر کے چمن میں — تقویٰ کا یہ پاسباں مبارک
دولہا پہ ہُما ہے سایہ افگن — طالع کی بلندیاں مبارک
تن پر ہے عمل کا نور روشن — دل میں ہے ضیا نہاں مبارک
ظاہر ہے بقدرِ حسنِ باطن — خوبی کو ہو آشیاں مبارک
زیبائش قامت و بدن میں — رعنائیِ حسنِ جاں مبارک
اعمال کی صورتِ حسن میں — ایماں کی جھلکیاں مبارک
صالح ہے زخود اور ابنِ صالح — نسبت کی بلند شاں مبارک
آبا سے ہے علم و فضل میراث — یہ نسبتِ خانداں مبارک
آثارِ صلاح دیں بنا صیہ — چوں مہرِ ضیا فشاں مبارک
اخلاقِ نکو کا پیکرِ صدق — یک طرف ستودہ شاں مبارک
نسبت ہے تجھے ضیاء[ع۵] دیں سے — جن کا تھا علوِّ شاں مبارک

(ع۵ حاشیہ صفحہ ۱۶۱ پر دیکھیے)

ضامنؔ[1] ہیں ترے شہیدِ کامل — کیا ان کی تھی داستاں مبارک
فرد است بفاضلانِ دیوبند — ایں نسبتِ عالماں مبارک
ہے ایک سے ایک بڑھ کے نسبت — نسبت کی بلندیاں مبارک
سہرا ہے جبیں پہ علمِ دیں کا — رسموں سے غنا کی شاں مبارک
نوشہ سے نہیں دلہن بھی کچھ کم — ہے اُس کی بھی آن باں مبارک
دُلہن ہے تو طیبات سے ہے — نوعیتِ طیباں مبارک
مسعودۂ نیک بنتِ مسعود — ہے سعد نشاں یہ شاں مبارک
دلبند روانِ قطبِ گنگوہ — قدوسی نسب کی شاں مبارک
لختِ جگرِ ابی حنیفہؒ[2] — ہو فقہ کا دودماں مبارک
شاہانِ[3] یمن کی نوشہ اولاد — دیں در حکم یماں مبارک

ھ (متعلقہ ص۱۶۰) اشارہ بہ حضرت اقدس حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ رامپوری خلیفۂ ارشد حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ قدس سرہٗ جو دولہا کے دادا ہوتے ہیں

ھ۱ (متعلقہ صفحہ ہٰذا) اشارہ بہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ جو جہادِ شاملی کے امام تھے اور اسی میں جامِ شہادت نوش فرمایا، جو دولہا کے دوسری پشت میں نانا ہوتے ہیں۔ ھ۲ دلہن حضرت قطبِ عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کی اولاد ہے جن کا نسب حضرت امام ابی حنیفہؒ سے ہوتا ہوا شاہانِ فارس پر منتہی ہوتا ہے۔ ھ۳ دولہا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے جن کا نسب تبابعِ یمن یعنی شاہانِ یمن پر منتہی ہوتا ہے۔

شاہانِ قُدس دلہن کے اجداد — شوکت کے اُسے نشاں مبارک
خونِ عرب و عجم کا سنگم، — انساب کا گلستاں مبارک
شاہی و فقیری جمع باہم — نسبت کے یہ جسم و جاں مبارک
تبریک کا سخن ہے مالی — جس کی ہیں یہ کھیتیاں مبارک
ہیں اُس کی ہی تربیت کے آثار — جس سے ہے یہ بوستاں مبارک
مالی ہے باسم و رسم طیبؔ[۵] — جس سے ہے چمن کی شان مبارک
باراں ہے۔ بہار ہے۔ چمن ہے — پھولوں کی ہیں شوخیاں مبارک
ہیں پھول مودتوں کے مہکے — مالی تجھے گلستاں مبارک
بلبل کے ہیں چہچہے سرِ گل — الفت کی یہ داستاں مبارک
پودے ترے بیر پہ کھڑے ہیں — یہ دن تجھے باغباں مبارک
محنت تری لگ گئی ٹھکانے — تقدیر ہے کامراں مبارک
تقدیر تری عروج پر ہے — گلشن کا تجھے سماں مبارک
دولہا ہے چمن کا پاک بلبل — گل کے لیئے نغمہ خواں مبارک
گل اپنے بھرے نکھار پر ہے — بلبل کو ہو آشیاں مبارک
بلبل ہے تلاشِ گل میں پرّاں — فطرت کی اُسے ہو شاں مبارک
دہلی سے فضا پہ بمبئی تک — خوشیوں کا بھرا سماں مبارک
بلبل ہیں ہوائے شوق پیوست — گل نازسے ہمعناں مبارک

---

[۵] والد بزرگوار عزیز ناصر سلمہٗ۔

بلبل کی نوا ہے عشق والفت — گل کو ہو یہ نغمہ خواں مبارک
بلبل کو بایں رفاقتِ گل — مالی کا ہو آستاں مبارک
گلشن گل و بلبل اور مالی — ہوں سارے بعزوشاں مبارک
ہے حسنِ تمام وعشقِ صادق — گنجینۂ بے کراں مبارک
بونٹے پہ ہمیشہ با ثمر ہوں — بیلوں کی منڈھے پہ شاں مبارک
عامر ہوں بعمرِ جاودانی — سرسبز ہوں، شاداں مبارک
منصور بہ ناصرِ حقیقی! — نصرت کا اُنھیں سماں مبارک
پودوں کا بندھا یہ پاک پیوند — ثمرہ سے ہو ہم عناں مبارک
اک گل سے ہزار گل ہوں پیدا — ہر گل پہ ہزار شاں مبارک
گل ریز بنیں گلوں کے پودے — گل چیں کو ہو گلستاں مبارک
دولہا کو، دولہن کو اقربا کو — شادی کا علوِّ شاں مبارک
زوجین رہیں ہمیشہ دل شاد — ہو عیش بہ دوجہاں مبارک

---

۵ ۵/۸۶ ھ مطابق ۲۲ ۵/۶۶ ع
بروز دوشنبہ۔

انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

(آج کی حالت بہ تلمیح گل و گلستاں)

ہر پھل کے پیٹ میں کیڑے ہیں — ہر پھول سے بھنگے لپٹے ہیں
ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے — انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

ہر پتّہ سوکھ کے کانٹا ہے — ہر کانٹا تیر اور برچھا ہے
ہر نوکِ شگوفہ نیزہ ہے — انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

ہر نہر کا آب سراب ہوا — ہر پانی شبنمِ حباب ہوا
ہر شاخ کا ختم شباب ہوا — انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

ہر کیاری آتشِ سوزاں ہے — ہر پیڑی شعلہ بداماں ہے
ہر جدول آگ کا طوفاں ہے — انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

مالی میں کچھ جان نہیں ہے — ہالی میں ایمان نہیں ہے
درد و دنکا درمان نہیں ہے — انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

دریا خشک اور نہریں خشک — گولیں خشک اور نالی خشک
مالی کیا اک لاش ہے خشک
انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

(ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ)

آنکھ کی کہانی

پیش لفظ

از محمد اسلم رمزی قاسمی

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی مہتمم دار العلوم دیوبند کی دائیں آنکھ کا آپریشن گاندھی آئی ہسپتال علی گڈھ میں ۱۹ر جنوری ۱۹۶۳ء کو ہوا تھا۔ اسی ہسپتال میں دو سال بعد ۱۹ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو حضرت مدظلہٗ کی بائیں آنکھ کا آپریشن ہوا۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق آپریشن کے بعد ابتدائی دو ہفتے آنکھ کو مکمل سکون و آرام دینا ضروری ہے چنانچہ حضرت مدظلہٗ کو بھی آپریشن کے بعد ابتدائی ایام میں ڈاکٹر کی طرف سے مکمل آرام کی ہدایت کی گئی جس میں اُٹھنا، بیٹھنا، لکھنا، پڑھنا، حتیٰ کہ زیادہ بات چیت کرنے کی بھی ممانعت تھی۔ گذشتہ آپریشن کے موقعہ پر بھی حضرت مدظلہٗ نے ڈھائی سو اشعار کی ایک طویل نظم ہسپتال میں بستر آپریشن پر لیٹے لیٹے موزوں فرمائی جس میں آنکھ کے سلسلہ کے بہت سے حقائق اور آپریشن کی جملہ کیفیات بلیغ انداز میں بیان فرمائی گئی ہیں۔

علاوہ اپنے علوم و معارف اور بلند پایہ مضامین کے یہ کتاب شاعرانہ حیثیت سے بھی باذوق طبقہ میں بے حد مقبول ہوئی اور ہندو پاکستان کے اردو داں طبقہ نے خطوط کے ذریعہ اپنی پسندیدگی اور تاثرات کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک خط مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی جیسے نقاد

.... اور صاحبِ طرز نے حضرت مصنف کو تحریر فرمایا جس سے موصوف کے صحیح جذبات کی ترجمانی بھی ہوتی ہے اور ارباب سخن کے حلقوں میں حضرت مدظلہٗ کی اس منظوم کاوش کا مقام بھی متعین ہوجاتا ہے، مولانا دریابادی اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت محترم، السلام علیکم!

"آنکھ کی کہانی"، آں محترم کا عطیہ، یہاں آتے ہی پڑھ ڈالی، سبحان اللہ، ماشاء اللہ! مجھے علم نہ تھا کہ آپ کو شعر و نظم پر بھی اس درجہ قدرت حاصل ہے، ذٰلک فضل اللہ۔

کیا کیا قافیئے نکالے ہیں، کیسے کیسے مضمون باندھے ہیں کہ پیشہ ور شاعروں کے بھی چھکے چھوٹ جائیں، نہ کہیں جھول، نہ اتنی طویل نظم میں کہیں آورد، بس آمد ہی آمد، خوش دماغ تو بحیثیت ایک سچے قاسم زادہ کے آپ تھے ہی، اب معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ خوش فکر بھی اُسی درجہ میں ہیں۔ ماشاء اللہ"

دعاگو، و دعاجو

عبدالماجد ۵ ار دسمبر ۱۹۶۴ء

دوسرا خط عالی جناب مسٹر افضل اقبال ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان برائے ہند (نئی دہلی) نے اس نظم کو پڑھنے کے بعد بے ساختہ طریق پر اپنے مکتوب میں ظاہر کیئے ہیں۔ خط کے الفاظ اقبال صاحب کی سخندانی پر دال ہیں:۔

"شعر کی سادگی، تخیل کی پرواز اور خلوص کی بہتات تمام ایسی

خوبیاں ہیں جو آپ کی ذات سے نہایت آسانی سے منسوب ہوگئی ہیں
آپ کی روحانی عظمت کا تو کون قائل نہیں، یہ مثنوی آپ کے ملکۂ
شاعری کا لوہا ہم جیسے کافروں سے بھی منواتی ہے۔ بہت ظلم ہوگا
اگر آپ اپنے مشاغل میں صنف شعر کی طرف توجہ نہ دے سکیں، اس
ملک (ہندوستان) میں جہاں اسلام کو آپ کی ذات برکات
سے تقویت پہنچتی ہے وہاں اُردو بھی منت پذیر شانہ ہے۔"

بہرحال ہندو پاک کے اربابِ ذوق نے اس نظم کے بارے میں کافی دلچسپی اور اپنے بہترین تأثرات کا اظہار کیا، جس سے "آنکھ کی کہانی" علمی حلقوں میں زبان زد ہوگئی۔

یہ تصور بھی نہیں تھا کہ حضرت ممدوح کی بائیں آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں کوئی نظم موزوں ہوجائے گی، کیونکہ آپریشن کے حالات تقریباً سب وہی تھے جو سابق میں پیش آچکے تھے اور بدیل نظم ادا بھی کیے جاچکے تھے، لیکن حضرت مدظلہٗ کی طبع رسا اور فطری ذہن و ذکاء نے نہ صرف یہ کہ دوسرے آپریشن کے سلسلہ میں ایک فصیح و بلیغ نظم پیش کی بلکہ ندرتِ بیان اور تخلیق مضامین کے ساتھ تعدادِ اشعار بھی دوگنی کے قریب ہوگئی۔

اس دوسری نظم میں بسلسلۂ آپریشن عنوان بیان شکوہ اور جواب شکوہ رکھا گیا ہے، بائیں آنکھ دائیں آنکھ سے شکوہ کناں ہے کہ دونوں آنکھوں کی طبعی مساوات کے باوجود یہ کیسا انصاف ہے کہ دائیں

آنکھ تو صحیح و توانا ہو اور بائیں آنکھ بیمار ہو کر رہ جائے۔ بائیں آنکھ اپنے اس مطالبہ یا شکوہ پر عجیب و غریب دلائل پیش کرتی ہے جو تکوینی، تشریعی فلسفی عقلی، ذاتی اور وجدانی حجتوں پر مشتمل ہیں۔

دائیں آنکھ اولاً مثبت انداز میں جواب شکوہ پیش کرتی ہے اور پھر بطور تسلیم مطالبہ بائیں آنکھ کے بننے کی تائید حتی کہ اس کی ضرورت و عجلت کی خود بھی طالب بن گئی ہے۔ دونوں آنکھوں کی مساوات کے نہایت ہی عجیب و غریب شواہد و مظاہر پیش کیے گئے ہیں جو مطالعہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آخر میں آپریشن کے سلسلہ کے واقعات کا خلاصہ سات ابواب میں کر کے گویا آپریشن کے فن اور طریقِ کار کا ملخّص پیش کیا گیا ہے۔

سب سے زیادہ دل چسپ اور پُر تاثیر حمد و نعت اور شکرِ الٰہی کے ذیل میں پیش کردہ علوم و معارف جو اپنی ندرت اور اندازِ بیان کے لحاظ سے بالکل اچھوتے ہیں بیان کر کے، اسی ذیل میں نورِ نبوت کا فیضان واضح کرتے ہوئے اربابِ قلوب کے قلبی مقامات کی تفصیل اور ان کے اصطلاحی عنوانات کو نہایت پاکیزہ تعبیر سے ادا کیا گیا ہے۔ پھر آنکھ کے کامیابی کے ساتھ بن جانے پر شکرِ خداوندی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی جو اصولی انواع و امثال بیان کی گئی ہیں وہ حضرت مدظلہٗ کے عمیق علم اور بلند تر پروازِ تخیل کی عکّاس ہیں، ساتھ ہی شکر اور ادائے شکر کی حقیقت عجیب و غریب عارفانہ انداز سے بیان کی گئی ہے۔ آخر نظم میں

حضرت مدظلہٗ نے دیوبند اور علی گڈھ کی افادی عظمتوں سے پردہ اٹھا کر ان کے مقاصد کے باہمی فرق اور ان کے باہمی ربط پر روشنی ڈالی ہے۔ نظم کے بہت سے اشعار آیات واحادیث کے اقتباسات پر مشتمل ہیں جن کی نشاں دہی خود حضرت مصنف مدظلہٗ کی جانب سے حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

اس بارے میں انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت مدظلہٗ جیسی شخصیت جو شعر و شاعری کا مستقل مشغلہ بھی نہیں رکھتے۔ طبیعت پر اس ذوق کا غلبہ بھی نہیں، اور کوئی ایسا فارغ وقت بھی نہیں۔ لیکن بایں ہمہ حضرت مدظلہٗ کے سات سو اشعار کی دو نظمیں ایک ہی قافیہ کی پابندی کے ساتھ اور بحالتِ بیماری و پابستگی موزوں کر دینا حیرت انگیز ہے۔ یہ نظم شاعرانہ حیثیت سے زیادہ عارفانہ اور متکلمانہ حقائق کی ایک بے نظیر مثنوی ہے۔

اس سلسلہ کا یہ بھی ایک لطیفہ ہے جسے اس نظم کا ایک مقدمہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ممدوح نے ہسپتال میں داخل ہوتے ہی وہاں کے حسبِ حال ایک قطعہ موزوں فرمایا جسے پیش کر دیا جانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

بیمار بن کے جاتے ہیں ہر ہسپتال میں ۔۔۔ آتے ہیں اس سے ہو کے توانا و باتواں
آنکھوں کا ہسپتال عجب ہسپتال ہے ۔۔۔ جاتے ہیں تندرست اور آتے ہیں ناتواں

محمد اسلم رمزی قاسمی (فاضل دیوبند)
(ابن حکیم الاسلام مدظلہٗ العالی ۱۰/۶۵ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آنکھ کی کہانی

مُقَدَّمَہ

حمد و نعت

مستحق حمد و ثنا کا ہے خدائے وہاب
جس نے دی آنکھ ہمیں آنکھ کو دی نور سے آب

کھول دی چشمِ بصارت بجمالِ ظاہر
جس سے ممتاز نگاہوں میں ہیں خواب اور خراب

دل کو دی چشمِ بصیرت بکمالِ باطن
جس کی رو سے متمیز ہیں خطا اور ثواب

ساری تعریفیں ہیں اُس ربِّ دو عالم کیلئے
جس نے بینائی کی آنکھوں میں ہے رکھی تب و تاب

نعت و توصیف ہے اُس ذاتِ مقدس کیلئے
دل کی بند آنکھ کے جس ذات نے کھولے ابواب

ختم جس ذات پہ ہے عینِ نبوّۃ کا کمال
خوشہ چیں جن کے ہیں انسان و ملک اور دوّاب[1]

خُلق ہے ان کا تصدّق تو ہے خُلقِ اُنکا کمال
آنکھ ہو گر تو یہی علم و عمل کی ہیں شعاب[2]

مدح و ثنار

مدحِ اعلیٰ کے ہیں حقدار وہ اصحابِ نبی
عقل کو آنکھ ملی جن سے بآیاتِ کتاب

جو ہیں اُمت کے لیئے علم و عمل کا معیار
راہ بینا کی ہے۔ اُن ہی کے رسوم و آداب

چشمِ دانش کا رتوندہ ہے جہالت کا ہجوم
سرمۂ عقل ہے خاکِ کفِ پائے اصحابؓ

---

[1] زمین پر چلنے والے ۱۲ [2] گھاٹیاں ۱۲

پھر سزاوارِ ثنا ہیں وہ سب اربابِ کمال
جن کی آنکھوں کے ہے آثار کی سب تابش و آب

آنکھ اُن کی تھی، نظر اُن کی، بصیرت اُنکی
اُن کے آثار سے روشن ہیں بیوت و ابواب

آنکھ ہی لے کے سب آئے ہیں یہ اربابِ قلوب
آنکھ ہی سے ہے جہاں، ورنہ جہاں کیسے آب

آنکھ کی اہمیت

آنکھ دروازۂ دل، دل ہے چراغِ محفل
دل سے روشن ہی جہاں، آنکھ ہی دل کے ابواب

دیدِ ظاہر کا عمل، بینشِ باطن کا سبب
آنکھ ہی سِرّ و عیاں کی ہے ہمہ رونق و آب

عرشِ دل کیلئے ہے آنکھ مثالِ کرسی[1]
زینۂ عرش ہے، جس سے ہے کھلا عرش کا باب

آنکھ ہے دل کیلئے کیف کی خاموش زبان
تذکرہ آنکھ کا ہے۔ دل کی کہانی کی کتاب

آنکھ کی افادیت

چشمِ بینا کا ہر اک کیف ہے کیفیتِ دل
دل کو الف کا ہے گھر، آنکھ ہے اُسکا تنبہ باب

اُس کی ایک ایک ادا، اُس کا ہر ایک ایک عمل
ہر عمل اُس کا حقیقت کی ہے ایک ایک کتاب

ہر رُخِ چشم میں ہے ایک حقیقت پنہاں
ہر حقیقت کے لیے اُس کی کوائف ہیں نقاب

صورتِ چشم ہے نور، اُسکا عمل کشف و ظہور
اُسکا ہر رُخ، رُخِ روشن ہے مثالِ مہتاب

اُس کا جوہر ہے لطیف، اسکے اشارے ہیں خفیف
اُس کی خاموش زبان، دل کیلئے فصلِ خطاب

اُس کا ادراک شہود۔ اُس کا ہے انکار جحود
اُس کا ہر حال حقیقت کیلئے رفعِ حجاب

آنکھ کی افادیت کے مختلف پہلو

آنکھ قائم ہے تو ہے لذتِ رنگ و صورت
نہ رہے باقی تو موعود ہے جنت کا ثواب

---

[1] گھرانے ۱۲ [2] کرسی کو حدیثِ نبوی میں عرش کا پائدان فرمایا گیا ہے ۱۲ منہ

ہو کھلی آنکھ تو اُس سے ہے ظہورِ اعیاں
اور ہو بند تو ہے زیرِ نظر عالمِ خواب

آنکھ کھل جائے جو بھرپور، ہے بجلی دل پر
نیم وا ہو، تو بھری اُس میں ہے مستی شراب

آنکھ نیچی ہو، تو ہے نورِ حیا کا چشمہ
اور اُٹھ جائے تو ہے نارِ فروزانِ عتاب

آنکھ پھر جائے تو ہے شعلۂ نفرت کی بھڑک
اور بھر آئے تو ہے بارشِ رحمت کا سحاب

آنکھ ترچھی ہو، تو پھٹ جائے فضائے بینش
اور سیدھی ہو، تو سیدھا ہے جہانِ اسباب

آنکھ گر من پسند ہے، تو ہے دل بھی آزاد
آنکھ لڑ جائے، تو پھر دل ہے گرفتارِ عذاب

آ گئی آنکھ۔ تو کہتے ہیں کہ بیمار ہوئی
اور نہ آئی۔ تو سمجھتے ہیں صحیح اور صواب

چشمِ حق بیں ہو۔ تو ہے نافعِ دین و دنیا
چشمِ بد بیں ہو۔ تو دارین کا خسران و عذاب

آنکھیں دو ہیں تو وہ ہیں کاشفِ الوانِ جہاں
چار ہو جائیں تو ہیں سرِّ محبت کا نقاب

کشش و دفع کی نظریں ہیں بہم آنکھوں میں (ق) پُرکشش تارِ نظر۔ تیرِ نظر وجہِ عذاب

تیر اندازیِ نگاہوں سے ہے آنکھوں کا عمل
آنکھ کے سارے ہی ایام ہیں یوم الاحزاب

خبرِ مہر و وفا لائے اگر تارِ نگاہ
یہی ایام پھر ہو جاتے ہیں یوم الاحباب

غرض آنکھوں کا کوئی رُخ نہیں بے کار و قبیح
ہو تو دنیا ہے، نہ ہو گر تو ہے یوم حساب

آنکھ کے جامع مقامات

آنکھ کے ظرف میں ہیں صورت و معنی دونوں
لذتِ روح و بدن یعنی سواد اور ثواب

چشمِ ظاہر ہو کہ باطن، ہے نشانِ قدرت (ق) جس میں سمٹے ہوئے عالم ہیں بلا حدّ و حساب

چشمِ ظاہر کی نظر میں ہے کتابِ تکوین
چشمِ باطن پہ عیاں عقل و شریعت کی کتاب

آنکھ نافذ ہے کتابوں میں مثالِ سوزن
کیا تعجب ہے۔ کہیں گر۔ کہ ہے آنکھ اہلِ کتاب

آنکھ گویا ہے جو کہتی بھی ہے سب کچھ لیکن (ق) اس میں آواز نہیں بلکہ ہے خاموش خطاب

عجب و حیرت و فرحت، غضب و مہر و نشاط — کونسا وصف ہے؟ جس کا نہیں آنکھوں میں خطاب
آنکھوں آنکھوں میں بتاتا ہی ہے اسکی باتیں — یعنی اندازِ نظر ہی ہے بلیغ اُس کا خطاب
آنکھ کی نسل بھی ہے گرچہ ہے وہ فردِ فرید (ق) — غور کیجے تو یہ ہے آنکھ کے اعجاز کا باب
آنکھ میں عکس سے لیتی ہیں جنم جو شکلیں — وَلَدِ چشم ہیں سب، آنکھ ہے اُمّ الانساب
آنکھ کا کوئی کفو ہے نہ کوئی زوج اُس کا — اُس پہ یہ کثرتِ اولاد کہ حد ہے نہ حساب
مریمؑ پاک کی مانند ہے چشمِ طاہر — کہ تولّد ہے کرامت تو ثمر بے اسباب
شکلیں ہیں آنکھ میں اور آنکھ ہے شکلوں میں گھسی — آنکھ سے بڑھ کے نہیں کوئی کثیر الاحباب
آنکھ میں علم و عمل، آنکھ ہے جامع مانع — آنکھ گویا بھی ہے لیکن بہ خموشیِ خطاب
آنکھ ہے صاحبِ دل، صاحبِ کیف و احوال — آنکھ میں سرّ و عیاں، آنکھ ہے دریا بہ حباب
غرض آنکھوں کا ہر اک طرزِ سکون و حرکت — فطرۃ و طبعِ بشر کا ہے کھلا ایک اک باب
عینِ انساں ہی حقیقت میں ہے عینِ نساں — واردات اُس کی ہیں انساں کی حقیقت کی کتاب
اصلیت آنکھ کی ہو یا ہو تغیّر اُس کا — ذکر دونوں ہی کا تاریخ کا ہے ایک اک باب
ساتھ ہی دفعِ تغیر کی تلاش اور کوشش — اُسی تاریخ کا ہے ایک اہم حصۂ باب
پھر اُسی سے متعلق ہیں مضامینِ دگر — ان مضامین کی تنظیم ہی ہے نظم کی آب
آنکھ ہی میں تھے بہم چونکہ یہ سارے اوصاف — اس لیے آنکھ بنائی گئی موضوعِ کتاب
حمد و نعت اور مضامین کی تعیین کے بعد — پڑھیے اب آنکھ کی تاریخ کی تفصیل کا باب

آنکھ کی اصلی اور سابقہ کیفیت

حلقۂ چشم میں تھا نور کا دریا جاری — جس سے روشن تھی زمانے کے مناظر کی کتاب
صورت و رنگ و خد و خال و نقوشِ زینت — منعکس لہروں میں تھے اُس کے بلا رفعِ حجاب

کل جہاں آنکھ میں تھا، آنکھ تھی جس سے مخمور
جامِ جم آنکھ تھی، یا کہیے اُسے جامِ شراب

ننھی پتلی تھی سمیٹے ہوئے سارا عالم
اُس کے اس عام احاطے کا نہ تھا کوئی جواب

"آسماں آنکھ کے تل میں تھا دکھائی دیتا"
تل کا یہ طرزِ بڑائی تھا بڑا ہی نایاب

تنِ خاکی میں مہ و مہر تھیں دونوں آنکھیں
جن سے تھے انفس و آفاق کے روشن ابواب

چشمِ بینا میں تھا بینائی کا سکہ جاری
یہ نہ ہوتی تو یہ اقلیم بدن تھی بے آب

جال تھے پھیلے ہوئے تار نگہ کے ہر سو
جو ہر اک مَنظر و مُبصَر کے لیے تھے جذّاب

تیر برساتی تھی آنکھوں سے کمانِ اَبرو
صید تھی شکل ہر اک، گو نہ تھی صیدِ خوناب[1]

سطح بینائی پہ تھمتی ہی نہ تھی کشتیِ شکل
ہر مصوّر کے لیے بحرِ نظر تھا گرداب

حرف باریک بھی تھا دید میں یوں حرف بحرف
جیسے آتا ہے نظر دھوپ میں بازوئے ذباب[2]

کوئی بھی شکل نہ تھی، زد میں جو آنکھوں کی نہ ہو
جیسے صیاد کے قابو میں ہو صیدِ شاداب

جو بھی شکلیں چلی آتی ہیں نگاہوں کے حضور
چشمہ چشم میں تھیں چشم زدن میں غرقاب

چشمِ بینا میں نگاہوں کی یہ پہنائی تھی
جال میں تار نگہ کے تھے بندھے سب اسباب

قطعہ

مقتدی مَنظر و مُبصر تھے، بصارت تھی امام
قلب تھا قبلہ رسائی کا، تھی ابرو محراب

تھیں جماعت کی سب ہی چہرہ پہ شرطیں موجود
قبلہ و مسجد و افراد و امام و محراب

آنکھ تھی اور ہمہ وقت جماعت کی نماز
تھی نظر حق، تو نمازیں تھیں یہ کل جزوِ ثواب

غرض اس دورۂ دیدار میں آنکھوں کے طفیل
دین و دنیا تھے بہم، جمع تھا خُرما و ثواب

۱؎ شکار خون آلود ۱۲ ۲؎ مکھی ۱۲۔

آنکھوں میں تغیّر

لیکن اس عالمِ اضداد میں ہر خوبی پر / حملہ ہوتا ہے خرابی کا براہِ اسباب
یاں کی ہر اصل سے اُس جنس کی آفت ہے لگی / جیسے صحت پہ ہے دُکھ، نور پہ ظلمت کا عذاب
اصل و آفت کی جہت سے متقابل ہیں بہم / نیک و بد نفع و ضرر رنج و خوشی، شیب و شباب
تنِ خاکی کے ہر اک عضو کی آفت ہے جُدا / آفتِ چشم ہے چشمک زنیِ چشمۂ آب
بحرِ ظلمات سے دیکھا نہ گیا چشمۂ نور / آخرش اُس میں گُھسا چوری کر یہ خانہ خراب
آگیا آنکھ میں ہے جب سے یہ گدلا پانی / ہوگیا نورِ نگہ ابر میں جیسے مہتاب
دید تھی دیدۂ بینا میں کچھ ایسی جھلمل / نیم خوابی میں کوئی جیسے کہ دیکھے اک خواب
صورتِ چشم بدستور تھی پر روح نہ تھی / آنکھ کا در تھا کھلا، بند تھا دیدار کا باب
آبدار آنکھ کی تھی یوں تو نمائش قائم / پر حقیقت میں نہ تھا آب وہ تھا روئے سراب
کھلی آنکھوں میں بھی بند آنکھ کا منظر تھا عیاں / آنکھ کے در پہ پڑا جب سے تھا پانی کا حجاب
گھر کے گھر ہی میں یہ مالک کی نظر بندی تھی / مہر میں جیسے کہ پوشیدہ ہو ہلکا سا عتاب
ہوگئی تھی یہ زمیں آنکھ میں دُھندلا سا نشاں / آسماں کی یہ صفائی تھی مثالِ زرد آب
نہ رہی تل کی بڑائی، نہ وہ پُتلی کی چمک / دونوں نوروں پہ تھا چھایا ہوا ظلمت کا حجاب
رہ گئے تارِ نگہ ظرفِ نگہ میں جسم کر / کسی منظر کو گرفتاری کا آتا تھا نہ خواب
اب ہیں تیروں کی جگہ آنکھ کے سچے موتی / اور ابرو کی جگہ ابر بہ سیلانیٔ آب
گم شدہ ہوگئے کاغذ کے خزانے یکسر / نہ رہی خیر جلیس آج کے دورہ میں کتاب
صورتیں آنکھ میں آتیں مگر ہوجاتی تھیں / پیلے پانی سے اٹک کر وہیں سب نقش برآب
گدلے پانی سے تل اوجھل تھا پہاڑ اوجھل تھا / قطرۂ خورد سے تھا نور کا دریا بہ حباب

جب نہ ہو نورِ نظر پھر نہ قلم ہے نہ رقم
جب نہ ہو نورِ بصر پھر نہ حساب اور نہ کتاب

ہو نہ تصویرِ نگہ میں تو تصور ہے فقط
اور تصوّر سے نہیں بنتے کتاب اور خطاب

آنکھ کا عیش بھی ہے اب تو فقط کانوں سے
گل و گلرخ کی جگہ اب ہیں فقط چنگ و رباب

دیدِ دیدہ کی جگہ اب ہے فقط سمع بگوش
حرف و کاغذ کی جگہ آج ہے ساز و مضراب

تھی بہر حال بایں حال نگاہِ بیمار
دل تو تھا حزن میں غرقاب جگر تھا تو کباب

اس مصیبت میں شب و روز یہ تھا آنکھ کا درد
آسرا ایک ترے فضل کا ہے یا وہّاب

تلاشِ علاج

تن بہ تقدیر بجا پھر بھی ہے تدبیر کا حکم
دارِ دنیا کا توکّل ہے تلاشِ اسباب

سرِّ مکنون ہے تقدیر۔ تو تدبیر۔ ظہور
کام کرتی ہے قضا لیک بذیلِ اسباب

چشم فریادی ہوئی نقشِ مسیحائی کی
تاکہ پھر دیدۂ بیمار پہ آجائے شباب

اک مسیحائے نگہ آخر علی گڈھ میں ملا
کہتے ہیں نام کیسا تھا اس کے ہے گپتا کا خطاب

جنوری پانزدہم تھی جب علی گڈھ پہنچے[15]
جا کے گپتا سے ملے اور کیا عرض آداب

آنکھوں آنکھوں میں بتایا غمِ دل اور غمِ چشم
عقل تھی جس سے پریشاں تو طبیعت خونناب

چشمِ پُرنم، دلِ پرغم کی کہانی سُن کر
کون تھا درد شناسا جو نہ ہوتا بے تاب

آنکھ گپتا سے ہوئی چار تو دل سوزی سے
غمِ دل سُن کے کیا لطف سے گپتا نے خطاب

حامیٔ حسنِ نظر ہوں یہ فریضہ ہے مرا
دور کرنے ہیں مجھے بدنظری کے اسباب

دشمنانِ نگہ صاف سے ہوں برسرِ جنگ
یہ حجابات نگہ سامنے میرے ہیں حباب

خانۂ نور میں گھس آئے ہیں چوروں کی طرح
ایک ہی وار میں کرنا ہے انھیں خانہ خراب

صاف شفاف نگاہوں کے یہ آبی دشمن
ایک ہی وار کے ہیں آئینگے جب زیرِ عتاب

آپریشن کے سوا ان کا نہیں کوئی علاج
لات کے بھوت نہیں مانتے ہیں قول و خطاب

اسلحہ جمع ہیں سر کوبیٔ دشمن کے لیئے
سرخیٔ چشم ہو یا آنکھ کا ہو زرد حجاب

کتنے ہی آنکھ پہ قابض ہوں یہ پیلے دشمن
چند ہی لمحوں میں چکھ لیں گے یہ سب سوز عذاب

مقتل ان کا ہے نہاں خانۂ آپریشن روم
نوزدہ[19] جنوری ہے ان کیلیئے یوم عقاب

جنوری کی یہ خنک ناک فضا ان کے لیئے
بننے والی ہے سموم اور خطرناک عذاب

معالجہ کا آغاز

یوم موعود کا آنا تھا کہ گپتا کی سپاہ
آگئی دار و رسن لے کے بانداز عتاب

وردیاں سب کی سفید اُس پہ دہن پوش سفید
سر ہی سر ایک نظر آتے تھے ہم رنگ غراب

آپریشن کا نہاں خانہ سراپا تھا سفید
نہ بفرش تہ پا بلکہ بسقف و میزاب

اس کا سامان سفید اور ظروف اسکے سفید
بوتلیں کچھ نظر آتی تھیں برنگ سُرخاب

اس کے آلات سفید اور دوائیں بھی سفید
کچھ دوائیں تھیں مگر رنگ حنا و عنّاب

اسٹریچر بھی سفید اور تھی میز اس کی سفید
اس پہ بیمار کا کمبل تھا مگر رنگ گلاب

پھر بھی اس خانہ سفیدی میں تھی رنگینی اگر
تو وہ تھا دیدۂ بیمار کا پیلا سا حجاب

غرض اس کمرے میں ہر سو تھی سفیدی چھائی
نہ تھے یہ خارجی رنگ اس کی سفیدی میں حجاب

وقت تھا دن کا اور اُوپر سے تھی بجلی روشن
نُور در نور میں تھی ساری سفیدی غرقاب

یعنی نیچے سے سفیدی میں تھی بجلی کی چمک
اور اُوپر سے ضیا بار فلک کا دُولاب

خانہ جرّاح کا یہ رنگ سفیدی و چمک
جس سے تھے یاں کے جراثیم بھی کرم شب تاب

اس لیئے تھا کہ بہک جائے نہ جراح کا ہاتھ
کارِ جراحی چلے تیز مثالِ سیلاب

فوجِ گپتا مع گپتا کے مسلح تھی کھڑی
تاکہ اس دشمنِ آبی کا ہو منھ توڑ جواب

معالجہ کی کیفیت

سامنے آنے لگا آنکھ بنانے کا عمل
اور آلات بڑھے آنکھ کی جانب بہ شتاب

سُن کیا آنکھ کو پہلے تو اک انجکشن سے
تاکہ مسدود رہے آنکھ کے احساس کا باب

یعنی شل کر کے کیا آنکھ کو ایسا بیتھر
کہ نہ ہو حملۂ گپتا سے ذرا بھی پُر آب

دی گئی تھی یہ کمک آنکھ کو دشمن کے خلاف
کہ رہے آنکھ تماشائی، ہو دشمن ہی خراب

چشمِ معصوم نہ تھی حملۂ گپتا کا ہدف
بلکہ معتوب اگر تھا تو یہ ظلمانی حجاب

آنکھ مظلوم نہ تھی، ظالم تھا یہ گدلا پانی
آنکھ حقدار تھی، غاصب تھا یہ پیلا سیلاب

آنکھ کے مُلک میں تھی مالکِ اقلیمِ نظر
اور تھا دشمنِ بے مایہ یہ میلا زرد آب

ہدفِ حملہ عدو تھا۔ رہیں آنکھیں محفوظ
تا اُبھر آئے نگہ۔ چاک ہو دامانِ حجاب

پھر تو گپتا نے کیئے وار عدو پر ایسے
کہ اٹھا ہی نہ سکے سر کو وہ تا یومِ حساب

قینچیاں چلنے لگیں پھر تو ہوا کی مانند
یا ہوا سے بھی سوا، ان کے تھا چلنے کا حساب

دستِ گپتا تھا رواں برق کی لہر دنکی طرح
کارِ جرّاحی نمایاں تھا مثالِ سیلاب

گھیر کر دشمنِ آبی کو ہر اک گوشے سے
راستے بند کیئے تاکہ نہ بہہ جائے یہ آب

تھا یہ مقصود کہ دشمن کی گرفتاری ہو
اور ہو آنکھ سے باہر وہ بصد ذُلّ و عتاب

کہا گپتا نے کہ ہاں جانے نہ پائے دشمن
اور زندہ ہی گرفتار ہو یہ خانہ خراب

آنکھ میں توڑی گئی ایک طرف کی دیوار
دسترس تا ہو عدو پر ہو نگہ صحت یاب

قصرِ بینائی کی ٹوٹی جو اچانک دیوار
تختِ بینائی پہ قابض نظر آیا زرد آب

اب تو گپتا کی بن آئی اور اچانک اُس نے
تخت سے کھینچ کے دشمن کو نکالا بہ شتاب

تاکہ مٹ جائے عدو خود بھی و اسکے آثار
ختم ہوں اُس کے جراثیم اور اُنکے اسباب

تعمیرِ نو

آنکھ پر دشمنِ آبی نے تسلّط پاکر
کر دیا تھا اُسے بے جان و پریشان و خراب

اُس کی طاقت کے خزانوں کو سراسر لوٹا
ناتواں آنکھ ہوئی آنکھ کے سارے جلباب

ضعف اتنا تھا کہ اک نرم سے کپڑے کی کھسک
لگتی تھی آنکھ میں ایسی کہ ہو جیسے تیزاب

روشنی بار تھی آنکھوں پہ نقاہت کے سبب
دھوپ کے حُسن کی بھی کچھ نہ رہی آنکھ میں تاب

بن گئی روشنی ہی دید کی قلّت کا سبب
خیرگی سے نہ رہی دید میں دیدار کی تاب

پہلے دی آنکھ کو گپتا نے دوا سے قوّت
پھر تحفظ کے فراہم کیے سارے اسباب

جو جراثیم بھی چھوڑے ہوئے دشمن کے رہے
کر دیا ان کو بھی گپتا نے بس اک قصۂ خواب

قوتیں تاکہ نگاہوں کی ہوں دوبارہ بحال
اور دشمن کے جراثیم ہوں پامال و خراب

قلعۂ چشم کی ہو پھر سے حکومت قائم
تاجدار اس میں بصر ہو بہمہ رونق و آب

دیدِ دیدہ کا بدستور ہو سکہ جاری
دور ہو بابِ حکومت سے غنیمِ زرِ آب

آخرش جنگ ہوئی ختم، ہوئی فتح نصیب
مُلک آباد ہوا، تھا جو پریشان و خراب

پھر سے تعمیر ہوئی آنکھ کی ٹوٹی دیوار
جَرح و مرہم ہی سے ہوتی ہیں مہمّیں پایاب

چشمِ مجروح کو پٹی کی اُڑھائی چادر
تاکہ مضبوط رہے نور کا دائم یہ باب

انکشافِ عالمِ خواب

کس بلا کی تھی یہ پٹی کہ جب آنکھوں پہ چڑھی
ہو گیا عالمِ محسوس بھی کُل عالمِ خواب

وہ ہوئی خواب کی کثرت کہ ذرا آنکھ لگی
اور کھُلا عالمِ رؤیا وہیں سب خواب بخواب

گھٹ گئی نیند مگر بڑھ گئے رویائے منام
زیبِ تن آنکھ کے تھا گویا لباسِ کمخواب

جاگتی آنکھ ہوئی پٹی چڑھانے سے جو بند
کھل گئی آنکھ تخیّل کی بقلبِ بے خواب

قضیۂ چشم ہی تھا پیشِ تخیّل جس سے　　بن گئی آنکھ کے افسانے کی منظوم کتاب

نتیجۂ علاج

پٹیوں ہی میں لگی ہونے نگہ رُو بکمال　　ہو گئے نور کی رہ آنکھ کے ماؤف حجاب
آپریشن کی بدولت یہ ہوئی کایا پلٹ　　دولتِ چشم کی شوکت کا کُھلا آخر باب
تخت مالک کو ملا۔ قید ہوئی دشمن کو　　چشم معمور ہوئی اور عُدو خانہ خراب
فتح گیتا کی ہوئی، نورِ نظر کی بن آئی　　دشمنِ چشم کا کانٹوں میں ہوا خانہ خراب
آنکھ پُر نور ہوئی تارِ نگہ پھیل گئے　　آ گیا آنکھ پہ پھر بعد بڑھاپے کے شباب
یا تو باقی ہی نہ تھی آنکھ کے پردوں میں سکت　　یا ہوئی آنکھ توانائی میں مثلِ سہراب

پرہیز اور احتیاط کی بندشیں

مرحلے بعد کی پابندی کے کافی تھے کٹھن　　کہ نہ ہو نقل نہ حرکت نہ ایاب اور نہ ذہاب
نہ وضو اور نہ غسل اور نہ قیام اور نہ قعود　　نہ رکوع اور نہ سجود اور نہ ہو جہرِ کتاب
رکن ایک اک ہو ادا پر ہو اشاروں سے محض　　ذکر ہر اک ہو مگر اس میں نہ ہو جہر و خطاب
ہو قرأت تو خفی جس میں کچھ آواز نہ ہو　　ہوں نمازیں تو تیمم سے بلا شرکتِ آب
لیٹے رہنا بھی اگر ہو تو بلا کروٹ ہو　　لیجے کروٹ تو ذرا سی کبھی نہ کھائے سرِ آب
گر اُٹھو بھی تو ذرا زور کمر پر نہ پڑے　　جو اُٹھاؤ تو نہ ہو بوجھ، ہو شے مثلِ حباب
جامہ پوشی ہو مگر سر کو نہ ہو کچھ حرکت　　آب نوشی ہو مگر ہو نہ ذرا بھی سرِ آب
لقمہ ہو منھ میں تو قوت سے چبانے کا نہ ہو　　جُرعہ اُترے تو سُبک رَو ہو مثالِ سیماب
ہو زباں منھ میں مگر زور سے ہرگز نہ ملے　　رہے آواز مگر اس میں نہ ہو طرزِ خطاب
رہے بند آنکھ مگر پھر کبھی ہو اُس پہ پٹی　　اور کھل جائے اگر پھر بھی رہے زیرِ نقاب

آنکھ دیکھے تو کسی رُخ بھی نہ گھومے پتلی
چال بھی ہو تو نہ ہو اس میں کچھ انداز شباب

ہو مصافحہ بھی اگر ہاتھ کے جھٹکے سے نہ ہو
آنکھیں ہوں چار مگر ان میں نہ ہو طرزِ خطاب

تم تو تم ہو نہ پلنگ کو بھی تمہارے حرکت
وہ بھی جام اپنی جگہ پر ہو مثالِ اقطاب

ہو گئی بھول سے تقصیر ذرا سی بھی اگر
تو پھر اُس پہ مسلط وہیں گپتا کا عتاب

غرض حرکت نہ کرے آنکھ، نہ ہاتھ اور نہ پیر
نہ کمر اور نہ سر نہ تواں اور نہ تاب

پھر یہ ساکن بھی نہ ہوں سب بسکونِ مطلق
حرکتِ طبعی رہے ان میں بدیر و بشتاب

یعنی پرواز ہوا میں ہو تو بازو نہ ہلیں
اور پانی پہ رواں ہوں تو نہ ہو جنبشِ آب

جمع ضدّین سے کچھ کم نہیں آنکھوں کی مہم
غیر ممکن ہے مگر یاں ہیں بہم آتش و آب

تختہ بندی تھی غرض قعر میں دریاؤں کے
اور تھا حکم کہ دامن نہ ہو تر قدرِ حباب

تسلّی اور اطمینان دہانی

قید و بندش کے یہ سب مرحلے تھے سخت ضرور
پر انھیں میں تھا نہاں آنکھ کی آزادی کا خواب

شدّتوں میں تھی سمائی ہوئی روحِ شفقت
مہر ہو کر نظر آتا تھا یہ گپتا کا عتاب

پھر بھی دل کے لیئے دل جوئی کے پیرائے میں
کیا گپتا نے بالآخر یہ شفیقانہ خطاب

بندشیں ساری کی ساری یہ رہیں گی قائم
جب تلک آنکھ میں سرخی ہے مثالِ مئے ناب

ان میں تخفیف کی ہوگی وہ مبارک ساعت
سرخیٔ چشم جب ہو جائے گی ہمرنگِ گلاب

اور جب چشم کو چشمے کی رفاقت ہو نصیب
جبھی کٹ جائیگی اس خیمہ بندش کی طناب

ان قیود اور شرائط کا یہ تحفہ لے کر
آپ جا سکتے ہیں گھر آج بدیر و بہ شتاب

گھر پہنچ کر بھی اگر کرنی ہو فوری کچھ بات
فون حاضر ہے مرا، آپ کریں اُس پہ خطاب

چشم تا چشمہ کی مدت کا علاج اور پرہیز
دو مہینے کی مسافت کا ہے لگ بھگ حساب

یہ وہ جملے تھے جو گپتا نے کہے وقتِ وداع
تا رہے دل کو سکوں اور وہ بنیں فصلِ خطاب

دل و دیدہ کی تسلی کا یہ ساماں لے کر
رُو بہ خانہ ہوئے ہم اور ہمارے احباب

ہو گیا آنکھ میں پھر نور کا دریا جاری
گلشنِ چشم جو تھا خشک، ہوا پھر شاداب

اب وہی نورِ نگہ ہے وہی اُس کے آثار
اور وہی نورِ نظر اور نظر کے اسباب

اب وہی چشم و نگہ اور نگہ بازی ہے
اور وہی چشم نگہ باز کے ساز و مضراب

ہو گیا کشف غطا اور ہے بصر آج حدید
جو رُکاوٹ تھے کبھی اُٹھ گئے سارے وہ حجاب

چشم سازی یہ اور اس طرزِ وفا کاری پر
دل سے بر رُو یہ دعا نکلی باندازِ خطاب

فیض گپتا کا رہے دائم و ہر سو جاری
ہو نگہ اس کی نگہ سازِ مریضانِ حجاب

معاونِ کریم

روحِ کُل اس میں تھے الطاف حفیظ الرحمٰن
جن کے اخلاص سے یہ کشتی ہوئی ہے پایاب

خدمتِ خلق بنا، خُلقِ حفیظ الرحمٰن
جس سے روشن ہے علی گڈھ کی فضائے احباب

ان کے دل کی لگنِ کارِ خلیلُ اللّٰہی
ضیف ہے ان کے لیے روشنیِ خانہ و باب

یہ فضیلت ہے خدا داد کہ اکرامِ ضیوف
اُن کی نیکی کے خزانے کا ہے دُرِّ نایاب

میہماں کے لیے ہر مال ہے اُن کا پامال
جان سے بڑھ کے تو تھا ہی وہ عزیز الاحباب

ناخدا بہرِ خدا ہوں جو زمانے کے لیے
ایسی امثال زمانے میں ہیں شاذ و کمیاب

ان کا ہر روز ہو عید اُن کی ہو ہر شب شبِ قدر
حفظ میں اپنے رکھے ان کو حفیظِ وہّاب

فن تو گپتا کا تھا پر خُلقِ حفیظی تھا چراغ
جس سے روشن ہوا پیشانیِ پیدار کا باب

مستحق میرے تشکر کے ہیں گپتا و حفیظ
ہمتیں ان کی نہ ہوتیں تو نہ ہٹتا یہ حجاب

شکریہ اور دعا

شکریہ حضرتِ حق کا ہے مقدم سب سے
کہ اُسی سے ہے کھلا ہمت و توفیق کا باب

اُس کی ہی راہنمائی سے بنے صاحبِ دل
عقل لے لے کے اُسی سے ہیں بنے ذُوالالباب

شکریہ پھر ہے وسائل کا کہ جن کے دم سے
نور دیدہ کی ملی پھر سے یہ جنسِ نایاب

آنکھ کا متن ہے دل، شرح ہے اسکی یہ زباں
شکر تینوں پہ کریں، ہے یہی رسمِ آداب

شکریہ آنکھ کا ہے اس کی چمک اور ٹھنڈک
جذبۂ شکر میں ہے دل کے تشکر کا جواب

شکریہ ہے یہ زباں کا، ہو دعا ان کیلئے
جو بھی اس آنکھ کے بننے میں بنے ہیں اسباب

ہے دعا ان کو اور ہم سب کو خدایا ہو نصیب
حُسنِ عیش حُسنِ عمل حُسنِ ختام حسنِ حساب

نتیجہ اور خاتمۂ کلام

واپسی آج وطن کو ہوئی چھبیسویں دن
آ کے گھر اُترے سرِ شام بچشمِ شب تاب

فروری دس تھی اور انیس سو ترسٹھ سن تھا
کہ مکمل ہوئی آنکھوں کی یہ تاریخی کتاب

لوگ کہتے ہیں بنی آنکھ تو کیا اس پہ بنی؟
اس کے بننے کے کوائف کا یہ ہے لبِّ لباب

تتمۂ کلام اور چشمۂ صافی

دو مہینے کی نظر بندیٔ و تقیید کے بعد
چشمِ بد دور کھلے آنکھ کے باقی ابواب

تھی نگہ آنکھ میں پر نظمِ نگہ تھا مفقود
دید تھی لیک جماؤ کی نہ تھی دید میں تاب

دُرِّ منظوم کو کر دیتا ہے دُرِّ منثور
موتیا آنکھ کے موتی پہ نہیں محض حجاب

اس لیئے بن کے بھی آنکھیں نہیں بننے پاتیں
جب تلک چشمہ سے اُن کو نہیں دیجاتی ہے تاب

چشم میں چشمۂ صافی کی تھی خاموش پکار
آنکھ خود آنکھ کی خواہاں تھی نظر بر اسباب

برق کے دوش پہ آئی یہ علی گڈھ سے خبر
چشمۂ صاف سے دیجاتی ہے یاں چشم کو آب

تار پہونچا کہ ہے گر تارِ نظر پیشِ نظر — تار کی طرح چلے آئیں علی گڈھ بشتاب
منضبط تاکہ نظر کے لیئے ہو حدِّ نظر — پھر اُسی حد سے ہو چشمے کے بھی نمبر کا حساب
نوزدہ[۱۹] مارچ کو موٹر سے علی گڈھ پہونچے — سامنے آ گئی پھر وہ ہی فضائے احباب
مارچ کی بیس[۲] کو گپتا کی نظر میں تھی نظر — چشم کو تاکہ ملے چشمہ جاری کا خطاب
جانچ کر چشم کو چشمہ کے لگائے نمبر — اور ہوئیں چشمۂ حیواں سے نگاہیں پایاب
چشم کا چشمۂ شفاف سے ہوتا تھا ملاپ — کہ نئی نسل چلی جس کا نہ تھا حدّ و حساب
ہو گئے ان سے عیاں سارے جماد و نبات — اور حیوان ہوں بے عقل کہ با عقل و لُباب
صورتیں اُن کے خد و خال و رَا کُ رَگُ رَگ — رنگِ گلہائے چمن تا رگِ گلہائے گلاب
خشتہائے در و بام اور نقوشِ دیوار — نقش گلہائے مشجّر بسُطوحِ جلباب
جادۂ و رَاہِ تہہ پا کے نشیب اور فراز — خانہ ہائے تہہ و بالا کے فصول و ابواب
حرفِ باریک و جلی اور سطور اوراق — مَتن با منہیہ اور حاشیہ بر دار کتاب
غرض اس عالمِ محسوس کی ساری شکلیں — منعکس ہو گئیں آنکھوں میں بصد رونق و آب
چشم و چشمہ کے تزوّج سے ان اشیائے عکوس — بنے دُو ہے، تو ہیں دونوں ہی کی اولادِ شباب
پہلے مریم[عہ] تھی مگر آج ہے حوّا[عہ] کی طرح — آنکھ میں طرزِ تولّد کے عجب ہیں آداب
اس تزوج کی تھی اکیس[عہ] کو تقریبِ سعید — اِک سے اکیس ہوئی آنکھ بفضلِ وہّاب

عہ یعنی بلا زوج (چشمہ) کے یہ عکوس پیدا ہوتے تھے ۱۲
عہ یعنی زوج (چشمہ) کے ملاپ سے عکوس پیدا ہونے لگے ۱۲
عہ ۲۱ مارچ ۱۹۶۳ء بمقام علی گڈھ گاندھی آئی ہسپتال ۱۲

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست　　آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر کتاب

حمدِ حق اول و آخر ہے یہ حق ہے اس کا
یہی آغاز تھی اور ہے یہی انجام کتاب
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

آنکھ کی کہانی

حصّہ دوم

حمدِ الٰہی

حمدِ حق کے لیئے میرا ہے اگر دل بیتاب　　تو یہ فطرۃ ہے، اور ہے امرِ خدائے وہّاب
کوئی بھی کارِ اہم، حمدؐ سے خالی ہو اگر　　ہو کے برکت سے وہ خالی نہیں رہتا بآب
لائقِ حمد ہے وہ مصدرِ اکرام و جلال　　تربیت سے ہے رواں جس کی جہانِ اسباب

ربوبیت کا مقام

حمد ہے اُس کی، خصوص اس کی ربوبیت کی　　جس سے تکمیلؐ خلائق کا شجر ہے شاداب
خلق سے اُس کا علاقہ ہے ربوبیّت سے　　اس سے ہی ساری صفات آتی ہیں بیرونِ حجاب

ؐ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف کل امرذی بال لم یبدأ بحمد اللہ (اور بعض روایات میں ببسم اللہ) فھو اقطع (ہر اہم کام جس کی ابتدا حمدِ الٰہی یا نامِ خداوندی سے نہو وہ برکت سے منقطع ہے) ؐ تربیت کے معنیٰ کسی شئے کو اسکی حدِ کمال تک پہنچا کر مکمل کر دینا

ربوبیت مستجمع صفات ہے

مقتضیِ ہمہ اوصاف ربوبیّت ہے — ایک بھی وصف ہو کم تربیت ہو جائے خراب
گر مثالوں سے ہو مطلوب وضاحت اسکی — ذیل کی چند مثالیں ہیں نہایت نایاب

ربوبیّت اور رحمت

تربیت ہوتی ہے رحمت سے عداوت سے نہیں — رب ہے وہ جس کی رحیمی کا برستا ہو سحاب
مستوی عرش پہ رحمت سے ہے وہ ربّ رحیم — نہ غضب سے کہ ہو مخلوق کے حق میں غضّاب
عرش حاوی ہے جہانوں پہ اور اس پر رحمت — رحمت حاوی ہوئی سب پر یہ جہان اسباب

ربوبیت اور مالکیت

پھر بھی ممکن نہیں یہ تربیتِ رحم و کرم — تربیت کے نہ ہوں گر ملک میں سارے اسباب
اس لیئے رب ہے وہی جو ہے رحیم و مالک — ہو اگر رحم کا مبدأ تو کرم کا ہو مآب

ربوبیت اور قہر

پھر ضروری ہے کہ کچھ قہر بھی ہو مہر کے ساتھ — تربیت ہوتی نہیں گر نہ ہو تنبیہ و عتاب
رب ہے وہ ذات میں ہو جس کی جلال اور جمال — مہر کی ساتھ ہے قہر بھی تا حسنِ مآب[۱]
یعنی رب وہ ہے کہ رحمٰن بھی غضبان بھی ہو — اس کی رحمت ہی کے دامن میں ہو مستور عذاب

ربوبیت اور حفظ و نصرت

رب ہے وہ جسکی حفاظت بھی ہو مربوب کیسا تھا — خود ہی ناصر بھی ہو اور خود ہی دلوں کا بوّاب
جو ہو اغیار کے حفظ اور مدد کا محتاج — وہ ہے مربوب، نہ رب جس کی نہیں ہے کچھ آب

---

[۱] حسن انجام ۱۲

ربوبیّت اور غنا و عطا

رب ہے وہ ذات سے ہو اپنی غنی اور مغنی　　جو ہو معطی، نہ کہ سائل ہو بطرزِ اوّاب[ع۵]

ربوبیّت اور صمدیت

پھر نہ محتاج کسی کا ہو، غنی ہو سب سے　　اس کے محتاج ہوں سب، گو ہوں فراہم اسباب

ربوبیّت اور حلم

تربیت کے لیے لازم ہے تحمل اور حلم　　ورنہ مٹ جائے خلائق کی یہ ساری تب و تاب
ہر صفت پر ہی توقف ہے ربوبیت کا　　پرورش کھلتی نہیں، گر نہ ہو اوصاف کا باب
ہے غرض رب وہ جو ہو جامعِ اوصافِ کمال　　تربیت ہی ہے حقیقت میں خدائی کا نقاب

ربوبیّت کا منشا معرفت ہے

تربیت ہی کا مقام اصل ہے، تخلیق کے بعد　　جس سے پہچان میں آتا ہے خدائے وہّاب

ہر انقلابِ حال پر رب کا سُوال

ہر اہم موڑ پہ ہے اس لیے رب کا ہی سُوال　　انتقالاتِ حیات اس کا ہی دیتے ہیں جواب
رحمِ اُم، عہدِ اَلست، قبر کی مستور لحد　　رَبّیَت ہی کا ہے تینوں میں سوال و جواب

ربوبیت کی جامعیت

جس نے رب مان لیا، اُس نے وہ سب مان لیا　　جس کا اللہ کے بارے میں ہے مطلوب جواب
اس کا اقرار ہے اقرار جمیعِ اوصاف　　اس پر ایمان ہے ایماں بہ صفاتِ وہّاب

حمد جامع اعتراف ربوبیت ہی سے ممکن ہے

حمدِ رب اس لیے ہے حمدِ تمام اوصاف　　حمد اس وصف کی، حمدوں کی ہے اُمّ الانساب

ع۵ رجوع کنندہ ۱۲

حمدِ رب گویا ہے اجمالِ مدائح کا مقام　　پھر ہر اک حمد ہے اس کا ہی مفصّل اک باب
اور جب جامع اوصافِ ربوبیت ہے　　حمد جامع بھی اسی کی ہے بلاریب وریاب

حمد ذات وصفات کی ترتیب ربوبیّت ہی سے قائم ہے

اسم اللہ کے بعد آئے اگر رب کی صفت　　تو ہے ترتیب یہی حمد کی تکمیل کی آب
سورۃ الحمد میں ہے رب عَلَم ذات[۱] کے بعد　　جس سے واضح ہے کہ ترتیب ہے یہ عین صواب
حمد ہے رب کیلئے جو ہے رحیم و رحمٰن　　مالکِ یومِ جزا، مالکِ تعذیب وثواب
ہے خطا بخش وخطا پوش بحقِ مخلوق　　اور توّاب[۲] اگر بندۂ حق ہو اوّاب[۳]
آسمانوں سے اگر چاہے تو اونچا کردے　　جو کوئی اس کے درِ قدس کی بنجائے تراب[۴]

توحیدِ ربوبیّت

خالق ومالکِ کُل، رازقِ کُل، ربُّ الکل　　رب اکیلا ہے وہی بہرِ جہانِ اسباب
ربِّ انسان وملک، ربِّ فلک ربُّ الرُّوح　　عرش تا فرش وہی ایک ہے ربُّ الارباب

ربوبیتِ مجازی

عرفِ عام

یوں تو کہنے کو ہیں ماں باپ بھی ربُّ الاولاد　　پر کہاں سایہ؟ کہاں اصل کی شانِ نایاب؟

---

[۱] یعنی الحمد للہ رب العٰلمین میں پہلے کلمۂ اللہ لایا گیا ہے جو اسم ذات ہے، اور پھر رب کا کلمہ لایا گیا جس سے صفات کی ترتیب شروع ہوتی ہے۔
[۲] توبہ قبول کنندہ ۱۲ [۳] رجوع کنندہ ۱۲ [۴] مٹی ۱۲۔

تربیت اُن کی ہے ظلّی تو حقیقی اس کی — اب اگر ہیں تو وہ ظلّی ہیں بلا ریب و ریاب
اصل کے سامنے سایہ ہے فقط ایک نمود — تابع اصل ہے سائے کا ایاب اور ذہاب
یہ مجازوں کی نمائش ہے حقیقت کا طفیل — کشتی ہلتی نہیں جبتک نہ ہلے بحر میں آب

عرفِ خاص

عرف والوں کی زباں پر ہے چڑھا رب البیت — پر اسے شرک نہیں کہتے، کہ ہو وجہ عتاب
پھر مددگاروں کا اربابِ تعاون ہے لقب — پر انھیں کون سمجھتا ہے حقیقی ارباب

عرفِ فقہ

اصطلاحات میں ہے فقہ کی رب الاموال — پر ذرا بھی نہیں آئیں ہیں حقیقت کے شیاب
بیش ازیں نیست کہ اس نوع کے عرفی الفاظ — ہیں مجازات، نہیں جن پہ حقیقت کا خضاب

عرفِ فلاسفہ

فلسفی کہتے ہیں ہر نوع کا ہے ایک کتب — ہیں بظاہر یہ وہی علمی و فنی القاب
اصطلاحات تفلسف میں ہے ربّ النوع — نہ عقیدہ کہ سوال اس سے کریں روزِ حساب
پھر بھی کوئی اسے ایمان و عقیدہ ہی کہے — تو مبارک ہو اسے نارِ جہنّم کا عذاب

عرفِ دہریہ

دہریئے کہتے ہیں، ہے طبع جہاں رب الکل — پرورش میں ہے اسی کے یہ جہانِ اسباب
بے شعوری کے بھی قائل ہیں طبیعت کے سبھی — پھر بھی جاہل کو خدا کہتے ہیں صد استعجاب
علم بھی جب کہ خدا کے لیئے لازم نہ رہا — کیسے ممکن ہے کہ جاہل کرے خلقِ اسباب
کیوں نہ جاہل ہوں وہ خود جن کا خدا ہے جاہل — جیسا مطلوب اسی طرح کے اسکے طُلّاب
علم سے کورہو خالق تو ہے مخلوق بھی کور — خلق میں آتی ہے خالق ہی کے اوصاف سے تاب

ہے خدا وہ کہ وہ از خود ہو ازل تا بہ ابد — اس کا ہر فعل ارادہ سے ہو برحق و صواب
طبع مخلوق ہے مجبوری میں مانند مشین — نہ ارادہ نہ شعور، اور نہ علم اسباب
ہیں طبیعت میں قوی، اور ہوا، اور جذبات — طبع خود کار نہیں گو ہوں فراہم اسباب

طبیعت عرض ہے جوہر نہیں

ہو طبیعت کا نہ جب تک کوئی مختار محل — اس کے جوہر نہیں کھل سکتے بذیل اسباب
عرض[1] ہے طبع خلائق جو ہے قائم بالغیر[2] — غیر وہ کون ہے؟ ہو عرض یہ جس سے دریاب[3]
ذات سے ہو کے الگ وصف کی ہستی ہی نہیں — وصف ہو ذات نہ ہو، ہے یہ تخیل در خواب
جو ہو خود غیر کی ہستی کے سہارے قائم — وہی اس غیر کا خالق بھی ہو، ہے امر عجاب
خالقِ دہر قوی ہے، نہ کہ قوت اور وصف — قوتیں اس سے ہیں صادر، جو ضیا از مہتاب
محض قوۃ ہے طبیعت، جو قوی کی ہے صفت — فاعل فعل قوی ہے، نہ کہ قوت کا شباب
اور اگر طبع ہے قوت، ہے قوی ذات کا نام — تو وہی ذاتِ مقدس ہے خدائے وہّاب
یہ ہے بدفہمی جو عنوان بدلنے سے ہوئی — نام قوت کا دیا تھا وہ قویِّ وہاب
لفظ بدلے تو معانی میں بھی تبدیل ہوئی — نہ رہی اصل جب اس کا نہ رہا خاص نقاب

---

[1] عرض اور جوہر فلسفہ کے اصطلاحی الفاظ ہیں۔ عرض کے معنی وصف کے ہیں جو کسی ذات کے ساتھ قائم ہو جیسے رنگ و بو۔ صورت مقدار لمبائی، چوڑائی، گہرائی وغیرہ اور کیفیت جیسے سختی، نرمی، برودت، حرارت وغیرہ۔ جوہر وہ ہے جو کسی غیر کے سہارے قائم نہ ہو بلکہ خود سے قائم ہو جیسے افراد انسانی زید، عمر، بکر اور افراد جنس جیسے کتابی اور اینٹ پتھر درخت وغیرہ۔ [2] غیر سے تھما ہوا ۱۲۔ [3] حاصل شدہ ۱۲۔

تار بدلا تو یقینی تھا کہ نغمہ بدلے — لَے وہی بنتی ہے، ہوں جیسے کہ ساز و مضراب
منشاء زیغ و ضلالت ہے یہ تبدیلِ لقب — ذات کی وصف سے تعبیر ہی ہے سورِ خطاب
ہیں شریعت کے مُعبّر خود اسی کے الفاظ — وضع کتنے ہی کریں لوگ حسیں لفظی نقاب

خود پرستی بنام طبیعت

پھر طبائع کا عدد بھی ہے بقدرِ افراد — جتنے افراد ہیں اُتنے ہی ہیں اُن کے ارباب
یعنی ہر فرد کے دامن میں ہے مخفی اک رب — جس سے ارباب کی تعداد ہے بے حدّ و حساب
ہے نتیجہ یہ کہ ہر فرد خدا اپنا رب ہے — خود پرستی کا ہے در پردہ یہ سیدھا سا حساب

شرک اور تعددِ آلہہ

پھر ہر اک فرد تعاون میں ہے محتاجِ دگر — یہ تعاون ہے طبائع کا بلا ریب ریاب
پس ہر اک فرد ہر اک طبع کا محتاج ہوا — جس سے ہر فرد کے ہو جاتے ہیں لاکھوں ارباب
مرکزِ دل ہوں جب اتنے تو کہاں دل جمعی؟ — ہے پراگندہ دلی قسمتِ عبدُ الارباب
اور پراگندہ دلی کا ہے نتیجہ پھر ضعف — عبد کیسے ہو قوی؟ جب ضعفا ہوں ارباب
جیسے طالب ہیں ضعیف ایسے ہی مطلوب ضعیف — قوت و زور میں ہے جن سے کہیں بڑھ کے ذہاب

لکھی ۱۲

عقیدۂ مجوس

کہتی ہے قومِ مجوس اور غلط کہتی ہے — ظلمت و نور میں شر خیر کے جاعل ارباب
پر رہے ان کا تغیر بھی ذرا پیشِ نظر — غیر ممکن ہے تغیر ہو خدائی کا نقاب
ظلمت و نور کبھی ہیں تو نہیں بھی ہیں کبھی — اور الآن کما کان ہے رب الارباب

نور خالق نہیں مخلوق ہے

ظلمتیں پھر بھی ہیں کم رتبہ میں افضل انوار — نور تک خلق ہے ظلمت کا تو پھر کیا ہے حساب؟

ظلمت و نور نہ خالق ہیں نہ رب ہیں اصلاً　　خالق الکل ہے وہی ایک خدائے وہّاب

مخلوقِ انوار کی مختلف نوعیں

خالق نور ہے جس کی ہیں بکثرت انواع　　ہے ہر اک نور اسی نورِ حقیقی کا نقاب
نورِ مطلق کے مظاہر ہیں ہزاروں انوار　　نورِ خورشیدِ فلک، نورِ جبینِ مہتاب
نورِ برقِ اوجِ نشاں، نورِ نجومِ افلاک　　نورِ عرش آبِ مکاں، نورِ چراغِ شب تاب
نورِ آتش بدخاں، نورِ درونِ چقماق　　نورِ گیس از کششِ آتش و از جوششِ آب
نورِ انواعِ ملک، نورِ سماوات و فلک　　نورِ کرسیِّ علا، نورِ بہشتِ با آب
نورِ غلماں بجناں، نورِ رخِ حور و قصور　　نورِ میدانِ مزید[1] از پئے دیدِ وہّاب
نورِ رحمت[2] کہ تہِ عرش ہے یکصد انواع　　نورِ لوح و قلم و نورِ عبارات کتاب
نورِ انساں بکمالاتِ عیان و پنہاں　　نورِ دل نورِ جبیں، نورِ مبیں نورِ عیاب
نورِ عرفانِ محبت بدلِ صاحبِ دل　　نورِ احساں بقلوب و بعروق و اعصاب
نورِ ارواح و لطائف تہِ انوارِ نفوس　　نورِ اسرارِ خفی، نورِ خفایائے حجاب
نورِ علم و عمل و نورِ کمالِ اخلاق　　نورِ ایماں کہ بن جائے خطا جس کو صواب

---

[1] بہشت کے جس میدان میں دیدارِ خداوندی ہوگا اس کا نام مزید ہے۔

[2] حدیث میں ہے کہ اللہ نے سو رحمتیں پیدا کی ہیں۔ ایک رحمت اس عالم میں اتاری ہے جس سے ماں باپ، اولاد پر، جانور اپنے بچوں اور رحم دل لوگ اپنے بنی نوع پر رحم کھاتے ہیں۔ بقیہ ننانوے رحمتیں عرش کے نیچے چھپا کر رکھ لی ہیں جس سے قیامت کے دن گنہ گاروں پر رحم کیا جائے گا۔

اور سارے ہی ثریا سے ثری تک انوار — ظلمتیں جن سے دبیں اور چھپیں زیرِ حجاب
سب نے اس نورِ حقیقی سے ہی پایا ہے وجود — ورنہ تھا ان کے وجودوں پہ عدم کا جلباب

نورِ نگہ کی عظمت و اہمیت

پر یہ انوار ہیں جس نور سے سارے محسوس — وہ ہمہ نور ہے اک نورِ نگاہِ شب تاب
نورِ باطن کے لیے نورِ نگاہِ باطن — نورِ ظاہر کے لیے آنکھ کا نورِ پُرآب
ساری تعریفیں ہیں اس ہستیِ یکتا کیلئے — جس کی حکمت نے نگاہوں کو کیا عالم تاب
حمد ہے اس کے لیے اور ثنا اُس کے لیے — اور پھر اس کے لیے سارے ہی اچھے القاب

نعت رسالت پناہی

ہو درود اور سلام اس شہِ اقدس پہ مدام — خلق[1] میں نور ہیں، جو امر میں ہیں نورِ کتاب[2]
خلق[3] اور بعث میں ہیں اوّل و آخر لاریب — علم میں ظاہر و باطن ہیں با انوارِ کتاب

---

[1] اقتباس حدیث اول ما خلق اللہ نوری (سب سے اول اللہ نے میرا نور پیدا کیا، یعنی میری نورانی حقیقت پیدا کی) [2] اقتباس آیت کریمہ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (اسی طرح ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی کی جو ہمارے (عالم) امر سے ہے آپ یہ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے لیکن ہم نے ہی اسے (امر اور وحی کو) نور بنا دیا جسے چاہیں ہم راہ دکھلا دیں اپنے بندوں میں سے)۔ [3] اقتباس حدیث اَنَا اَوَّلُهُمْ خَلْقًا وَّاٰخِرُهُمْ بَعْثًا (میں خلقت میں سب سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب سے پچھلا ہوں منہ

وجہ تخلیقِ جہاں ۱؎ روشنیٔ کون و مکاں
اَقْرَبُ ۲؎ الْخَلْقِ اِلَی الرَّبّ بکتاب و بخطاب

منتظر ایسی ہی ہستی کا تھا سارا عالم
ظلمتیں جس سے چھٹیں اور فضا ہو منہ تاب

زمانۂ جاہلیت

ظلمتوں کی تھی وہ بہتات کہ بے روئے اِبا
سر پہ دنیا کے مسلط تھا جہنم کا عذاب

شرک در شرک کی ظلمت تھی جہاں پہ چھائی
بھول کر بھی کبھی توحید کا آتا نہ تھا خواب

راستے رشد و ہدایت کے تھے سارے مسدود
نفس و شیطاں کی عبادت ۳؎ میں تھی دنیا غرقاب

سنتیں نورِ نبوت کی پڑی تھیں مدفون
پیروی راہِ نبوت کی تھی غرقِ گرداب

ظلم در ظلم کی ظلمت کے پرستار تھے سب
جہل در جہل کی ظلمات تھیں بیداریٔ خواب

۱؎ البدایۃ والنہایۃ میں حدیث ہے کہ حق تعالیٰ نے آدمؑ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا لولا خلقت محمدًا لما خلقتك یا آدم (اگر میں محمدؐ کو پیدا نہ کرتا تو اے آدم تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ اور آدم کے لیے ساری کائنات بنائی گئی۔ اس لیے ساری کائنات کے لیے وجہ تخلیق ذاتِ بابرکات نبوی ثابت ہوتی ہے۔ ۲؎ اقتباسِ حدیث لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُہٗ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (قربِ الٰہی میں مجھ پر وہ گھڑیاں آتی ہیں کہ نہ وہ کسی مقرب فرشتہ کے لیے ہیں نہ نبی مرسل کے لیے۔ ۳؎ اقتباس حدیث ان الشیطان قد یئس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب (شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ میری بعثت و تعلیم کے بعد اب جزیرۃ العرب میں اس کی عبادت کی جائے) یعنی شرک قائم رہے جس سے واضح ہے کہ بعثت سے قبل شیطان ہی کی عبادت کی جا رہی تھی)۔

ظلماتِ جاہلیت

ظلمتِ جہلِ فزوں، ظلمتِ اخلاقِ زبوں / ظلمتِ کبر و حسد، ظلمتِ فخرِ انساب
ظلمتِ قتل[1] و نہب، ظلمتِ سفہ[2] و الحاد[3] / ظلمتِ فرقتِ[4] ما بین کا دیوِ غضّاب
ظلمتِ قسوتِ[5] دل، ظلمتِ قتلِ اولاد / ظلمتِ مقطعِ[6] ارحام باندازِ ذِئاب[7]
ظلمتِ حُبِّ شرف[8]، ظلمتِ حبِّ اموال / ظلمتِ حرص و ہوی مثلِ ہوا ہائے ذباب[9]
ظلمتِ فسقِ بروں[10]، ظلمتِ شرہائے دروں[11] / اور وہ ظلمتیں ساری کہ جو ہیں وجہِ عذاب
ظلمتوں کی یہ تہیں اور اندھیروں کا سماں / جمع برسات میں ہوں جیسے بلا کے اسباب
باد و بارانِ مسلسل بفضا ابرِ غلیظ / موجِ دریا، شبِ تاریک بلائے گرداب
ظلمتیں جمع تھیں ارضی و سماوی ساری / اور دنیا ان اندھیروں میں پڑی تھی بدخواب

آفتابِ نبوت کا طلوع

نورِ مطلق سے یہ فریاد زمانے کی ہوئی / کہ کھلے اب کوئی انوار کے فیضان کا باب
آخرش مطلعِ آفاق پہ سورج چمکا / ظلمتیں بیٹھ گئیں جس سے بتمثالِ حباب
تھی محمد کی یہ تابانیٔ انوار کی دھوپ / جس سے ظلمت ہوئی کافور مثالِ سیماب
روشنی انفس و آفاق میں پھیلی ایسی / کوئی چپّہ نہ رہا جس میں نہ پہنچی ہو یہ آب

کائناتِ روحانی کا انقلاب

ان کی آمد سے کھلی چشمِ بصیرت سب کی / اور عبرت کی نگاہوں نے اتارا جلباب

---

[1] لوٹ مار ۱۲ [2] بدعقلی ۱۲ [3] بیدینی ۱۲ [4] آپس کی ناچاقی ۱۲ [5] سخت دلی ۱۲
[6] قطع رحم ۱۲ [7] بھیڑیئے ۱۲ [8] جاہ ۱۲ [9] مکھی ۱۲ [10] بیرونی ۱۲ [11] اندرونی ۱۲

عقل کی آنکھ کھلی سوتے ہوئے دل جاگے | زنگ ذہنوں کا ہٹا، دور ہوئے دل کے حجاب
علم تھا قبر میں مدفون، اٹھا موت کے بعد | علم والوں کے اجاگر ہوئے القاب آداب
آسمانوں سے چلی زور کی وہ بارشِ علم[عہ] | وادی وکوہ و بیابان تھے سارے تہِ آب
بہہ پڑے علم کی ہر نوع کے لاکھوں دریا | ہو گئے جس سے ہر ایک بحر کے مخصوص لقاب[عہ]

پروردگانِ نبوۃ کے اصطلاحی القاب

مسلم و مؤمن و محسن، زرہِ فیضِ ادب | عابد و زاہد و قانت، زرہِ نورِ کتاب
عالم و عارف و غوات و امام و ابدال | مجتہد اور مجدد، نقبا اور اقطاب
مقتصد اور محدث کوئی سابق بالخیر | صابر و شاکر و اوّاہ و حزین و اوّاب
ذو البصر صالح و فانی و شہید و غازی | حافظ و داعی و ذو الأید کوئی حبرِ کتاب
کچھ تقی اور نقی اور صفی و مخلص | مجتبیٰ اور منیب اور کوئی ذو الالباب
صادق الوعد ہیں کچھ اور کچھ اصحابِ یمین | کچھ حکیم اور نجیب اور متوکل اصحاب

عہ اشارہ ہے اس حدیثِ نبوی کی طرف مثلی و مثل ما بعثنی اللہ بہ من الهدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا الخ میری اور میری لائی ہوئی ہدایت اور علم کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بڑی زور کی بارش زمین تک پہنچی اور زمین کے ہر خطہ پر برسی

عہ علم و معرفت کی مختلف نوعیتوں سے جو مقامات قلوب میں پیدا ہوتے ہیں یہ القاب ان کے ترجمان ہیں، جو لغت نہیں بلکہ شرعی اور مذہبی اصطلاحیں ہیں۔ قرآن و حدیث اور کلامِ سلف میں یہ القاب جگہ جگہ بطور اصطلاح کے استعمال کیئے گئے ہیں۔ اس لیئے ان کا لفظی ترجمہ مشکل اور بے فائدہ ہے۔ ارباب فن علماء اکثر ان کو سمجھتے ہیں ۱۲ منہ

کوئی با اُنس مُقرّب کوئی صوفی و فقیہہ
کچھ اصولی ہیں تفقہ کا کھلا جن سے یہ باب

کوئی اقضیٰ کوئی رحمیٰ کوئی فاروقِ عظیم
کوئی صدیق کوئی سیفِ خدائے عتّاب

ہیں یہ عنوان، نشاناتِ مقاماتِ قلوب
نہ کہ تعبیری تزئین کے ہیں رسمی القاب

تربیت سے شہِ اقدس کی کھلے سب یہ مقام
جن سے ذرّات ہوئے ہمسرِ مہر و مہتاب

یہ اگر سچ ہے کہ پہچان شجر کی ہے ثمر
یہ ثمر سامنے صدیوں کے ہیں بے ردۂ حجاب

یہی پروردہ مربی کی ہیں عظمت کے نشاں[1]
جیسے مصنوع سے ہے صانع کا نشانِ نایاب

آبیاری ہوئی اقوام و ملل کی اُن سے
اُمّتِ احمد مرسل ہے انھی سے شاداب

عالمی پیغمبر اور عالمی قانون

عالمی نورِ نبوت تھا، جہانوں میں چلا
پہنچی گھر گھر میں نبوت کی ضیاء شب تاب

عالمی ذاتِ نبوت تھی باعجازِ کمال
عالمی معجزہ علمی تھا، باعجاز کتاب

ختمِ نبوت

اک نبوت ہی نہیں ختمِ نبوت بر دوش
اک صحیفہ ہی نہیں ہاتھ میں اعجازی کتاب

ذاتِ خاتم میں نبوّات کے سارے انوار
ذاتِ قرآں میں ہدایات کے سارے ابواب

کیسے اقوام و ملل میں نہ پہونچتی یہ ضیاء
جبکہ جامع بھی تھی، خاتم بھی تھی ذات اور کتاب

خاتمِ وحیِ خدا، خاتمِ علم و اخلاق
خاتمِ نورِ نبوت، زرۂ علم و کتاب

منبعِ سرِّ سلف، مصدرِ انوارِ خلف
جس سے ہیں سارے نبی اور ولی فیض مآب

عالمی مدح خوانی اور عالمینی نعت

---

[1] عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

آپ خاتم ہیں تو ہیں آپ ہی نبیوں[۱] کے نبی — مدح[۲] خواں سارے رسل ہوں تو نہیں امرِ عجاب

آپ ہیں اسمِ محمد[۳] سے خدا کے ممدوح — یعنی مداح ہے خود آپ کا ربِّ وہّاب

جب کہ ہو مدح سرا آپ کا ربِّ اکبر — ہو کے رہ جاتی ہے سب مدحِ دو عالم بے آب

انبیاء مدح میں جب سارے ہوں دعویٰ بردار — امتیں ساری بھی مداح ہوں کیا اسکی ہے آب؟

جب خدا اور رسل مدح میں مل کر ہوں شریک — مدح خوانی میں مری رہتی ہے باقی کیا تاب

آپ مداحِ خدا، آپ کا مداح خدا — جرأت مدح ہے بعد اس کے سراسر بے آب

مدح خوانی سے ہیں میری شہِ والا، بالا — غیب و شاہد کی مدائح کا اٹھا جب ہو نقاب

مختصر یہ ہے کہ ہیں آپ نبیؐ اور خاتم — انہی دو لفظوں میں پنہاں ہے کمالات کی آب

ہے نبوت تو کمالاتِ بشر کی جامع — خاتمیت ہے نُبوّات کی میزانِ حساب

مدح کے واسطے کافی ہے کہ خاتم ہیں حضور — خاتمیّت ہی میں ہے ساری نبوّات کی تاب

ہوں نہ خاتم تو نہ ہو دہر میں نبیوں کا وجود — خاتمیّت ہے نبوّات کی ام الانساب

خاتمیّت ہے کمالات کا مبداء و معاد — ابتداء آپ سے، ختم آپ پہ ہے وحیِ کتاب

انبیاء، ہوں تو خلائق میں ہیں سب سے بالا — اور خاتم ہوں تو نبیوں میں ہیں معلّی القاب

---

۱ اقتباس حدیث، انا نبیُّ الانبیاء (میں نبیوں کا نبی ہوں) اس لیے بنصِّ قرآن سارے پیغمبروں سے آپؐ پر ایمان لانے کا عہد و میثاق لیا گیا۔

۲ اس حدیث سے خصائص کبریٰ کا اقتباس جس میں خبر دی گئی ہے کہ سرکارِ دو عالم کی نعت اور مدحِ اوصاف، توراۃ و انجیل اور صحفِ سابقہ میں انبیاء کی زبانوں پر جاری ہوئی ۱۲ منہ ۳ مدح کردہ ۱۲۔

خاتمیت کے کمالات کی جب آپ ہیں مہر
سب مدائح بھی ہوئے آپ کے بے ریب و یاب

اس لیئے ختمِ نبوت کا یہ اقرار و یقیں
مدح بے حد کی چکا دیتی ہے کل فردِ حساب

ان پہ دائم ہو درود اور ابد تک ہوں سلام
جس طرح ان کی شریعت بھی ہے تا یومِ حساب

آنکھ آثارِ نبوت کی رہے دید میں غرق
دل محبت میں، زباں صلِّ علیٰ میں غرقاب

اب ہے مقصود کا آغاز پسِ حمد و ثنا
"آنکھ کی ہے یہ کہانی" جو ہے موضوعِ کتاب

تمہید

شکر صد شکر کہ آج عرصۂ دو سال کے بعد[1]
دوسری آنکھ کی بر آئی امیدِ بے تاب

آگیا وقتِ سعید اس کے بھی اپریشن کا
اور کھلنے لگے اس کی بھی نگہ کے ابواب

پردے اٹھنے لگے بائیں کی بھی بینائی کے
واقعہ بننے لگا اس کی بھی بینائی کا خواب

اُٹھ رہا آج ہے بائیں سے یہ احساس کہیں
کہ وہ دائیں سے نہیں بلکہ ہے قیدِ حجاب

چشمِ چپ کی بھی نظر آج ہے اونچی کہ وہ ہو
دائیں جیسی کہ نہ ہو اس پہ کوئی بندِ نقاب

شکوۂ چشم

بائیں کو دائیں سے شکوہ تھا کہ یہ فرق ہے کیوں
ایک محرومِ بصر، اک کی نگاہیں شب تاب

ایک آزاد نظر، اک کی نظر پہ بندش
منکشف ایک پہ سب دوسری پابندِ حجاب

---

[1] دائیں آنکھ کا آپریشن ۱۹ جنوری ۱۹۶۳ء کو ہوا تھا اور بائیں آنکھ کا ۹ دسمبر ۱۹۶۴ء کو تقریباً دو سال کے بعد ہوا۔ ۱۲ منہ

ایک ہو نور فشاں، ایک ہو ظلمت کا نشاں — آبدار ایک رہے، ایک رہے مثلِ سراب
ایک ہو عالمِ دیدار میں مطلق مختار — ایک خود فعلِ نگہ میں بھی ہو مجبورِ حجاب
سُرخ رو ایک ہو، ہم چشموں میں بارونقِ چشم — زرد رو ایک رہے جس میں گھسا ہو زرِ آب
اک غنی ہو بہ بصر، ایک ہو محتاجِ بصر — ایک ہو راہ نما، ایک کی رہ قید و حجاب
یہ تفاوت، یہ تفرّق یہ دُوئی اور تفریق — بے دلائل ہیں نہیں ان میں کوئی وجہِ صواب

شکوۂ چشم کی حجتیں

لیکن آنکھوں کی مساوات بصر اور نظر — ایسی فطرت ہے، نہیں کوئی دلیل اس کا جواب
اس میں تکوین بھی، تشریع بھی ہے حجۃ چشم — جس سے ثابت ہے کہ یہ فرق خطا ہے نہ صواب

تکوینی حجت

کیونکہ دو آنکھیں ہیں احکامِ نظر میں واحد — دو کی ہے ایک نگہ ایک ہیں اس کے اسباب
خلقۃً آنکھوں میں ہے وحدۃ آثار و عمل — جس سے آنکھوں کو دوئی کا کبھی آتا نہیں خواب
ایک ہی اصل کی دو فرع ہیں دونوں آنکھیں — جمع ان دونوں میں وحدت کے ہیں سارے اسباب
اصل نور ایک ہے راہیں مگر اس کی دو ہیں — یہ کھلی آنکھیں ہیں راہوں کے کھلے دو ابواب
دیکھتی دو ہیں مگر دو کی نظر ہے واحد — دید و دیدار میں دونوں ہیں مساوات مآب
چشمۂ نور ہے ایک آنکھیں ہیں اس کی نہریں — ایک بُو، ایک مزہ، ایک ہی رنگ ایک ہی آب
نورِ ابصار کی وحدۃ سے ہے ابصار بھی ایک — نورِ واحد سے ہے دونوں کے نظارے کا حساب
دونوں ناظر ہوں اگر، دو نہیں ہوتے منظور — دو کی وحدۃ کا یہ واضح ہے نشانِ نایاب
سارے احکامِ نظر ان میں ہیں یکساں دو ایک — اس میں دیدار ہو، یا بندشِ دیدار کا باب

وحدتِ بصر کے شواہد و نظائر

ایک کھلتی ہے تو کھلتی ہے معاً دوسری ساتھ
ایک ہو بند تو ہوں دوسری کے بند ابواب

ایک جاگے تو معاً دوسری جاگے گی ضرور
ایک سو جائے تو ہو دوسری گرویدۂ خواب

ایک اٹھے گی تو اٹھے گی معاً دوسری ساتھ
نظر و دید کا دونوں کے ہے واحد جلباب

نہیں ممکن کہ رہیں راحت و کلفت میں الگ
اک رہے جاگتی اور دوسری آسودۂ خواب

خیرہ ہوتی ہیں تو ساتھ اور چمکتی ہیں تو ساتھ
ایک ہی رنگ سے ہے دونوں کا نورانی حجاب

دونوں اٹھتی ہیں تو ساتھ اور دبکتی ہیں تو ساتھ
ایک ہی طور سے دونوں کا ہے در پردہ حساب

بند ہوں گی تو معاً اور کھلیں گی تو معاً
دونوں آپس میں ہیں وابستۂ بیداری و خواب

دیکھتی ہیں تو معاً اور نہ دیکھیں تو معاً
فعل و ترک ایک ہے اور ایک ہی دونوں کا حساب

پُتلیاں آتی ہیں حرکت میں تو ایک ساتھ بہم
کھلتے بند ہوتے ہیں اک ساتھ پوٹوں کے حجاب

چشم نم ہونے میں دونوں ہیں برابر کی شریک
ایک گریاں[1] ہو تو کب دوسری ہو خندہ آب[2]

چند قطرے بھی ٹپک جائیں کسی ایک سے گر
دوسری ساتھ برس پڑتی ہے مانند سحاب

سرمو ان میں تفاوت کسی درجہ میں نہیں
دونوں وابستۂ باہم ہیں خطا ہو کہ صواب

دو کے دو ہوتے ہوئے جبکہ سب احوال ہیں ایک
دو کے ایک ہونے میں کیا باقی ہا استعجاب؟

وحدتوں کی ہے یہ کثرت کہ بجز وحدہ کے
آنکھ میں جنس دو رنگی کا تصور ہے نہ خواب

وحدتوں کے ہیں یہ انبار جب آنکھوں میں لگے
پھر ہے کیا وجہ کہ ہو ایک صحیح، ایک خراب

شرعی حجت

یہ تھی تکوین، شریعت کا جہاں تک رُخ ہے
وہ بھی یہ ہے کہ کھلے انہیں مساواۃ کا باب

---

[1] رونے والی ۱۲ [2] ہنسنے والی ۱۲۔

کیونکہ ایک اصل کی جب شاخ ہوئیں دو آنکھیں
تو وہ دو بہنیں حقیقی ہوئیں بے ریب و ریاب[1]

ایسی صورت میں ہمارے لیے جائز ہے یہ کب
ان میں تفریق کے رہنے دیے جائیں اسباب

عدل واجب ہے، اور ان دونوں میں تفریق ہے ظلم
دفعِ فرقت کے ہوں جب سارے مہیّا اسباب

ایک بینا ہے اور دوسری نابینا ہو
کیا یہ تفریق کے مفتوح نہیں ہیں ابواب

کیا یہ ایک اصل کی دو بہنوں کی تفریق نہیں؟
کیا نہیں ہے صلۂ رحم کا شرعی ایجاب؟

جمعِ اُختَین[2] بھی ہو موجبِ تفریق اگر
وہ بھی ممنوع ہے اور موجبِ اسبابِ عتاب

سطحِ پیشانی پہ دو بہنیں ہیں دونوں آنکھیں
ان میں لازم ہیں مساوات کے سارے اسباب

ایک بن جائے رہے دوسری آزار میں قید
یہ مساوات پہ ہے ظلم، جو ہے وجہِ عقاب

یوں بھی ہر ردگ کا ہے شرع میں مسنون علاج
کہ کیے جائیں ہر اک مرض کے زائل اسباب

کوئی بھی ردگ ہو ہے اس کی دوا بھی مخلوق
ہے ہر اک شے میں شفا گرچہ ہو مکھی کا لُعاب[3]

بلکہ مکھی کے ہے جوہر میں بھی درد اور دوا
ایک داء[4] ہے تو دوا دوسرا بازوئے ذباب[5]

شرعی حجت سے یہ ہے آنکھ کا شکوہ معقول
اس سے انکار بلاشبہ ہے سامانِ عذاب

---

[1] شک و شبہ ۱۲ [2] دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا ۱۲ [3] قرآنِ حکیم میں شہد کو شفاء فرمایا گیا ہے۔ فیہ شفاء للناس۔ اسی کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔ [4] حدیث میں ہے کہ کھانے پینے کی چیز میں اگر مکھی گر جائے تو اُسے ڈبو کر پھینکا جائے، وجہ یہ فرمائی گئی ہے کہ فان فی إحدیٰ جناحیہ داء وفی الاخریٰ دواء (اس کے ایک بازو میں مرض ہے اور دوسرے میں دوا ۱۲ [5] مکھی ۱۲۔

حُسنِ منظر کی حجّت

ساتھ ہی حُسنِ ظواہر بھی ہے دنیا میں اہم
شکل و صورت ہی سے بنتی ہے تعارف کی کتاب

صورت اچھی ہو تو ہے اچھی حقیقت کا نشاں
اور بھدّی ہو تو ہے بھدّی حقیقت کا نقاب

آنکھ تھی دائیں مہِ نو بشکلِ زیبا
بائیں بدرنگ تھی تھا اس میں نمایاں زرِ آب

دو کے منظر میں نہ جب باقی رہے یکسانی
ایک سے ایک کا شکوہ نہیں کچھ امرِ عجاب

منظرِ خوش کی تباہی بھی تھی شکوے کی دلیل
جس سے کھاتی رہی یہ چشمِ چپیں[1] پیچ و تاب

بائیں مدت سے تھی محرومِ جمالِ منظر
موجزن اس میں تھے شکووں کے مسلسل گرداب

اس کا کہنا تھا کہ دو چشم ہیں حکماً جب ایک
حکمِ بینائی میں پھر کیوں ہیں دوئی کے اسباب

منظرِ خوش کا تقاضا ہے کہ دونوں آنکھیں
نہ رہے ان میں کوئی ایک بھی بے رونق و آب

ورنہ پھر حُسنِ جبیں حسنِ رخ و حسنِ نظر
سب جمالات یہ رہ جائیں گے ہو کر بے آب

یہ تناسب، یہ توازن، یہ جمالِ منظر
دونوں آنکھوں ہی کی ہیں آب سے سارے شاداب

رونقِ حسن ہے نام ان کی ہی یکسانی کا
ہو نہ یکسانی تو سب حسن ہے پامال و خراب

اس لیے منظرِ خوش بھی ہے طلبگار اس کا
چشمِ بیمار بہر کیف بنے صحّت یاب

فلسفۂ تاثیر و تأثر کی حجّت

ساتھ ہی ان میں ہے تاثیر و تأثر بھی بہم
ایک پر ایک مؤثر ہے بدیر و بہ شتاب

وحدۃ اصل تھی آنکھوں میں اساس و بنیاد
جس سے مفتوح ہوا وحدۃ آثار کا باب

دونوں آنکھیں ہیں تأثر میں برابر کی شریک
خواہ صحّت ہو کہ ہو مرضِ نزولِ زرِ آب

---

[1] بائیں آنکھ ۱۲

قوت وضعف میں ہیں لازم وملزوم بہم
دونوں آنکھوں میں تعاون کا نہیں کوئی جواب

ایک بھی آنکھ میں آجائے اگر کوئی فتور
دوسری آنکھ بھی ہوجاتی ہے چوں نقش بر آب

آنکھ کو آنکھ سے ملتی ہے نظر میں قوت
دو کی بینش ہی سے بنتا ہے نگاہوں کا نصاب

بند ہو ایک تو ہے دوسری کھلکر بھی ضعیف
دید میں اس کی بھی رہتا ہے کم وبیش حجاب

لاکھ ہو ایک کھلی جب کہ رہے دوسری بند
واشدہ کی بھی نظر میں نہیں آتی تب وتاب

خطرہ تھا جبکہ تھی آنکھوں کی روش عین عین
کہیں ہوجائے نہ اچھی پہ مؤثر یہ خراب

یہ مساواتِ دوچشمی تھی دلائل کی اساس
جس سے مفتوح ہوا بائیں میں ہیجان کا باب

بائیں آنکھ کا خطاب دائیں سے

ان شکایات وبراہین سے ہوکر مغلوب
دائیں سے اس نے کیا بڑھ کے یہ پرزور خطاب

جبکہ ہم ایک ہیں اصل ایک ہے جوہر بھی ہر ایک
ایک رخ ایک جہت ایک عمل ایک حساب

نورِ چشم ایک ہے، منظر بھی نظر بھی سب ایک
پھر ہو کیوں فرق کہ اک مردہ ہو اک ہو شاداب

اس مساواتِ دوچشمی کا تقاضا یہ ہے
بائیں عجلت سے بنے تاکہ ہو شکوے کا جواب

حجۃ وجدان

برطرف سارے دلائل ہے ضمیر اصل دلیل
دائیں کچھ جھک کے کرے خود بھی تو اپنے سے خطاب

ہے بلا بائیں کے گر ضعف کا اسکو احساس
تو یقیناً ہے نظر ثانی کا اس پر ایجاب

دائیں کا خود بھی مفاد اس میں ہے بائیں بنے جلد
تاکہ خود اس سے بھی ہو دور یہ ہلکا سا حجاب

حجتوں کا خلاصہ

الغرض حجتیں جتنی بھی ہیں مثبت ومنفی
نظری ذوقی وطبعی جو ہیں ناطق بصواب

عقل ودیں منظرِ خوش وحدتِ آثارِ نظر
سب کا فتویٰ ہے کہ عجلت سے بنے چشم خراب

اس لیئے بائیں کا یہ شکوہ و غصہ ہے بجا
جس کی بنیاد دلائل ہیں، نہیں فرضی حساب

شکوہ میں حجت و برہان کی قوت ہے چھپی
سامنے عقل ہے اور پشت پہ ہے نقل کتاب

محض تکوین نہیں آنکھ کے حق میں حجت
بلکہ تشریع بھی ایک اُس کی ہے برہانِ صواب

نقشبندیِ خیالات نہیں شکوۂ چشم
شکوہ ان سارے براہین کا ہے لب لباب

شکوۂ چشم کا اثر

اور

جوابِ شکوہ

دائیں کے سامنے جب آئے دلائل یہ قوی
متاثر ہوئی اور بن نہ پڑا کچھ بھی جواب

تھا دلائل کا اثر اور اخوت کا سبب
تلملا اُٹھی نظر آئی بہت ہی بیتاب

بہ تقاضائے دلائل بہ تقاضائے ضمیر
کہہ اٹھی دائیں کہ اب جلد بنے چشمِ خراب

تھے دلائل نظری، پرتھے نظر سے باہر
اب نظر خود متقاضی تھی، جو تھی داخلِ باب

جذبۂ چشم بدیہی، نظری فکر و نظر
دو کے بازو سے عزیمت کا ہوا چاک نقاب

مدعی ہو گئی دائیں کہ بنے دوسری جلد
دے سکے تاکہ وہ ہم چشموں میں شکوے کا جواب

شکوے کا اثر ہاسپٹل میں

چشم سازوں نے جو یہ آنکھ کے تیور دیکھے
آگیا ان کے ارادوں میں عزیمت کا شباب

ہو گئی فنِ جراحت میں بھی پیدا حرکت
اُس کی جانب جو دلائل کا بڑھا یہ سیلاب

مل گئے ہاسپٹل کے بھی عوامل سارے
تھا معالج کا بھی اندازِ تاثر سے خطاب

آنکھ میں آنکھ جو ڈالی تو تاثر سے کہا
ختم ہوں آج سے تاخیر کے سارے اسباب

پردۂ چشم کی حالت کا تقاضا یہ ہے
کہ بنے آنکھ بہت جلد جو ہے آج خراب

چشمِ چپ[1] کے یہ دلائل ہیں نہایت مضبوط
ان دلائل کا مرے پاس نہیں کوئی جواب

فلسفہ اور شریعت ہیں جب اس کے حامی
انحراف ان سے بلاشبہ ہے سامانِ عذاب

سرجری بھی مری جب اس کی مؤید ہے تو پھر
کیسے ممکن ہے گریز اس سے کہ ہو وجہ صواب

آپریشن کے سوا اب نہیں چارہ کوئی
ورنہ ہو جائے گی یہ آنکھ مزید اور خراب

اس لیے جلد ضروری ہے کہ اپریشن ہو
تاکہ بگڑی تو بنے اور بنی ہو مہتاب

اپریشن کی ضرورت اور وقتی موانع

ڈاکٹر کی یہ ہدایت ہوئی تاکید کے ساتھ
کہ برس روز کے اندر ہی یہ ہٹ جائے حجاب

فروری وی سن چونسٹھ کی پئے اپریشن
لیک حائل رہے تاخیر کے عیبی اسباب

اولاً مصر کی دعوت نے رکاوٹ ڈالی
بن گئی آ کے نگہ سازی میں موٹا سا حجاب

پر مقدر تھی اسی ذیل میں حج کی دولت
بن گیا یہ سفر اس واسطے نورانی حجاب

قرۃ عین ملی آنکھ نے ٹھنڈک پائی
آنکھ بننے کے موانع ہوئے خیر الاسباب

مارچ سے تا بہ مئی تھا غرض حائل یہ سفر
اور مئی تا بہ ستمبر رہا گرمی کا عتاب

پھر ستم بر ستم آخر یہ ستمبر میں ہوا
کر دیا درد نے گردہ کے یکایک بے تاب

---

[1] بائیں آنکھ ۱۲

بمبئی کا سفر آخر کو ہوا بہر علاج
جس سے صحت ہوئی اور جان میں آئی تب و تاب

بعد میں اور موانع بھی یکے بعد دگر
چشم سازی میں رکاوٹ رہے بے حد و حساب

آپریشن کی حتمی تاریخ اور علی گڑھ کو روانگی

آخرش ماہِ دسمبر[۶۸ء] کی یکم طے ہو کر
چل پڑے سوئے علی گڑھ مع دیگر احباب

موافق امید کے مفتوح ملا باب حفیظ[۱]
رہے مفتوح صدا بارِ الٰہا یہ باب

ڈاکٹر گپتا کا خیر مقدم

فون سے دی گئی گپتا جی کو آمد کی خبر
خیر مقدم یہ تحیّات سے آیا یہ جواب

میں ہوں خود چشم بَرہ، نظم مدا واہے درست
آپریشن کا بھی میں دونگا بہت جلد جواب

ہاسپیٹل میں بِرزرو آپ کا ہے نمبر وَن
آپ آجائیں مہیّا ہیں خدم اور اسباب

ہسپتال میں داخلہ

دو دسمبر[۶۸ء] کو ہوئے ہاسپیٹل میں داخل
اور ملے جمع نگہ سازی کے سارے اسباب

چھڑ گئے آتے ہی آخر وہ مبادیِ علاج
جن پہ موقوف تھے جرّاحی کے سارے آداب

نو دسمبر کو ہوا آٹھ بجے آپریشن
صبح دم جبکہ محیط ارض و فلک پر تھا سحاب

پیش آئے وہی سابق کے سے حالات سبھی
ان کا تکرار عبث اور ہے فضول اک طناب

جو بھی تھیں کرنے نہ کرنے کی وہ پہلی باتیں
ان کے دہرانے سے بدذائقہ بنتا ہے خطاب

وہی اندازِ علاج اور وہی اندازِ دوا
وہی پرہیز وہی بندشِ آواز و خطاب

ساتھ ہی آنکھ کے درماں کی یہ ساری تفصیل
ہو چکی حصّہ اول میں ہے سب درجِ کتاب

---

[۱] ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صاحب صدر شعبۂ قانون مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو ہمارے میزبان رہے ۱۲

خلاصۂ احوالِ معالجہ

ہاں خلاصہ اگر احوال کا ہو پیشِ نظر ۔۔۔ مختصر طور سے ہیں اس کے یہ کل سات ابواب

دس منٹ کا ہے عمل آنکھ کے اپریشن کا ۔۔۔ ہے یہ اس منزلِ مشکل کا اہم پہلا باب

چت پڑے رہنا ہے چھ گھنٹہ پسِ اپریشن ۔۔۔ ان مراحل کا اہم تر ہے یہی دوسرا باب

ساتویں گھنٹہ میں ملتی ہے کمر کو کروٹ ۔۔۔ جو کہ اس مدتِ احوال کا ہے تیسرا باب

پانچویں روز میں ہے اذنِ نشست و برخاست ۔۔۔ جو کہ اس قصرِ مہمّات کا ہے چوتھا باب

چارپائی پہ سوار آنکھ پہ پٹی ہو چڑھی ۔۔۔ بارہ دن تک کی ہے یہ قید، وہی پانچواں باب

ہاں اسی کا یہ تتمہ ہے کہ جب پٹی کھلے ۔۔۔ آنکھ کے چہرے پہ چڑھ جائے جب ہی سبز نقاب

تین دن زخم کے ٹانکوں کی برآمد کے ہوئے ۔۔۔ اس مداوا کی منازل کا چھٹا ہے یہ باب

اس سے اک ماہ کے بعد آتا ہے چشمہ کا مقام ۔۔۔ سہل تر سارے مراحل کا یہ ہے ساتواں باب

آپریشن کے مہمات کی تلخیص ہے یہ ۔۔۔ سات ابواب کا ہے ڈیڑھ مہینے کا نصاب

بعد میں اور بھی رکھنے ہیں اگر کچھ پرہیز ۔۔۔ احتیاطیں ہیں محض جو نہیں تحت ابواب

خیر و خوبی سے ہوئے پورے یہ ابواب و فصول ۔۔۔ ہو گئی جس سے نگاہوں کی مکمل یہ کتاب

آپریشن کی کامیابی
اور
شکرِ حق جلّ مجدہٗ

شکرِ حق کیسے کروں نعمتِ بینائی پر　　چیونٹی کیسے اٹھائے یہ فلک کا دولاب

نعمتوں کی لاتحدیدی

اے خدا، اے مرے آقائے ولی نعمت　　اے کہ نعمت کا نہیں تیری کوئی صد و حساب
نعمتیں تیری ہیں سب حدِّ عدد سے باہر　　ان میں اک ایک سے بڑھ کر ہی نہیں جس کا جواب
نعمتِ ارض ہو یا نعمتِ افلاک و بروج　　نعمتِ صحنِ زمیں اُس پہ فلک کی محراب
نعمتِ شمس و قمر، نعمتِ باد و باراں　　نعمتِ جوّ و فضا جس پہ نمایاں ہو سحاب
نعمتِ لیل و نہار، ان کا پیاپے یہ ورود　　جو ہے موسم کے تبدل کا سماں در حساب
مہ و خورشید و فلک سیر کی منزل منزل　　جس سے بنتے ہیں زمانے کے سنین و حِساب
پھر موالید و عناصر کی یہ برپا محفل　　جس کے ارکان ہیں مٹّی و ہوا آتش و آب
اس کے حیوان و نباتات و وہ نادر جماد　　ان میں انسان مشرف بخطاب و بہ کتاب
نیز انساں کی ہر اک نعمتِ ظاہر باطن　　جس سے مخلوق پہ تنہا ہے وہی فضل مآب
نعمتِ روح و جسد، نعمتِ فہم و ادراک　　نعمتِ عقل و خرد، نعمتِ الہامِ کتاب
نعمتِ شکلِ حسیں، نعمتِ حسنِ تقویم　　نعمتِ قامتِ زیبا و جبینِ مہتاب
نعمتِ نفس کہ ہے منزلِ تقویٰ و فجور　　جن کے ٹکراؤ سے اٹھتا ہے ترقی کا حجاب

پھر زمانہ کے حوادث کہ وہ سب ہیں نعمت
جس سے اس سارے جہانِ متغیر کی ہے آب

نعمتِ کون و مکاں، نعمتِ احوالِ زماں
نعمتِ خلقِ ثمر، نعمتِ خلقِ اسباب

نعمتِ حسنِ فنا، نعمتِ اسبابِ بقا
نعمتِ منع و عطا، نعمتِ سلب و ایجاب

یہ ہیں اور ان کے سوا لاکھوں ہیں انواعِ نعم
جن کی تعداد کا ممکن نہیں احصاء و حساب

رُخِ باطن میں پھر اک اک کی نہیں ہے کوئی حد
کہ کہاں سے ہے چلی؟ کیسے چلی، کیا ہے حساب؟

شکرِ بے حد اور اس سے عجز

نعمتوں کا تری جس طرح نہیں حد و شمار
شکر بھی چاہیئے ایسا ہی بلا حدّ و حساب

شکر کا ہے یہ تقاضا کہ ہو بے حدّ و عدد
اور انسان سراپا ہے تہ حدّ و حساب

میں بھی محدود ہوں اور میرے قویٰ بھی محدود
شکر پھر کیسے بنے مجھ سے بلا حد و حساب

اللہ کی نعمتوں کی بے مثالی

ساتھ ہی نعمتیں ساری ہیں بلا مثل و بدل
ایک بھی ایسی نہیں ہے کہ بنے اس کا جواب

آسماں ہوں کہ زمیں جنّ و بشر ہوں کہ ملک
کونسی ہے کہ جو رکھتی ہو کوئی اپنا جواب

نعمتِ چشم ہے ان سب میں کہیں بڑھ چڑھ کر
لاجوابی میں نہیں اس کا کوئی مثل و جواب

یوں تو نعمت تری ہر ایک ہے بے مثل و بدل
چشمِ بینا کا مگر ہے ہی نہیں کوئی جواب

شکرِ بے مثالی اور اس سے عجز

نعمتِ چشم ہے جب مثل و بدل سے بالا
شکر بھی چاہیئے وہ جس کا نہو مثل و جواب

بے مثالی سے مگر جب ہوں میں خود ہی عاری
کب ہے ممکن مرے افعال ہوں بے مثل و جواب

لاجوابی سے ہے جب خالی مرا جوہرِ عرض
کیسے ممکن ہے کہ ہو شکر بلا مثل و جواب

الغرض ہو کمِ نعمت، کہ ہو کیفِ نعمت
شکرِ بے مثل و بلا حد کا نہیں بنتا حساب

ادائے شکر کی مشکلات کا حل

شکرِ حق فرض ہے لیکن ہے بہت ہی مشکل
کہ اٹھا بھی سکے اس کا کوئی بارِ اسباب

اک طرف حقِّ تشکّر کی ادا ناممکن
اک طرف ترکِ تشکّر ہے فسوقِ مُرتاب

شکر کی جب ہے ادا اور قضا ناممکن
کیسے ممکن ہے چکائے کوئی یہ فردِ حساب

مرحلہ شکر کا پیچیدہ ہے بالا زعقول
حل ہے صرف ایک، توجّہ بجنابِ وّہاب

غیر ممکن بنے ممکن، ہے زبس ناممکن
ہاں مگر چاہے جب علّامِ شہود اور غیاب

شکر بے حد بھی اگر چاہے یہ محدود بشر
تو یہ ممکن ہے بتوفیقِ الٰہ وھّاب

شکر کے لفظ ہوں یہ جن میں ہے منفی تحدید
شکر تیرا مرے اللہ! بلا حدّ و حساب

غیر محدود ہی ہو جائے گا اس لفظ سے شکر
ہو گا محدود مے، پر ہو گا بلا حدّ و حساب

آخر ایمان ہمارا ہے ازل تا بہ اَبَد
لفظ و نیّت ہی سے بنتا ہے یہ تابیدی حساب

ورنہ انساں نہ ازل سے ہے نہ واجب بابد
اس سے کب بنتا ازل سے یہ ابد تک کا حساب

ایسے ہی شکر ہو "بے حد" ہو بشر خود محدود
لفظ "بے حد" سے یہ ممکن ہے ابد تک کا حساب

غیر محدود ہے ایمان جو محدود سے ہے
یوں ہی محدود سے ہے شکر بھی بیحد و حساب

جیسے ایمان دوامی ہے بالفاظِ دوام
شکر بھی لفظِ "ابد" سے ہے بلا حدّ و حساب

غیر محدود تشکر کے لیے لفظِ "دوام"
ہے حقیقت کا دوام از رہِ فضلِ وہاب

دوسرا اشکال

مگر اشکال سے یہ شق بھی نہیں ہے خالی
لفظ "بے حد" ہے بلا شبہ بلا حدّ و حساب

پر یہ الفاظ بھی اس نے ہی تو سکھلائے ہمیں
ہم تو لفظوں میں بھی محدود تھے با قیدِ حساب

یہ بھی خود اس کی ہی نعمت ہے کہ انعام بھی دے
خود ہی سکھلائے تشکر کے پھر اچھے القاب

یہ بھی نعمت ہوئی اب اس کا تشکر ہے ضرور
کہ یہ توفیقِ تشکر بھی ہے وہبِ وہّاب

اس کا پھر اور تشکر ہو اور اس کا پھر شکر
اس کا پھر شکر ہو یہ سارے ازل کا ہے حساب

غرض ہر شکر سے پہلے ہے نکلتا اک شکر
شکر سے پہلے ہے ہر شکر کا طولانی حساب

یہ بھی طاقت نہیں بندے کو، ہو خود پر سابق
خود کے ہونے سے بھی قبل آئے اُسے شکر کا خواب

قبل کا شکر بھی مشکل ہے ادھر بعد کا بھی
اس لیے شکر کا بنتا ہی نہیں کوئی حساب

اور حاصل یہ نکلتا ہے کہ ممکن نہیں شکر
پر ہے واجب بھی وہ اوپر سے یہ ہے امرِ عجاب

پھر کریں کیسے تشکر؟ ہوا کیسے یہ فرض؟
کیا ہے وہ شکر کا صیغہ کہ چکے فردِ حساب

شکرِ حقیقی

شکر بس یہ ہے کہ ہو شکر سے اقرارِ قصور
اور عنوانِ تشکر کے زباں پر آداب

اعتراف اس کی عطا کا ہو زباں پر جاری
اور تذکارِ عطیات بہ بیداری و خواب

اعترافِ نعمت

لمحہ لمحہ بکرم، گوشہ بہ گوشہ نعمت
نعمتوں کا تری ہر وقت برستا ہے سحاب

آنکھ دے کر کے کیا علم کا دریا جاری
آنکھ لے کر کے دیا حسرت و عبرت کا ثواب

آنکھ دی تو نے دوبارہ یہ ترا فضل و کرم
شکر بر شکر ہے اس قندِ مکرر کا جواب

انقلاب آج بپا تو نے کیا آنکھوں میں
چشمِ کور آج ہوئی نور کا دریا بہ حباب

یا خزانہ تھا نگاہوں کا زمیں میں مدفون
یا فلک پر ہے دواں آج نگاہوں کا شہاب

آنکھ کی آج ہے معراج سرِ بامِ فلک
پل میں آتے ہیں فلک، پل میں ہیں برج اور قباب

قصرِ چشم آج ہے خیمہ فلکِ اطلس کا
دوش بر چشم کے ہے آج قبائے کمخواب

بہ پڑیں آج ہیں نہریں مری بینائی کی
کل جہاں آج نگاہوں میں ہی ہو کر شاداب

چشمِ بد دور ہے محسوس جہانِ محسوس
آج روشن رخِ روشن کے ہیں مہر و مہتاب

شکر میں شکرِ مجسّم بجنابِ حق ہوں
پڑھ رہا آج میں آنکھوں سے ہوں آنکھوں کی کتاب

حمد ہے تیرے لیئے جس کا سزاوار ہے تو
شکر ہے تیرے لیئے جس کا نہ حد و حساب

آنکھ کی طرح مرے دل کو بھی بینا کر دے،
تو مسبّب ہے ترے ہاتھ میں ہیں سب اسباب

جیسے دی تو نے بصارت زہے لطف و کرم
دے بصیرت بھی مجھے اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّاب

شکریۂ اربابِ تعاون

ذرّہ ذرہ میں ہے تیرا ہی خدایا یہ ظہور
تیری ہی جود سے مفتوح ہے تخلیق کا باب

نعمتیں ساری ہی چلتی ہیں خزانوں سے ترے
لیک ملتی ہیں جہانوں میں بذیلِ اسباب

اس لیئے شکر ترا اور وسائل کا ترے
حق واجب ہے کہ حق ہے یہی رسمِ آداب

شکریہ ان سبھی اربابِ کرم کا جو ہوئے
جان اور دل سے معاون زہے اجر و ثواب

مولوی محمد حسن مدرس ابتدائی دار العلوم دیوبند

اور

مولوی کرار حسین فاضلِ دیوبند

اس کٹھن وقت میں خدمت کا ہمہ وقت عمل
جن کا حصّہ تھا جو ثابت ہوئے خیر الاصحاب

ہیں محمد حسن اور دوسرے کرار حسین،
کی شب و روز وہ خدمت کہ نہیں اس کا جواب

شکریہ لفظ سے ہوگا تو وہ ہو جائیگی رسم
اس لیئے راہِ دعا ہے مرے نزدیک صواب

کہتے ہیں نام میں حصہ ہے مسمّی کے لیئے
ہے دعا، نام سے مل جائے انھیں حظ و ثواب

ایک کے نام کے آغاز میں ہے نامِ نبیؐ
رہے آثار سے اس کے وہ ہمیشہ شاداب

ایک کے نام کا آغاز ہے لفظ کرّار
ضو فشاں اس میں ہے حیدر کرّار کی آب

ان کے ناموں کا تتمہ ہے حسن اور حسین ! — زمرۂ نام و لقب ہیں ہیں جو خیر الالقاب
کردے اللہ انھیں شبہ حسن اور حسین — کیا کمی تیرے یہاں تو ہے حقیقی وہاب
ان کی ہو عمر میں اور علم و عمل میں برکت — ان پہ اخلاق و کمالات کی چڑھتی رہے آب
جس طرح میری مدد پہ وہ رہے آخر تک — ان کا یا رب تو مددگار ہو تا یوم حساب
اس کٹھن راہ میں پھر جو بھی مددگار ہوئے — مستحق شکر کے ہیں میرے بلا حد و حساب

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن

صدر شعبۂ قانون مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

خاص کر مخلص و دمساز حفیظ الرحمٰن — جو علی گڑھ کی ہیں محفل کے رئیس الاحباب
معدنِ صدق و صفا، مخزنِ اخلاص و وفا — صاحبِ دانش و اوصاف و کمالِ نایاب
مرکزِ مہر و وفا چشمۂ الطاف و عطا — روحِ تسکین ہے امن و سکونِ احباب
منبع لطف و کرم محورِ اخلاق و شمیم — تشنہ کامانِ محبت کے لیے جرعۂ آب
دوستوں کے لیے اک سایۂ ابرِ رحمت — اور امید کی کھیتی کے لیے فیضِ سحاب
میری ہمواری و دلداری و غمخواری میں — رہے ممدوح ہی آگے چہ حساب و چہ کتاب
رسمی انداز سے بالا ہے تشکر ان کا — دل ہو ممنون تو الفاظ سے رسمی ہے خطاب
میں ہوں ممنون خدا ان کو صلہ دے اس کا — اور وہ اس کی جزا پائیں بلا حد و حساب
آنکھ بننے میں ہے جن کا بھی تعاون شامل — اچھی دنیا انھیں دے ساتھ ہی دے حسنِ مآب
میں ہوں ممنونِ کرم درجہ بدرجہ سب کا — سب ہی ثابت ہوئے یاں مثلِ رفیق و احباب

شکریہ عملۂ ہسپتال

ہاسپٹل کی مہمات کا سارا عملہ — پیش آیا بعنایات مثالِ احباب

سب کے سینوں میں تھی الطاف و کرم کی پونجی
جبکہ ہے ایسے اداروں میں یہ پونجی نایاب

ہاسپیٹل کے ملازم ہوں کہ خدامِ عمل
پھر وہ ماتحت ہوں یا ہوں رفقاء و اصحاب

سب کے سب کارگذار اور ہیں سب فرض شناس
جذبۂ خدمتِ بیمار میں یکسر غرقاب

مسٹر موہن للت شرما کمپاؤنڈر

قابلِ ذکر ہیں شرما جی کہ جن کا اخلاق
عام عملے کے ستاروں میں ہے مثلِ مہتاب

موہ لیتے ہیں دلوں کو کہ ہیں آخر موہن
موہنی صورتیں ہوتی ہیں بھلائی کا نقاب

ہیں للت کیونکہ انھیں مہر و عنایت کی للت
للت ہے کیا خوب مریضوں کی شفا کا ہے حساب

آنکھ میں شرم و مروت ہے نگہ میں ہے کشش
نہیں شرما جی کی اس شرم حضوری کا جواب

روشنی پھیلتی ہے آنکھ میں ان کے ہاتھوں
جبکہ ہے اُن کے ہی ہاتھوں میں دواؤں کا حساب

ڈھونڈھتی رہتی ہیں ہر وقت نگاہیں ان کو
جیسے ہو پیاس کو مطلوب سرِ کاسۂ آب

بولنا ان کا چھپی آنکھ کے حق میں ہے شفا
آنکھ بے دیکھے انھیں دیکھتی ہے زیرِ حجاب

صبح و شام آکے خبر گیریٔ بیمار ہے کام
جس سے بیمار کبھی ہو نہیں پاتا ہے خراب

منتظر میرے تشکر کے نہیں ہیں شرما
وہ ہیں خدمت میں مگن اور غنی از القاب

میں ہوں ممنونِ کرم اور بدل شکر گذار
شکریہ لفظ سے بالا ہے نہیں لفظی حساب

مسز لے، لال نرس (مسیحی)

نرس خوشخو مسز لے لال بھی ہیں لائقِ ذکر
جن کی شفقت ہی سے بنتی ہیں نگاہیں شب تاب

ہمہ اوقات دواؤں کا مہیا کرنا
ان کی خدمات کا ہے سب سے نمایاں یہ باب

خدمتیں ان کی ہیں اک مادرِ مشفق کی طرح
بحرِ مذہب میں ہمہ وقت سراسر غرقاب

کام قدرت نے دیا ان کو مسیحائی کا
وہ مسیحی ہیں مسیحا ہوں تو کیا استعجاب

دمِ عیسیٰ سے تو ہو جاتے تھے اندھے بینا
ان سے ہو جائے نگہ صاف تو کیا امرِ عجاب

میں بدل سسٹر خوشخو کا ہوں ممنونِ کرم
نقشِ دل انکی ہے خدمت جو نہیں نقش بر آب

ڈاکٹر ایم، کے گپتا

(چیف میڈیکل آفیسر گاندھی آئی ہسپتال)

ہاسپیٹل میں نگہ سازوں کے ہیں افسر کُل
شری گپتا کہ نہیں فن میں کوئی ان کا جواب

مرکزی ذات ہے گپتا جی کی اور مرجعِ کل
جن کے ماتحت ادارے کے ہیں سارے اصحاب

حکم ان کا ہے رواں سب پہ واں سب پہ عمل
معترف جن کے ہے اخلاق کا ہر شیخ و شباب

ہاسپیٹل کا علاقہ ہے حکومت ان کی
اس علاقہ کے ہیں گویا وہی رانا پرتاب

سب پہ حاوی ہیں مگر ظلِّ ہما کی مانند
سب پہ ہیں سایہ فگن جیسے سروں پر ہو سحاب

ان کے ممنون ہیں یاں سارے مریضانِ نگاہ
ان کی ذات آنکھ کی ٹھنڈک کیلئے ہے مہتاب

ذات میں ان کی کشش، کام میں ان کے الفت
ہاتھ میں نرمیٔ ورم، بات میں ہے قند و گلاب

اس پہ خوش خلقی و خوش ذوقی کا ساماں ہے مزید
جس سے آجاتا ہے بیمار کی آنکھوں میں شباب

خوئے قانون میں مخلوط ہے بوئے اخلاق
نرمی و لطف میں آمیختہ اندازِ عتاب

ہو کے اونچا جو جھکے روحِ شرافت ہے یہی
اور یہ روح ہے گپتا میں چو خوشبوئے گلاب

آنکھ کھل جاتی ہے بندھ جاتی ہے پوری امید
آکے جب کہتے ہیں گپتا کہ جناب عرض آداب

ان کے آنے سے ہی کھل جاتی ہیں آنکھیں یکسر
پی کے پھر آبِ شفا بنتی ہیں مخمورِ شراب

جب وہ آتے ہیں تو کھل جاتی ہے چشمِ بیمار
اور جاتے ہیں تو چھپ جاتی ہے پھر زیرِ نقاب

آنکھ کے واسطے بیداری ہے ان کی آمد
اور غنیمت ہے نگاہوں کا سراپردۂ خواب

آنکھ پہچانتی ہے ان کو اگر بند بھی ہو
آنکھ میں ہیں وہ رچے مثلِ نگاہِ شب تاب

آنکھ کی راہ سے گپتا نے جہاں کھول دیا
کیا شبہ ہے کہ وہ ہیں از رہِ فن عالمتاب

جا بجا تارِ نگہ نے یہ خبر تازہ دی
جلد حاضر ہوں مناظر بدرِ چشمِ پُرآب

ڈاکٹر اور بھی ہیں اور نگہ ساز بھی اور
پر کہاں بات وہ گپتا کی مہارت کی جناب

چشم سازی کی مہارت میں ہیں یکتا گپتا
دشمنِ چشم کا کرتے ہیں وہی خانہ خراب

کس کو ہو یاں یہ تصور کہ وہ لاوارث ہے
جبکہ بیمار یہاں رہتے ہیں مثلِ احباب

ہے مریضوں پہ یہاں شفقت و تنبیہ بہم
جیسے جرّاحی و مرہم کا ہے مخلوط نصاب

ہے یہ خوبی کی فضا عملہ کی خوبی کا اثر
اور عملہ میں ہے گپتا جی کے اخلاق کی آب

گپتا جی اور عملہ کا شکریہ

میں سرِ چشم سے گپتا جی کا ہوں شکر گذار
نہیں کوتاہیٔ لفظ ان کے تشکر میں حجاب

شکریہ کے لیئے الفاظ نہیں ملتے مگر
حاجتِ لفظ نہیں دل کے جب اُٹھ جائیں حجاب

شکر جب لفظ سے بالا ہو تو لفظوں کی تلاش
شکر کے حق میں سراسر ہے یہ توہین و سباب

آپ اور آپ کے ماتحت یہ سارا عملہ
ہیں اسسٹنٹ کہ خدام عمل یا اصحاب

شکریہ ان کا بلا لفظ کے ہے دل کی صدا
دل ہی گویا ہو تو پھر لفظ ہے خود ایک حجاب

جذبۂ شکرِ دوامی کا یہ جذبہ لے کر
لوٹے آخر کو علی گڈھ سے بفضلِ وہّاب

علی گڈھ سے واپسی

اب کے بھی یاں سے ہوئی واپسی چھبیسویں دن
یوم شنبہ کو لگا بندھنے ہمارا اسباب

تھی یہ چھبیس دسمبر سنِ چونسٹھ سن تھا
ماہِ شعبان تھا تیرہ سو چُراسی کا حساب

نو بجے تھے کہ ہمیں لے کے چلی موٹر کار
دیوبند کو تھی رواں، اور دواں تھی بہ شتاب

پورے چھبیس دنوں کی یہ مشقت بعلاج
بن گئی آنکھ تو تھی چشم زدن میں دریاب

وصول ۱۲

پانچ چھ گھنٹے لگے راستہ میں دیبن[۱] تک | جابجا راہ میں ملتے گئے اپنے احباب
شکر حق عافیت و خیر سے سب گھر پہنچے | سب مسرت سے ملے جمع تھے سارے احباب
یہ سفر ختم ہوا اور یہ مہم پوری ہوئی | شکر اس ربّ دو عالم کا بلا حدّ و حساب

دیو بند اور علی گڈھ

دیوبند سے جو چلے نور نگہ تھا مستور | دیوبند آئے علی گڈھ سے تو تھا وہ شب تاب
دیوبند نے تو مجھے روشنی دل کی بخشی | اور علیگڈھ نے کیا آنکھ کو روشن مہتاب
مرکزی ہیں یہ مقامات ہیں ان میں آثار | علمی حلقوں کے لیئے ہیں فلکی اسطرلاب[۲]
ایک ہے مرکز دل دوسرا ہے مرکز فکر | دین و دانش کی انہی دونوں سے بنتی ہے کتاب
ایک ہے تربیت روح کی غیبی قوت | ایک سے تربیت جسم کا مفتوح ہے باب
ایک عقبیٰ کا کمال ایک ہے دنیا کا جمال | بنتی ان دو ہی سے ہے صحت دارین کی آب
ایک سے عقل معاش ایک سے ہے عقل معاد | دین و دنیا کا انہی دو سے مکمل ہے نصاب
ایک ہے دل کی شفا ایک دماغوں کی دوا | مضمر ان دو ہی میں ہے قوت و شوکت کا شباب
کوئی ایک ان میں نہ ہو، ہوگا یہ دنیا کا اندھیر | جیسے گردوں پہ واں مہر نہ ہو یا مہتاب
دل نہ ہو گر تو کمالات کا سورج ہی غروب | سر نہ ہو گر تو جمالات کا رخصت ہے شباب

---

[۱] دیبن اصل نام تھا جس سے دیوبند بن کر مشہور ہو گیا۔ [۲] فن ہیئۃ کی اصطلاح میں اسطرلاب اس کروی نقشہ کو کہتے ہیں جس سے آسمانی ستاروں کے مقامات اور رفتار و گردش کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ان اداروں سے علمی مخفیات اسی طرح کھل جاتی ہیں جیسے اسطرلاب سے فلکیات کی مخفیات نمایاں ہو جاتی ہیں ۱۲۔

دل نہ ہو گر تو فراست کی ہے دنیا تاریک — سر نہو گر تو قیادت کا نہ مفتوح ہو باب
گر نہو ہاتھ میں دنیا تو ہو حرماں نصیب — اور نہ ہو دین تو دارین کا خسران و عذاب
شرط ہے ایک کہ معیار رہو ہر چیز کا دین — اور مقصود ہو قربت کہ ملے اجر و ثواب
الغرض مجھ کو دیا ایک نے دل ایک نے آنکھ — دل دماغ ان کو بھلا دیں تو ہے امین تاب
ان مقامات کی عزت مرے دل کا ہے سرور^ع — ان کی توقیر ہے خود اپنی ہی عزت اور آب

ع یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہو گی کہ دیوبند، ندوہ اور علیگڈھ کے بارے میں لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے ایک قطعہ ارشاد فرمایا تھا جن میں ان تینوں مقامات دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی الگ الگ پوزیشن واضح کرتے ہوئے ان کے درمیانی فروق پر روشنی ڈالی تھی۔ دیوبند کو دل، ندوہ کو زبان اور یونیورسٹی کو پیٹ سے تشبیہ دی تھی، فرمایا تھا:۔

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند — اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
اب علی گڈھ کی بھی تم تشبیہ لو — اک معزز پیٹ بس اس کو کہو

اس قطعہ سے علی گڈھ کے بارے میں استخفاف اور قدرے توہین کا پہلو نکلتا ہے، اس وقت کے کچھ حالات بھی ایسے تھے لیکن آج کے علی گڈھ کے حالات بالکل دوسرے ہیں۔ کل تک اس کا مشن علماء کے ساتھ استہزاء تھا اور آج اس میں علماء کی طلب و توقیر کا پہلو غالب ہے، آج اس کی اگزیکیٹو کونسل کے اراکین میں علماء کا ایک اچھا خاصا عنصر شامل ہے جس میں مصنفِ نظم حضرت مدظلہٗ کا نام بھی درجِ فہرست ہے۔ ممدوح کی وہاں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ ان سے اثر لیتے ہیں، بلکہ ممدوح کی ربا قی برصفحہ ۲۲۰

ہے دعا ان سے منور ہوں صدا قلب و دماغ　　روشنی بخش رہیں دونوں یہ مہر و مہتاب
ثابت اسلام کی قوت کیلئے ہوں یہ ستون　　شوکت اسلام کی ہو انسے دوامًا در یاب
رہیں اغیار کے فتنوں سے ہمیشہ محفوظ　　اور محافظ ہو سدا ان کا خدائے وہاب

خاتمہ

نظم کا خاتمہ آغاز کی مانند ہے حمد　　جس کا اللہ کی جانب سے ہے سب پر ایجاب
حمد ہی اولِ[ع] آیت ہے بقرآنِ مبین　　حمد ہی آخرِ دعوٰی[عہ] ہے بالفاظِ کتاب
حمدِ حق ہی سے کہانی کا ہوا تھا آغاز　　حمدِ حق، منّتِ حق ہی پہ ہے اب ختم کتاب

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۹) بعض تقریریں جیسے "سائنس اور اسلام" کو خود یونیورسٹی نے شائع کیا اور اس کے علمی حلقوں نے اسے قبول کے ہاتھوں لیا۔ اس لئے ممدوح نے اکبر الٰہ آبادی کے اس قطعہ میں تھوڑا سا تغیر اور تصرف کر کے اس میں سے استخفاف کا پہلو نکال دیا اور توقیر کا پہلو شامل کر دیا ہے جو اس نظم زیر نظر میں بھی "دیوبند اور علی گڈھ" کے عنوان کے تحت نیچے آئے ہوئے اشعار سے واضح ہے۔ ہم ناظرین نظم کی دلچسپی کے لیے ممدوح کا وہ تصرفِ خیر درج ذیل کرتے ہیں:-

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند　　اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند
ہے علی گڈھ اک دماغِ فکرمند　　قوم ان تینوں ہی سے ہے ارجمند

محمد اسلم قاسمی

[ع] یعنی الحمد للہ رب العلمین ۱۲ [عہ] اقتباس آیتِ کریمہ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین ۱۲

دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند

بہ تلمیح اسمار عہدیداران اہتمام

سنہ ۱۳۸۲ھ میں جب حضرت مدظلہٗ کی تحریک پر دفتر اہتمام کی عمارت کی توسیع عمل میں آئی اور دفتر اہتمام کی جدید تعمیر دفتر محاسبی کے بالمقابل تیار ہوئی تو حضرت مدظلہٗ نے بطور ہدیۂ تبریک و حوصلہ افزائی ذیل کی نظم عہدیداران اہتمام کے سامنے پڑھی جس میں اُن کے ناموں کی تلمیح کے ساتھ ان کے کاموں کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی ہے تلمیح کردہ اسمار عہدیداران حسب ذیل ہیں جو نظم میں برنگ صفات مذکور ہیں :-

۱۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم

۲۔ مولانا مبارک علی صاحب نائب مہتمم

۳۔ مولانا عبدالحق صاحب پیشکار اہتمام

۴۔ منشی سید محبوب رضوی صاحب محافظ دفتر

۵۔ منشی افضل الٰہی صاحب ٹائپسٹ اہتمام

۶۔ منشی آفتاب حسین صاحب محرر اہتمام

۷۔ منشی محمد شمیم صاحب مترجم انگلش

۸۔ حافظ اسرائیل صاحب چپراسی اہتمام

۹۔ خان رشید احمد خان صاحب نگران دفتر

ہے دفترِ اہتمام کیا خوب — کاموں کا عجب ہے اُس کے اُسلُوب
ہر کام میں صدق اور امانت — ہر گام رواں بحسن اُسلوب
کاموں میں خلوص جلوہ پیرا — ہر کام اٹل چو صبرِ ایُّوب
ہر کار گزار ہے پیکرِ صدق — ہر اک کے عمل کا ڈھنگ مرغوب
دفتر کا شعار سمع و طاعت — ہے مرجعِ امر مثلِ یعسوب
دفتر کا ہر ایک گوشہ روشن — بے خیرہ چمک بطرزِ محبوب

دنیائے حلال و دینِ طیّب[1] — ہیں جمع یہاں بحدّ مطلوب
حق گوئی میں سارے عبدِ[2] حق ہیں — حق بینی ہر ایک کا ہے مطلوب
کاموں کے نہج میں سارے افضل[3] — ہر کام کی ادا ہے محبوب[4]
ہر کام چو آفتابِ[5] روشن — ہر مسئلہ صحیح بطرزِ مطلوب
دفتر کی شمیم[6] روح پرور — بارانِ وفائے کل سے مرطوب
ہر اہلِ عمل رشید[7] و حافظ[8] — دفتر کا تحفظ ان میں مجلوب

دفتر کو یہ خوبیاں مبارک[9]
ہو عاقبت اس کی خوب و محبوب

منظوم سارٹیفکیٹ

برائے محاسبی دارالعلوم دیوبند

سنہ ۱۳۸۵ھ کا نو لاکھ کا بجٹ منظور ہونے پر حضرت مدظلہٗ نے بحیثیت مہتمم تمام شعبہ جات دارالعلوم اور بالخصوص محاسبی کے پورے عملہ کو بطور اظہار مسرت دعوتِ چائے وشیرینی دی اور اس موقعہ پر یہ نظم بطور ایک منظوم سارٹیفکٹ کے خود پڑھ کر سنائی جس سے تمام شرکاء دعوت غیر معمولی طور پر محظوظ ہوئے

دل میں ہے محاسبی کی توقیر — کھلتی ہے ہماری جس سے تقدیر
جتنا بھی ہے رزق جس کا مقسوم — قاسم ہے محاسبی کی تدبیر
قسمت کا ہر ایک کے نوشتہ — قرطاس پہ اُس کے سب ہے تحریر
رزّاق ہے خالقِ دو عالم — کاسب کی مگر ہے شرط تدبیر
قسّامِ ازل ہے حق تعالیٰ — مقسوم مگر ہے تن بہ تدبیر
تدبیر محاسبی ہے تقسیم — تقسیم محاسبی ہے تقدیر
قسمت کا لکھا اگر اٹل ہے — ہے اُس کا لکھا اٹل کی تفسیر
تحصیلِ معاش کا سہارا — ہے کلکِ محاسبی کی تحریر
اربابِ محاسبی ہیں گویا — منجملہ کاتبانِ تقدیر
جو رزق ازل سے ہے مقدر — ہاتھوں میں ہے اُن کے اسکی تحریر

ہے ان کے قلم سے اُس کی تقسیم — گویا یہ قلم ہے کلکِ تقدیر
سرمایۂ اعتماد و ایقاں — چٹھوں کے محاسبی کی تحریر
کھاتوں کے صحیح اندراجات — اس گھر کی ہے اصل یہ ہی تعمیر
اس سے ہی ہے اطمینان قائم — کتنا بھی ہو علم دیں ہمہ گیر
ہے دارالعلوم کی ضمانت — اس کی ہی دیانتوں کی تکثیر
آجائے ذرا بھی اس میں گر فرق — جائے گی بگڑ یہاں کی تقدیر
ذمّہ ہے محاسبی کا بھاری — وابستہ ہے اس سے سب کی تقدیر

واحد ہیں جہاں میں عبدِ واحد — جن سے ہے محاسبی کی تعمیر
اخلاق سے، نکتہ سنجیوں سے — کرتے ہیں دلوں کو خوب تسخیر
چہرے پہ شگفتگی کے آثار — ہیں زندہ دلی کی زندہ تصویر
باتوں میں سخا ہے۔ مال میں بخل — لینے کے دھنی۔ عطا سے دلگیر
خازن کی ہے گو صفت یہ محمود — کچھ اس پہ نہیں ہے دار و گیر
پر جودِ جنابِ ناظمِ امر — ہو جاتی ہے تہمتوں کی جاگیر
منصب میں اگر ہے بخل محمود — ہے نفس کا بخل محلِّ تنفیر
اُس سے بھی بچاؤ ہے ضروری — گو دل میں رہے غموں کی توفیر
کیا شکل ہو اس کی سوچ لیں خود — تقلیل ہو اس میں یا ہو تکثیر
ہیں ان کے شفیع[1] سیّدِ نیک — جن سے ہے حساب کی تباشیر

---

[1] اشارہ ہے سیّد شفیع۔ تحویلدار محاسبی۔

اخلاق و مروت و محاسن
ان سے ہیں معانق اور بغل گیر

سنجیدہ سخن دیانت آثار
حلم و کرم و حیا کی تصویر

پھر سارے محاسبی کے عُمّال
ہیں نقرہ و زر کی ایک زنجیر

عالم ہوں کہ ہوں تقی و عارف
زنجیر یہ سب کی ہے گلوگیر

مجبور ہیں اس میں سب بندھے ہیں
بے زر نہیں علم کی ہے تعمیر

چارہ ہے محاسبی سے کس کو
بے زر کے ہر اک بشر ہے نخچیر

حصہ ہے ہر ایک کا مقدر
ہے سطح۔ محاسبی کی تدبیر

ہے حق پہ محاسبی کی بنیاد
جیسے کہ ہے حق ہر اک کی تقدیر

عُمّالِ محاسبی و ناظم
الحمد کہ ہیں وفا کی تصویر

افعال ہیں عدل کی چمک سے
اسراف کا روگ ہے نہ تبذیر

اخلاق، دیانتوں کا مخزن
کردار نظافتوں کی تفسیر

رفتار، امانتوں کا مرکز
گفتار حلاوتوں کی تعبیر

سب خدمت علم کے وسائل
پامالِ عبادتوں کی تفسیر

لاکھوں سے ہر اک کے ہاتھ بھرپور
دل خدمتِ دیں میں محوِ تدبیر

اس لطف پہ جانچ میں ہیں سب سخت
تعمیر ہے بہرِ شکل تعمیر

اپنا ہو قریب ہو کہ ہو غیر
سب پر ہے گرفت کی یہ زنجیر

ہر اک ہے محاسبی کی زد میں
تنقید و گرفت ہے ہمہ گیر

تنقید ہے پہلے۔ بعد میں نقد
تنقید میں نقد کی ہے تبشیر

کھانے سے ہے جیسے ذبح اول — ورنہ ہے حرام لحمِ نخچیر
ایسے ہی ہے نقد پر مقدم — تنقید کی یہ بلاء دلگیر
تنقیدِ محاسبی غضب ہے — چھن جاتے ہیں جس سے دیگ و کفگیر
پر اس میں بھی لطف ہے نمایاں — یہ تنگی ہی اصل میں ہے تیسیر
ہوتا ہے حساب اس سے ہی صاف — ہے یہ ہی پوزیشنوں کی تطہیر

تدوین بجٹ ہے لوحِ محفوظ — شعبوں کی ہے جس سے دار اور گیر
آمد ہو اگر بجٹ سے زائد — جز فضل نہیں ہے اس کی تعبیر
ہو خرچ اگر بجٹ سے باہر — تب ہوگی خسارہ کی یہ تفسیر
مصرف ہو اگر بجٹ کے اندر — رائج ہے بجٹ بدونِ تخسیر
تعمیل بجٹ ہے نظم کی روح — تعطیل بجٹ ہے سوءِ تدبیر
توسیع بجٹ اگر ہو ہر سال — ہے حوصلہ مندیوں کی تفسیر
لاکھوں پہ حساب ہے بجٹ کا — لاکھوں سے ادارے کی ہے تعمیر
درویش ہوں اور بجٹ بنے یہ؟ — حیرت سے ہے وا زبانِ تکبیر
لیکن نہیں کچھ مقامِ حیرت — زوروں پہ ہو جب کسی کی تقدیر
ہر کیسہ گماں مبر کہ خالی ست — شاید کہ ہو پُر ز علم و تدبیر
یاور ہو اگر کسی کی تقدیر، — بن آتی ہے خود سے ویسی تدبیر
تقدیر ہے ماوراء تدبیر — تدبیریں ہے ظہورِ تقدیر
تدبیر ہے قدر کا تقاضا — تدبیر کو چاہتی ہے تقدیر

تدبیر بھی ہوتی ہے وہی کچھ
جو چاہتی ہے خدا کی تقدیر

ممکن نہیں ان میں ہو تخالف
تدبیر چلے خلافِ تقدیر

تدبیر کو سمجھو اک بلب ہے
روشن ہے بس اس میں نورِ تقدیر

بے نور کے قمقمہ ہے ظلمت
بے قمقمہ نور ہے خفا گیر

تدبیر اگر ہو با توکّل
کاموں کے لیئے ہے خاص اکسیر

گر اُس میں نہو خدا توکل
اک نزغۂ شرک ہے یہ تدبیر

لاکھوں کی یہ قوم کی ہے خدمت
لاکھوں کے ہے رزق کی یہ تدبیر

بڑھتا ہے اگر بجٹ تو سمجھو
افراد میں آگئی ہے تکثیر

جب کثرتِ خلق ہے مقدر
ہے حکمِ قضا بجٹ کی توفیر

ہر حکمِ قضا اٹل ہے
ہر گام ہے بر بناء تقدیر

خوش ہو کوئی یا ہو ناخوش
ہے سب سے غنی خدا کی تقدیر

یہ خانہ ہے کارخانۂ حق
باطل سے نہیں ہے اس کی تعمیر

دشمن کی نہیں چلے گی ہرگز
گو لاکھ بچھائے دامِ تزویر

حق ہی سے ہے اُس کی آبیاری
حق ہی سے ہے اس کی ساری تعمیر

سابق کا بجٹ ہوا مکمل
لاحق کا بجٹ ہے زیرِ تدبیر

لاکھوں سے چلا ہے لکھ چکا ہی
مائل ہے ابھی بسوئے توفیر

نعمت پہ ہے شکر امر فطرت
موعود ہے جس پہ اور تکثیر

اس پر ہے محاسبی کا جذبہ
ہر سال ہو دعوتوں کی تدبیر

یہ دعوت شکّرینِ امروز ہے شکر نوائیوں کی تدبیر
دونوں ہی بجٹ ہیں اس کے باعث دعوت ہے ہر ایک سے بغل گیر
تکرار میں قندِ دیوبند ہے جو شیریں ادائی کی ہے تفسیر
شیریں سخنی ہے شکر احقر ہے اس لیے خود بھی قند تاثیر
شیرینیٔ قند ہے خصوصی شیرینیٔ نظم ہے ہمہ گیر
شیریں سخنی کا شیریں تحفہ مخلوط ہے جس میں شکّر و شیر
اور قندِ سخن کے شیر پارے ہیں پیشِ محاسبی بہ تعذیر
نولاکھ کا ہو بجٹ مبارک نولکّھا یہ ہار ہے گلوگیر
پورا یہ بجٹ خدا کرے ہو کتنوں کی لڑی ہے اس میں تقدیر

تکمیل خدا کے ہاتھ میں ہے
ہے شرط بشر کی سعی و تدبیر

پیغامِ دعوت و تبلیغ

دینی دعوت و تبلیغ سے متعلق یہ شاہکار نظم حضرت مدظلہٗ نے اس وقت شروع فرمائی تھی جبکہ آپ ۱۹۶۳ء میں آنکھ کے آپریشن کے سلسلے میں "گاندھی آئی ہسپتال علی گڈھ" میں قیام فرما تھے اور اس کی تکمیل ۱۹۶۷ء کے اوائل میں فرمائی۔ اس کا موضوع اغیار میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور پیغامِ نبوت کی تعمیم ہے۔ اس نظم میں امتِ مسلمہ کی خیریت و برتری

اور وجوہِ خیر پر روشنی ڈالتے ہوئے دعوتِ عام کا مقام، اس کے سلسلے میں قرنِ اول کے کارنامے ذکر کیے گئے ہیں اور پھر آج کے مسلمانوں کو اس کا واجب الادا پیغام سنایا گیا ہے۔ نیز اس میں جماعتِ تبلیغ، اس کے مقاصد، خدمات اور اس کی اہم شخصیات کا تذکرہ و توصیف بھی شامل ہے (مرتّب)

اُمّت کی خیریت

خیر الأمم یہ اُمّتِ خیر الانام ہے — آغاز و اختتام میں عالی مقام ہے
آغاز جس کا دورۂ خیر القرون ہے — انجام دورِ عیسیٰ گردوں مقام ہے

اُمّت کا بقاء دوام

ضائع کبھی نہ ہوگی یہ امت کسی طرح — اوّل میں جس کے ہستیٔ خیر الانام ہے
مہدی وسط ہے نورِ ہدایت لیے ہوئے — آخر مسیح رُشد و ہدایت مقام ہے
ہے خیر اس کے اول و آخر لگی ہوئی — خیریّت اس کے وسط کی مالا کلام ہے

صورتِ بقاء

اُس ملّتِ مبیں کی بقا میں ہو کیا کلام — جس کی اساس خیر خدا کا کلام ہے
اصلِ اصولِ دین کتابِ مبین ہے — جس کی حفاظت آج بھی بے اختتام ہے
ذمّہ لیا ہے حفظِ کتابِ مُبین کا — اُس نے کہ جس نے خود یہ اتارا کلام ہے
الفاظ اور معانیٔ قرآن کے لیے — سینوں میں جمع رکھنے کا سب انتظام ہے
ہے قوم کی یہ خیر مسلسل کہ تو میں — افرادِ علم و فضل کا قائم دوام ہے
وعدہ ہے اک جماعتِ حقّہ کا تا ابد — جو دینِ حق کے حق میں بقاءِ دوام ہے

ہر سو برس پہ دین کی تجدید کے لیے — ہر سو مجدّدِ دین کا قائم نظام ہے
وعلمائے سلف کے بعد خلف کے ہیں پے بہ پے — علمی وراثت اس کی ابد انتظام ہے
اتنا ہی کچھ نہیں کہ یہ قرآن کا نظام — اَمِٹ ہے اور اُس کو بقائے دوام ہے

غلبہ و ظہورِ دین

ہے غلبۂ ظہور کا وعدہ بھی ساتھ ساتھ — تکمیلِ کیف و کم کا سب ہی انتظام ہے
وعدہ ہے ساتھ ساتھ کہ روئے زمین پہ — دیں پھیل کر رہے گا، ندا اُس کی عام ہے
خیمہ ہو یا مکان ہو، بنگلہ ہو یا محل — کلمہ کا اس کے ان میں سے ہر جا مقام ہے

دین اجتماعی ہے

یہ دین اجتماعی، ہے ملّت بھی ملک بھی — ساری دیانت اُس کی سیاست نظام ہے
ہیں دین و ملک توأم و یک اصل و یک مقام — دونوں میں فرق کا نہیں اصلا مقام ہے

ظہورِ شوکتِ دین

امت کا دین جیسے ہر اک گھر کی ہو متاع — شوکت بھی اس کی مشرق و مغرب میں عام ہے
موعود گوشہ گوشہ میں ملت کا ہے ظہور — ایسے ہی اُس کے ملک کا ہر سو قیام ہے
یہ خیرِ عام اور یہ خیرِ بقائے تام — خیر الامم کی خیر کا خیر المقام ہے
ہر خیر پر ہے خیر کی اک تہہ جمی ہوئی — آخر یہ خیرِ ملّتِ خیر الانام ہے

وجہ خیریت امّت

خیریّتوں کا اُس پہ ہجوم اور یہ زحام — ہے اس لیے کہ قوم یہ دعوت مقام ہے
اپنوں سے آگے بڑھ کے یہ اغیار کیلئے — رکھتی ہے اپنے پاس خدا کا پیام ہے
ناقل ہے اور امین ہے یہ مدّعی نہیں — اپنا نہیں خدا کا یہ دیتی پیام ہے

خود کار و خود پرست نہیں مخترع نہیں — یعنی مطیعِ محض و خلافت مقام ہے

دعوت الی اللہ

اعلاء دین کی ہے خلافت اُسے ملی — وہ نائب حضورِ رسالت مقام ہے
اللہ کی وکیل ہے خلقت پہ ہے گواہ — اور اُس پہ پھر گواہیٔ خیر الانام ہے
دعوت میں اس کی حق کی امانت ہے مستتر — علم اور عدل میں وہ جہاں کی امام ہے
اس علم اور عدل سے اسلام کا نظام — غلبہ میں اور ظہور میں اعلاء مقام ہے
اسلام ہی کے دین و سیاست میں منحصر — اصلاحِ حال اُمتِ خیر الانام ہے
اس میں ہی ہے بقاء و ترقی کا انحصار — ضامن ترقیات کا اُس کا نظام ہے
اُس میں ہے پھیل جانے کی خود اسپرٹ چھپی — اُس کی خودی ہی خود سے اشاعۃ نظام ہے

دین فطری ہے

فطرت کے ترجمان ہیں اُس کے اصول سب — اسلام اپنی وضع سے فطری نظام ہے
فطرت ہے وہ کہ جس سے کسی کو مفر نہ ہو — فطرت کے رخ کے سامنے ہر اک غلام ہے
فطرت سے ہے گریز طبیعت کی اک کجی — یا عقل کا فتور ہے یا وہم خام ہے
مجبور ہو کے پھندہ میں جس کے ہیں سب پھنسے — وہ دام اس جہان میں فطرۃ کا دام ہے
فطرت کے دین سے ہو زباں لاکھ منحرف — پر دل میں اور ضمیر میں اُس کا مقام ہے
فطرت سے کوئی بھاگے پکڑتی ہے آگے خود — اس سے فرار کیا جو گلو کا لزام ہے
سورج تلے اگر کوئی بھاگے بھی دھوپ سے — پیچھا کرے گی۔ اس کا جہاں بھی مقام ہے

دعوتِ دین کی وجہ سہولت

اسلام کے نظام سے ممکن نہیں گریز — جب اپنی ذات سے ہی وہ فطرت مقام ہے

چلنے میں اس پہ اب بھی ہیں مجبور سب کے سب — خود سے ہوں ورنہ موہنہ میں لگا اک لگام ہے
اقرار کرکے آئیں کہ انکار سے چلیں — چلنا ہے اُس پہ حکم یہ فطرت کا عام ہے
دشوار کیا ہے دعوت فطرۃ کہ جس میں ہے — خود ہی کشش اور اسکی طرف جذبِ عام ہے
دعوت میں ایسے دین کی صادق ہے یہ مثل — انگلی کٹائی اور شہیدوں میں نام ہے

داعی کی مدح یہ ہے کہ بنتا رہے سبب
ورنہ یہ دین خود سے اشاعت نظام ہے

یہ امت اقدامی ہے دفاعی نہیں

مقصد یہ ہے کہ قوم دفاعی نہیں ہے یہ — اقدام اس کا اصل میں اصلی مقام تھا
اقدام اور ہجومِ سنانی نہ تھا مگر — اسلام کا زبان سے پیغام عام تھا

دعوت جہادِ کبیر ہے

دعوت بھی اور زباں سے جہادِ کبیر تھا — تبلیغِ حق ہی اُس کا جہادی مقام تھا
دعوت بزورِ تیغ نہ تھی۔ تیغِ حق سی تھی — اخلاقِ حق کا داعیوں میں التزام تھا

صحابہؓ کی عزیمت

دعوت بزورِ علمِ صحابہؓ کا تھا مقام — اس راستے میں صبر و رضا ان کا کام تھا
دعوت بزورِ خلق تھی جنگ آفریں نہ تھی — شیریں دہن تھے شیریں زبانی سے کام تھا
پُرامن و پُرخلوص تھی اُن کی ندائے حق — اکراہ تھا نہ جبر و تشدد سے کام تھا
اس راہ میں پڑے بھی مصائب بھی سب سہے — گھر بار بھی لُٹے پر عزیمت سے کام تھا
اس پر کبھی کسی کے سہارے نہیں جیئے — خیر الغنا کا قوم کو حاصل مقام تھا
دعوت کا جوش کچھ گہ و بیگاہ کا نہ تھا — تبلیغ حق کا شغل جنہیں صبح و شام تھا

دن میں تھی پشتِ اسپ، کہ تبلیغ کی ہو دوڑ
شب کی اندھیریوں میں مصلّٰی سے کام تھا

رُہبان شب میں رہتے تھے، فُرسان دن میں تھے
لیل و نہار کا بھی اک شغل عام تھا

دعوت سے حوصلے تھے بلند اور عزم تھا
بچنا نہیں۔ بچانا اس امت کا کام تھا

مقصد دعوت

مقصد یہ تھا کہ دین خدا کا رہے بلند
اپنے بقاء ذم سے کچھ بھی نہ کام تھا

دعوت کے شغلِ عام میں لگ کر انھیں کبھی
فکرِ قیام تھا نہ ہی فکرِ طعام تھا

دُھن تھی سوار فکر نہ تھا جان و مال کا
خیر الغناء کی خیر سے ان کا قوام تھا

دُھن اُن پہ تھی سوار وہ گھوڑے نہ تھے سوار
دن رات جاں سُپاری ہی اُنکا مقام تھا

دامن زمیں کے اُن کیلئے پھیل پھیل کر
آتے تھے ان کی خیر کا یہ جذبِ عام تھا

یہ جذب یہ کشش اِدھر اقدام کی یہ دوڑ
ملّت کے پھیلنے یہی انتظام تھا

دعوت کی راہ میں تھیں ہزاروں مشقتیں
جو حرب و ضرب سے بھی کچھ آگے کا کام تھا

جہادِ سنان اور جہادِ لسان کا فرق

مثلِ جہاد اُس کا لقب بھی جہاد تھا
پوشیدہ اس میں چونکہ جہادی نظام تھا

تبلیغ کا جہاد جہادِ کبیر تھا
تلوار کا جہاد صغیر المقام تھا

یہ فرق ہے جہادِ سنان و لسان میں
تھے زخم اک کے وقتی اور اک میں دوام تھا

مارا کسی کو تیغ سے یا ہو گئے شہید
تلوار کے جہاد میں نپٹوں کا کام تھا

لیکن جہاد دعوتِ حق میں شبانہ روز
کھا کھا کے زخم صبر بلا انتقام تھا

ضربِ سناں سے جسم ہی ہوتا تھا پاش پاش
پل بھر میں ایک ضرب سے قصہ تمام تھا

لعنِ زباں سے دل تھے ہمہ وقت لخت لخت
جو عمر بھر کے درد کا خونی پیام تھا

تیر اُن کے بے کمان تھے یا زخم بے نشاں
ان اسلحہ سے قلب جراحت مقام تھا

تشنیع و لخراش کا قصہ تھا را تدن
ہر لحظہ روح و دل سے نیا انتقام تھا

ایذائے بے پناہ کی ساری اذیتیں
دن رات جھیلنے سے ہی داعی کو کام تھا

تیغ و سناں کے گھاؤ کا ممکن تھا اندمال
لیکن زباں کا زخم بلا التیام تھا

سنان و لسان کے میدان الگ الگ ہیں

تلوار کے جہاد کا میدان تھی زمین
میدان اس جہاد کا دل کا مقام تھا

پس زخم جس جہاد کے وقتی تھے اور خفیف
چھوٹا جہاد اُس کا شریعت میں نام تھا

ہاں زخم جس جہاد کے دائم تھے اور شدید
قرآن میں جہادِ کبیر اُس کا نام تھا

تھا بالغوں کا کام جہادِ صغیر میں
خورد و بزرگ سب کو یہاں اذنِ عام تھا

مکی اور مدنی زندگی

مکہ کی زندگی تھی جہادِ کبیر کی
صبر و رضا کا جس میں کھلا التزام تھا

چھوٹے جہاد کی تھی مدینہ کی زندگی
وقت آگیا تو جنگ کیلئے اذن عام تھا

مقصود تھا جہاد کا فتنہ کی روک تھام
دعوت میں زور و جبر سے ہرگز نہ کام تھا

تلوار کے جہاد میں اجسام کا تھا نظم!
دعوت کے اس جہاد میں روحی نظام تھا

تلوار کا جہاد تھا فتنوں کا سدِّ باب
اصلاحِ خلق دعوتِ دینی کا کام تھا!

دعوت کے معیار سے آج کی حالت

پر آج سب کو جان بچانے کی فکر ہے
دعوت کجا؟ عمل کا رہا کچھ نہیں مقام

جینے کو ہر طرف سے سہاروں کی ہے تلاش
گویا بقاء ہماری ہے اب دوسروں کا کام

توحید صرف نعرۂ قولی ہے برزباں — موت و حیات میں نہیں اس کا رہا مقام
کافور جس سے ہوں یہ وساوس بچاؤ کے — اقدام کا نہیں ہے وہ پھیلا ہوا انتظام
بیگانہ کیا خود اپنوں میں اس کا نہیں شعور — اور ہے تو جزوی اور پھر اوپر سے ناتمام
مقصود جبکہ دعوتِ دینی کا ہے عموم — لازم ہے اپنوں اور پرایوں میں ہو وہ عام

دعوت کے طبعی اثرات

دعوت ہی سے بچاؤ ہے ملّت کا آج بھی — اُمت کے بچنے کا بھی یہی ہے پروگرام
دعوت ہے وہ کہ قوم کا بیدار ہو شعور — ہو انقلابِ نفس [illegible] میں چھپا نظام
دعوت ہو اجتماعی جماعت کے نظم سے — یہ وقت ہے کہ فرد کا اب کچھ نہیں مقام
دعوت کے اجتماع میں ہے قوتِ قلوب — اغیار کے لئے ہے یہی رعب کا پیام
دعوت ہی میں ہے نورِ صلاحِ شہود و غیب — دعوت سبیلِ رب کی نبوت کا ہے مقام

دعوت غنا ہے اور ترکِ دعوت محتاجگی ہے

مسلم کا امن در رزق و سکون و قرار سب — دعوت ہی کے مقام میں مضمر ہے لاکلام
دعوت سے دور ہے تو وہ محتاجِ غیر ہے — داعی ہی ایک نورِ غنا سے ہے شادکام
مسلم غنی ہے دولتِ دعوت کی راہ سے — دیتا ہے دوسروں کو یہی دولتِ دوام
مسلم کے پاس جو ہے وہ اغیار میں نہیں — مسلم کا فرض ہے کہ وہ پہونچائے یہ پیام
منکر کے پاس جو ہے تمہارے بھی پاس ہے — یعنی متاعِ فانیٔ دنیائے بے قیام

دینِ اسلام ہی مستند دین ہے

لیکن تمہاری چیز نہیں کچھ بھی اس کے پاس — اور وہ ہے وحیِ دینِ مبیں کی صدائے عام
جو صحت روایتِ حق سے ہے مستند — جو نقل مستند سے ہے آیا ہوا پیام

قرآن ہے تواتر طبقہ سے مستند
ہر کلمۂ نبی سے سند کا ہے انضمام

اُس کی روایت اور درایت کے سب اُصول
ہیں منضبط کہ جن میں نہیں وہم انہدام

تاریخ راویوں کے عدالت کی ضبط کی
محفوظ و منضبط ہے بحفظِ کمالِ تام

فنِّ رجال معجزۂ دین ہے جسمیں ہیں
محفوظ راویوں کے نسب اور حسب تمام

ہے کونسا وہ دین کہیں جس کو مستند
اسنادِ متصل کا ہو جس میں بندھا نظام

کس کا ہے دین جس میں تسلسل کیساتھ ہو
اُس کی سند کا متصل اللہ تک نظام

اسلام ہی ہے جس کی سند تا رسول ہو
اور پھر نبی سے تا بخدا سلسلہ ہے تام

ادیان کی سند ہے نہ قومیں ہیں مستند
اسلام کی سند کا مسلسل ہے اک نظام

تعمیم کے لائق اسلام ہی ہے

یہ دین مستند ہی احق ہے کہ عام ہو
دارین کی نجات کا اُس میں ہی ہے قوام

اس میں ہی ہے بقاء و ترقی کا انحصار
ضامن ترقیات کا ہے یہ ہی اک نظام

ہے شرط یہ کہ قوم میں دعوت کی ہو تڑپ
دعوت ہی سے اشاعتِ دیں کا ہے انتظام

جیسے ہیں انبیاء کے نبی سیدِ انام
اُمت بھی ہے جہاں میں یہ اقوام کی امام

یہ امت بین الاقوامی ہے

اُمت نہیں مقامی۔ ہے بین الملل یہ قوم
اُس کا فروغ چاہیئے۔ ہو تا بخاصِ عام

دعوت کے راستہ ہی سے اُس کا فروغ ہے
دعوت ہی میں ہے قوم کی تکثیر کا نظام

موعود اُس کی خیر ہے دعوت کی ساتھ ساتھ
دعوت ہی کے نظام سے اُس کا بھی ہے قیام

خیرِ اُمم ہی دعوتِ دیں سے بنی ہے یہ
دعوت نہ ہو تو قوم ہے بالکل بے مقام

دعوت غنی کا کام ہے محتاج کا نہیں

دعوت غنی کا کام ہے محتاج کا نہیں / محتاج کے لیے ہے غلامی کا اک مقام
جب دینِ مستند کی ہو دولت تمہارے پاس / دنیا میں مانے جاؤ گے تم ہی غنا مقام
قومیں تمہاری دست نگر ہیں یہ سب کی سب / خالی ہیں دینِ حق سے ہمیں ان کے ہو امام
محتاج اور غنی میں نمایاں یہ فرق ہے / بالا غنی ہے۔ پست ہے محتاج کا مقام
حیرت غنی پہ ہے کہ وہ محتاجِ غیر ہو / اسلام کے نظام کے برعکس ہے یہ کام
کچھ مانگتے ہیں بھیک سیاسی حقوق کی / کچھ چاہتے ہیں غیروں سے جینے کا انتظام
کچھ غیر کے دروں پہ بنے سائلِ معاش / کچھ ہیں کسی سے طالبِ ارزانیِ طعام
دعوت غنا ہے اور غنا سے ہو سر بلند / دستِ سُوال کا نہیں دعوت میں کچھ بھی کام
دعوت کو حرص و آز سے لالچ سے ہو گریز / دعوت میں لالچی کا نہیں کوئی بھی مقام

غنائے نبویؐ

تھا وہ غنا جنابِ رسولِ کریمؐ کا / کھسیانے جس سے ہوئے تھے کفارِ بے مرام
دعوت سے تنگ قوم نے پیشِ نبیؐ پاک / اسبابِ عیش رکھے بصد عزّ و احترام
شوکت کی اور دولت و عورت کی پیشکش / کی تاکہ آپ روک لیں توحید کا پیام
لیکن حضورؐ نے انھیں ٹھکرا کے یک قلم / روکا نہ ایک لمحہ بھی دعوت کا تیز گام
اغیار دے رہے تھے متاعِ حیاتِ دہر / سرکارؐ دے رہے تھے متاعِ ابد نظام

دعوت کی ترغیب

واضح ہے اس سے عظمتِ تبلیغ دینِ حق / دنیا ہے جس کے سامنے اک لقمۂ حرام
روشن ہے اس تقابلِ دنیا و دین سے / ظلمت سے نور نے ہے لیا سرد انتقام

ظلمت کا نور سے یہ تقابل دکھا کے تم
صالح دلوں کو یاد دلاؤ خدا کا نام

کافی ہے تم کو اسوۂ سردار انبیاء
آگے بڑھو اور ہمت و قوۃ سے لو یہ کام

دعوت کا مقصد بد امنی نہیں ہے امن عام ہے

مطلب نہیں ہے یہ کہ تقابل کی ٹھان کر
قومی منافرت کا لگو کرنے انصرام

مطلب نہیں ہے یہ کہ تعصب بڑھا کے تم
کرنے لگو کسی سے لڑائی کا انتظام

مطلب نہیں ہے یہ کہ تشدد سنبھال کر
امن و اماں کا درہم و برہم کرو نظام

مطلب نہیں ہے یہ کہ زبانیں چلا کے تم
امن و اماں میں شعلہ زنی کا بنو قوام

دعوت کیلئے رحمت و شفقت اور جفاکشی ضروری ہے

مطلب ہے یہ کہ نرمی و رحمت کو تھام کر
دعوت کا دین کی کرو احیاؤ انصرام

مطلب ہے یہ کہ نفرتِ باہم مٹا کے تم
جذبِ دروں سے حق کی لگاؤ صدائے عام

مطلب ہے یہ کہ رحمتِ عالم کے نام پر
اقوام کے دلوں میں بٹھاؤ خدا کا نام

مطلب ہے یہ کہ گر ہو تشدد کی بھی فضا
دعوت میں شفقتوں کا کرو خاص اہتمام

سہہ سہہ کے ظلم اور جفائے ستمگراں
برداشت سے ہو دین کے پھیلاؤ کا نظام

ہمدردی و خلوص و اخوۃ کے رنگ سے
باطل مٹاؤ، حق کی منادی کو کرد و عام

جو جوش و غیظ میں ہیں تعصب کے مبتلا
معیارِ حق کا اُن کو کرد بیدرم غلام

امامت کا نصب العین

جینے کے واسطے نہیں جیتے ہو تم۔ مگر
مقصد تمہارے جینے کا جینے کا ہے نظام

اپنوں سے آگے بڑھ کے، بڑھو غیر کی طرف
دینی نظام میں ہے یہی اصل انتظام

دعوت ہمیں رب کی ہو، اغیار کی طرف
تا پھیل جائے دہر میں اسلام کا نظام

خطرہ بھی غیر سے ہے تو دعوت میں ہے پناہ
بن جائیں غیر اپنے تو خطرے کا کیا مقام

پھر بھی رہیں وہ غیر، ڈرائیں بھی موت سے
سمجھو کہ دین میں ہے شہادہ بڑا مقام

نرمی سے شفقتوں سے محبت سے پیار سے
ان کی فسادتوں کا بدل ڈالو سب نظام

دینِ مبیں کی روشنیٔ پُرضیا سے تم
تاریک باطنوں کو بنا دو ضیا مقام

رحمت کی پیشکش سے کبھی دستکش نہ ہو
تھا انبیاء میں رحمتِ عالم کا یہ مقام

اُمت ہی ہے یہ بعدِ نبی وارثِ نبی
اُمت بنے گی جب ہی کہ دعوت ہو اسکی عام

دستِ معاش سے نہیں دستِ معاد سے
ہاتھ اُن کے تھام بڑھ کے بصد شفقتِ تمام

جو آئیں وہ ہیں مہر و اخوۃ کے مستحق
رہ جائیں جو وہ رحم مکرر کا ہیں مقام

اقدام گر نہ ہوگا تو رہ جائے گا دفاع
بچتی نہیں وہ قوم دفاعی ہو جس کا کام

بڑھتی ہے وہ ہی قوم جو بڑھ کر کرے ہجوم
اقدام پر ہوں جس کے خواص اور سب عوام

دعوت الی اللہ کے تین رُخ

تبلیغ، تذکیر، تمرین

دعوت کی راہ میں نہیں احساسِ برتری
یاں برتری کے واسطے اللہ کا ہے نام

دعوت نہیں ہے ایک نہ اس کا ہے ایک رخ
دعوت کے تین رُخ ہیں اور اُن کے ہیں تین نام

دعوت ہے ایک دین کے اساسی اصول کی
ہے منکروں کے واسطے دعوت کا یہ مقام

دعوت ہے ایک ساری تفاصیلِ دین کی
مؤمن کے ساتھ خاص ہے مذہب کا یہ پیام

دعوت ہے ایک دین کی تمرین و مشق کی
مسلم مخاطب اُس کے ہیں وہ خاص ہوں کہ عام

اول کا عرفِ دین میں تبلیغ نام ہے
ثانی ہے اصطلاح میں تذکیر کا مقام

ثالث کا نام تزکیہ آتا ہے دین میں
تکمیل کے ہیں دین میں یہ تین ہی مقام

اس تزکیہ کے نور سے تقویٰ کا ہے ظہور
تقویٰ کے ہاتھ معرفتِ حق کی ہے زمام

ہوتی ہے تزکیہ ہی سے تمرینِ دینِ حق
تمرین ہی سے دین کا ہوتا ہے التزام

تمرین ہی سے جمتی ہیں اخلاق کی جڑیں
بنتا ہے دل میں اس سے ہی اخلاق کا مقام

اخلاق کی حقیقت اگر دل میں ہو جمی
قلت بھی علم کی ہو تو چلتا ہے پھر بھی کام

تبلیغی جماعت اور اس کے کارنامے

تمرین کا جماعتِ تبلیغ سے ہے نظم
اس نظم کی ہے ان کی مساعی سے دھوم دھام

معروف گو ہے نام سے تبلیغ کے یہ دور
لیکن حقیقتاً ہے یہ تمرین کا نظام

یہ فرق اصطلاح ہے پر اس میں کیا ہی شک
جو کچھ کیا انھوں نے وہ ان کا ہی تھا بھی کام

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند
جو کچھ کیا انھوں نے وہ ان کا ہی تھا مقام

ان کا ہے کام پوری لگن اور خلوص سے
اس کام کا خدا کے یہاں ہے بڑا مقام

ان کے خلوص کا یہ اثر ہے کہ ان کی دوڑ
مخلوق میں بھی اس کو ہے حاصل قبولِ عام

تبلیغی جماعت کی عمومی تیز گامی

گھر گھر پہ جا کے دیں کی منادی انھوں نے کی
دن رات گشت کر کے ہر اک کو دیا پیام

ہر ملک میں پہونچ کے لگائی صدائے حق
ہر چپۂ زمیں کو بنا آئے حق مقام

ہر اک میں دھن لگا دی کہ داعیٔ دیں بنے
ہر فرد کو ابھارا کہ حق کا وہ دے پیام

سوتے ہوؤں کو چشم زدن میں دکھا دیا
ذاکر بنا کے دین کی تذکیر کا مقام

غفلت زدوں کو ان کے گھروں سے نکالکر
کر دیتے ہیں طریقِ الٰہی میں تیز گام

مردہ دلوں کو خاص ادا سے جھنجھوڑ کر
بیدار کر دیا بمدارات و لطف عام

معروف کے لیے ہیں بہر گام مستعد
منکر کے حق میں سارے ہیں تلوار بے نیام

سعی و عمل کی اس تگ و دو کا ہے یہ اثر
ہوں گر لئام بھی تو وہ بنجاتے ہیں کرام
کتنے ہی حملہ ہائے جگر دوز سر پہ ہوں
پاؤں کی چال میں ہے نہیں جو تنِ انتقام

بانیٔ تحریکِ تبلیغ

یہ جذب یہ اُمنگ یہ سعی و عمل کی دوڑ
جن میں نہیں ہے ایک حقیقت بھی ناتمام
بے شبہ ان میں جذبۂ بانی کا ہے اثر
جس سے قدم یہ ان کے سراسر ہیں تیز گام

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

الیاس خضرِ راہ ہوئے آس باندھ کر
وہ جن کے آس پاس نہ تھا یاس کا مقام
دعوت کی اک لگن تھی ارادوں میں عزم تھا
راسخ تھا دل میں ہمت مردانہ کا مقام
بالا شکوک و وہم سے محکم یقین تھا
عرفانِ حق سے علم کا پورا تھا انضمام
سر پہ خدا کے دین کی عظمت لیئے ہوئے
پیروں تلے پڑی ہوئی دنیائے بے مقام
دی اُٹھ کے ایک نعرۂ مستانہ سے ندا
دعوت کا فرض یاد دلایا بہ اہتمام
ڈالی بنا جماعتِ تبلیغ کی کہ ہو
دعوت کا دین کی نئی اک شان سے نظام
دعوت کہ جس میں جمع جماعۃ کا رنگ ہو
گشتی جماعتوں سے ہو دعوت کا انصرام
داعی بنے اس اُمتِ حقہ کا ہر سپوت
ہر مقتدیٔ دین بنے قوم کا امام
یہ تھی ندائے حق کہ تھی بجلی کی اک کڑک
چونک اُٹھے جس سے سارے خواص و عوام سب
ہندو عرب ہو پاک ہو یا ترک و تتار
ہو ایشیا کہ یورپ و افریقۂ و سیام
تھا یہ اثر کہ سارے تھے اک دم رواں دواں
کوئی سفید فام تھا یا تھا سیاہ فام
پروانہ وار دعوت و تبلیغ کے لیئے
بڑھ کر لگا لکھانے ہر ایک اپنا اپنا نام
ہر سمت داعیوں کا اِیاب و ذہاب ہے
جتھے ہیں دینِ حق کے جو ہیں گشت میں مدام

ہے یہ جماعت آج کی اُمت کی آبرو — ملت ہے آج اُس کی مساعی سے شادکام
فیضان ہے مؤسسِ تحریک کا یہ سب — جذبہ ہے ان کا جس سے ہے گشت کا دوام
دعوت میں ہے غنا بھی توکل بھی زہد بھی — اور فکرِ عالمی۔ بہمہ گیریٔ نظام
عزلت بھی اس میں جمع ہے میدان بھی ہے ساتھ — خلوت کے زیرِ سایہ ہیں جلوہ کے تیز گام

بانیٔ تحریک تبلیغ کی دو سنتیں

دعوت کے دو یہ رُخ۔ یہ تضاد و انکا اجتماع — کس طرح سے ہے؟ کیوں ہے؟ کہاں سے ہے یہ نظام؟
دو نسبتیں ہیں بانیٔ تحریک میں بہم — جس طرح لام میں ہوا لف اور الف میں لام
دو چشمہائے فیض سے وہ مستفیض ہیں — دعوت میں ان کی دو ہی رنگوں کا ہے انضمام

حضرت مولانا خلیل احمدؒ

اک سمت خوشہ چیں ہیں وہ خوانِ خلیل[۵۱] سے — تمکین اور ثبات کی جن سے تھی دھوم دھام
زہد و تقی کا جس سے کہ بازار گرم تھا — ہر نوع منکرات کی جن سے تھی روک تھام
ہر قلب پر نگاہ تھی تا علم و معرفت — رچ جائے اس میں جس سے وہ پائے عرجِ تام
دعوت کا یہ ثبات یہ تمکین کا نمو — ورثہ خلیل کا ہے جو خُلّت کے تھے امام

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

اک سمت ہیں وہ خادم و تلمیذ شیخ ہند[۵۲] — تھا اجتماعی فکر میں جن کا بڑا مقام
تھی اتحادِ عالمِ اسلام پر نظر — سر میں تھا جن کے عالمی وحدۃ کا فکر تام

---

۵۱ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرّہٗ محدث سہارنپوری۔
۵۲ حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرّہٗ محدث دیوبندی۔

اس دُھن میں رُوم و شام و عرب ایک کر دیا … تا شوکتوں سے ملک کی ہو دین کا نظام
تلمیذ[۱] شیخ ہند ہیں یا بیعتِ جہاد … شیخ خلیل کی ہیں خلافت سے شاد کام
کی بیعتِ سلوک جناب خلیل سے … اور بیعتِ جہاد ز محمودِ ذی مقام
جوشِ جہاد اخذ کیا شیخ ہند سے … خوانِ خلیل سے ہے لیا زہد کا مقام
خلوة در انجمن ہے ملی ایک سمت سے … جلوۂ بدل کا سمتِ دگر سے ملا مقام
رُشدِ رشید لے کے باندازِ عاشقی … اندازِ عالمیّتِ قاسم کا پی کے جام
اُٹھے تو ملک ہائے زمیں ایک کر دیئے … تبلیغ دیں کو اُن سے ملا عالمی مقام
یہ عالمیّت اور یہ ہمہ گیریٔ نظر … میراثِ شیخ ہند ہے جو اُس کے تھے امام
دعوت کا یہ عموم، یہ رنگِ جہاں نما … تھا شیخ کا ہی ساری جماعت میں لا کلام
آیا ہے شیخ ہند سے یہ فکرِ عالمی … جس سے بنی یہ دعوتِ دیں عالمی نظام

مظاہر علوم سہارنپور اور دار العلوم دیوبند

تمکینِ دین ملی ہے مظاہر علوم[۲] سے … دار العلوم[۳] نے ہے دیا عالمی مقام
تھی جامعیت آپ کی دار العلوم سے … جمعیّۃ دل کا مظاہر سے تھا قیام
جوشِ عمل ز فیضِ رشیدؒ و خلیلؒ شد … فکرِ عمل ز قاسمؒ و محمودؒ گشت تام

---

[۱] حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دورۂ حدیث دیوبند میں پڑھا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ "دیکھو سوانح حضرت جی"۔ مؤلفہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری مد

[۲] مظاہر علوم سہارنپور۔ [۳] دار العلوم دیوبند۔

تحریک یہ ہے آج کی دنیا کی عالمی
جس کی لپیٹ میں ہے زمیں، مصر ہو کہ شام

دعوت تھی شیخِ ہند کی شوکت کی راہ سے
اخلاق کی ہے راہ سے دعوت کا یہ نظام

ہے اس لیئے یہ ایک حقیقت بلا نمود
انکار اُس سے ہو تو وہ ہو گا خیالِ خام

دارالعلوم دیوبند کا جامع فیض

تعلیم ہو کہ فکر ہو تذکیر ہو کہ ذکر
حاصل ہے دیوبند کو یہ فخر کا مقام

اُس سے جگر کے ٹکڑوں نے دنیا میں پھیل کر
ان دائروں میں دین کے اونچا کیا ہی کام

اُن کا ہی ہے طفیل کہ امت میں بن گیا
تذکیر اور دین کی تعلیم کا نظام

میداں ہے خالی پر ابھی تبلیغِ دین کا
دعوت کا اپنے معنوں میں باقی ابھی ہی کام

مسلم تبلیغ کا مخاطب نہیں تذکیر و تمرین کا ہے

تبلیغ جس کا نام جہادِ کبیر ہے
اغیار ہی ہیں اُس کے عمل کا صحیح مقام

اسلام میں جہاد ہے کفار کے لیئے
مسلم نہیں جہاد کا مَورِد بلا کلام

مسلم نہیں ہے دعوت و تبلیغ کا محل
حاصل ہے اس کو دین کا پہلے ہی یہ مقام

مسلم ہے ہاں نصیحت و تمرین کا محل
تا اُس کے دین کا بنے اصلاح کا نظام

معروف و منکرات کا ہو امر و نہی اُسے
تذکیر عرفِ شرع میں اس دوڑ کا ہے نام

بَلِّغ ہے عرفِ شرع میں کفار کیلئے
ذَکِّر ہے خاص طور سے مؤمن ہی کا مقام

تذکیر کا جماعتِ تبلیغ سے ہے نظم
خالی اگر پڑا ہے تو تبلیغ کا نظام

مشکور ہے جماعتِ تبلیغ کی سعی
بے شک کیا ہے داعی بنانے کا اُس نے کام

لیکن ہے مسلموں کی طرف داعیوں کا رُخ
دعوت تو ہے مگر ہے یہ تذکیر کا قیام

ان کا اگر جماعتِ اصلاح نام ہو
تو اصطلاحِ شرع کا رہ جائے گا مقام

پر فرق اصطلاح سے ممکن نہیں ہے یہ — انکار ہو سکے، جو کیا ہے انھوں نے کام

تبلیغ کا کام ابھی باقی اور ضروری ہے

پر دینِ عالمی کا مسلمان پہ ہے حق — اپنوں کے ساتھ غیر کو بھی حق کا دے پیام
جمہوریت میں آج کے میل و ملاپ سے — دعوت ہو دین کی تو ہے دنیا کا بھی نظام
تذکیر بھی ہو، ساتھ ہی تبلیغ بھی چلے — اپنے بھی ہوں صحیح۔ ہو اغیار میں بھی کام

تبلیغ کا طریقہ

پھر ایک ہو جماعت اور اس کے ہوں دو عمل — یا دو جماعتیں بنیں اُن کے ہوں دو یہ کام
مقصد ہے کام۔ کام سے اپنی ہمیں ہو کام — طرزِ عمل ہو جو بھی۔ کہ مقصد نہیں ہے نام

دعاء خاتمہ

اک داعیہ ہے دل کا جو حاضر ہے نظم میں — مقبول ہو خدا کرے طیب کا یہ پیام

توفیقِ حق رفیق ہو اور خاتمہ بخیر
کلمہ زباں پہ تا دمِ آخر ہو والسلام

۵ فروری ۱۹۶۳ء
(علی گڈھ)

نویدِ مسرّت و ہدیۂ دعا

بتقریب شادی خانہ آبادی عزیز محترم سعید احمد سلمہٗ ابن عالی جناب حکیم شفیق احمد صاحب کٹھوری۔ بعفیفہ پاک نہاد عزیزہ آمنہ سلمہا بنت عالی جناب حکیم مشتاق احمد صاحب کٹھوری زید مجدہم، بتاریخ ۴ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء یوم سہ شنبہ۔

بہار آئی چلا وہ ابرِ نیساں — طرب انگیز ہیں دنیا کے آفاق
یہ بادل ہے کہ رحمت کا فرشتہ — ترا دش میں ہے جس سے نورِ اخلاق
عجب برسات ہے مہر و وفا کی — برستی جس میں ہے بارانِ ارفاق
شفیقِ خلق ہے بادل کرم کا — کہ جس سے تازہ ہیں روحوں کے اعماق
ہوائے شوق کے جھونکے رواں ہیں — اُمنگیں اُٹھ رہی ہیں ہو کے مشتاق
زمیں کے رُخ پہ ہے سبزہ کا آغاز — ہے پانی میں بلا کا زورِ اغراق
خوشی میں گل ہیں سارے چاک داماں — ہو پو پھٹنے سے جیسے ان کا الحاق
نگاہیں لوٹ ہیں حسنِ چمن پر — ہے چشمِ مست گویا بیتِ عشاق
گل و گلشن بساطِ عنبریں ہیں — چہکنے میں ہے بلبل چست اور چاق
گلوں کی ہیں صفیں آبِ رواں پر — چمن کا باغِ جنت سے ہے الحاق
سرِ اشجار پر پھولوں کے ہیں تاج — تلے قدموں کے غلطاں آبِ بُرّاق
ہیں سبزے پر گُلِ سُرخ ایستادہ — چمن لعل و زمرّد کا ہے مصداق

قدم خاشاک کے جمتے نہیں ہیں
ہے پٹری اس چمن کی سنگِ چقماق

چوچاہے گل کہ دیکھے عکس اپنا
تو آئینہ صفت ہے آبِ برّاق

شگوفے ہیں کہ موتی کی قطاریں
چمن پر ہے گُہر باری کا اطلاق

کیاری ہے کہ نورستہ کنواری
حسیں گل ہیں تو یکتائی میں ہیں طاق

گھٹا کیسے گھٹے رعنائیوں کی
درونی ہیں امنگیں جب کہ ما فاق

خوشی سے سرخ ہے چہرہ افق کا
فلک پر ہے طلوعِ مہرِ ارفاق

دہ کرنیں سونے چاندی کی پڑی ہیں
کسی کے پاؤں میں ہمرنگِ عشّاق

چمن کی طرح بزمِ دل سجی ہے
نگارستانِ دل کسریٰ کا ہے طاق

زبانِ حال سے تسبیح خواں گل
زباں بلبل کی محوِ نطق و انطاق

قلم ہر شاخ کا ہے کاتبِ حمد
چمن کے تختے ہیں ہمرنگِ اوراق

ہے پتوں کی زباں پر حمد قولی
قلم کی حمد ہے منقوشِ اوراق

دیا ہے ایک کو قال ایک کو حال
قلمکاری کے بخشے اک کو اذواق

چمن کی بولیاں ہیں رنگہا رنگ
ہزار الوان ہے گلشن کا انطاق

چمن ہے اور محبت کا سماں ہے
جوانانِ چمن ہیں صفِ عشاق

ہر اک بوٹی مثالِ عشق پیچاں
ہر اک گل میں محبت کے ہیں اوراق

ورق اندر ورق وابستہ باہم
بنا بیٹھا ہے ہر گل ابن ورّاق

یہ پنکھڑیاں ہیں گل کی مخزنِ حسن
پیامِ عشق دیتے ہیں یہ اوراق

گلابی رُخ، لباسِ سبز، محبوب
نہ کیوں کھنچ آئے بلبل ہو کے مشتاق

یہ نغمے بلبلِ شیدا کے گل پر
محبت کی نواؤں کے ہیں اسباق

محبت کے شگوفے کھل رہے ہیں
مہک سے جن کی عطر افشاں ہیں آفاق

یہ گلشن کیوں ہے آج آپے سے باہر
یہ رونق کیوں ہے آج عادت سے مافاق

یہ باغ و راغ کے رنگین منظر
یہ جلوے جن پہ ہے اخفا بہت شاق

یہ رنگا رنگ خوشیوں کے فسانے
یہ بوقلموں طرازِ رنگِ آفاق

یہ فصلِ گل یہ بلبل کے ترانے
یہ گلشن کی سخاوت اور انفاق

یہ آبِ جو یہ سبزے کے حواشی
یہ متنِ باغ کے صفحات و اوراق

یہ رنگینی یہ شفافی فضا کی
یہ رومانی مستی بخشِ آفاق

یہ حسنِ گل یہ عشقِ بلبلِ زار
یہ اُنس و ذوق کے رنگین اذواق

یہ بلبلیں جو ہیں سجدہ میں زمیں پر
یہ بوسے جو ہیں پیروں پر بیک ساق

یہ جلوے یہ مناظر یہ فضائیں
یہ کیوں اُبھرے ہیں آج ہمرنگِ عشاق

تلاش ان سب کو تھی مرکز کی اپنے
کہ رقصاں جس پہ ہوں یہ سارے اوراق

وہ مرکز دو دلوں کی ہے محبت
وہ دل جن میں بھرا ہو شوقِ ارفاق

گل و گلشن کی رنگینی کا مقصد
ہے دو عاشق دلوں کے دل کا اتفاق

نہو رنگین دل، تو رنگِ گلشن
ہے پھیکا بلکہ بے کار اور بے باق

دلوں کا میل ہے صبحِ بہاراں
دلوں کی پھوٹ ہے اک لیلِ غساق

خزاں انگیز ہے قطعِ علائق
بہارِ باغ ہیں دلہائے وفاق

بہارِ اصلی بہارستانِ دل ہے
بہارِ گل ہے اس کی ساتھ مُساق

نہوں گر دل میں الفت کی بہاریں
بہارِ باغ بن جاتی ہے قزاق

نہیں دل وہ جو الفت سے ہو خالی
نہیں الفت جو وحشت کی ہو مصداق

نہیں گلشن کہ جس میں ہو نہ دلدار
نہیں دلدار جس میں ہو نہ ارفاق

یہ سب بھرِ سکونِ دل ہیں ورنہ
عبث ہیں دل اگر پائیں نہ ارفاق

مَوَدت ہی سکونِ دل کا ہے راز
اسی سے پرسکون نفس اور آفاق

محبت ہی میں ہے اخلاق کی روح
محبت ہی سے ہے ایماں بہ خلّاق

محبت بھی عجب ہے۔ گر ہو پنہاں
تو دل پاتے ہیں اُس سے ربطِ اخلاق

نمایاں ہو تو شوقِ بے کراں سے
ہے راہِ عشق کا اک حُسنِ میثاق

گل و گلزار کی غایت یہی ہے
بہاریں ہیں اسی مرکز سے مُلصاق

بہاریں تھیں اسی مرکز کی خواہاں
اُسی کی دُھن میں سرگرداں چو عشاق

بہاروں کو مبارک ہو کہ آیا
وہ دن جس کی تھیں وہ عرصہ سے مشتاق

شفیقِ دم ہوئی رحمت خدا کی
ہے وہ یومِ سعید اب رُو بآفاق

یہی دن ہے کہ دو ہوں گے یگانے
بنیں گے زوج جو کل تک کہ تھے طاق

سعید و آمنہ کی بزمِ شادی
اسی انعام رحمت کی ہے مصداق

یہ حسن و عشق کی محفل جمی ہے
دم و دمساز ہیں یارانِ عشاق

نہیں یہ بزم صرف ایک محفلِ عشق
ہے بزمِ عشق با تکمیلِ اخلاق

ہے دو کلموں میں آدھا دین حاصل
تزوج پر ہے نصفِ دیں کا اطلاق

عبادت ہے مگر ہمرنگ عادت
حقیقت اس کی ہے تکمیلِ اخلاق

تزوّج جبکہ ہے نامِ خدا پر
ہے دل جمعی کا باہم عہد و میثاق

ہے ایجاب و قبول اک قربِ محکم
کہ جس سے بُعد کا قصہ ہے بیباق

تزوّج میں ہیں کچھ رسمیں مروّج
جو باطل ہیں نہیں اس میں کچھ اغلاق

مصارف کچھ ہیں اسراف و ریا کے — ترتّب جن پہ ہے تعزیرِ غسّاق
نمودِ بے وجود و سُود بے بُود — نمائش بے حقیقت اور بے باق
جو سُنّت اور طریقِ انبیاء ہیں — وہی بے شبہ قصرِ دیں کے ہیں طاق
ہے عند الناس جو کچھ۔ ہے وہ فانی — ہے عند اللہ جو کچھ۔ ہے وہی باق
تزوج میں مبارک سادگی ہے — مگر ہے راہ میں ابلیسِ قزّاق
کچھ اُس کے حسن کے نوکِ پلک کو — کترتے رہتے ہیں فجّار و فُسّاق
مگر ہے سادگی ہی حسنِ اصلی — نہ واں مشاطہ ہوتی ہے نہ حلّاق
ہے اصلِ سادگی سنت کا رستہ — ہیں روشن جس سے انفس اور آفاق
مطیعِ حق ہی ہوتا ہے سرافراز — کیا جاتا ہے آخر ناخلف عاق
رہ سُنّت ہی ہے اس حق کا معیار — یہی اُس کا ہے اک مفتاح و مغلاق
اطاعت ہی میں ہے رشد و ہدایت — بغاوت کی سزا ہے نارِ حرّاق
تزوُّج خود ہے از قسمِ عبادت — ہے اُس کی خشتِ اول حمدِ خلّاق
از آدم تا بایندم با تسلسل — رہا ہے ازدواج آئین و اخلاق
ہے سنت اور فطرت آج یک جا — جو ہے تشریع اور تکوین کا اِطباق
سعید و آمنہ الحمد للہ — خود ہی محبوب بھی ہیں خود ہی عشاق
یہ دو کا میل دو کنبوں کا ہے میل — رفاقت دو کی ہے یہ سو کا ارفاق
یہ جوڑی ہے ملاپ بُلبل و گل — دلوں کا جوڑ ہے انعامِ رزّاق
گل و بلبل ہیں دو عفت کے پیکر — دوامی اس لیے ہے اُن کا الحاق
یہ دو پیکر سعادت امن کے ہیں — نہ کیوں پھر ان میں ہو دائم یہ الحاق

ہے اسمِ آمنہ میں امن منضم
سعادت ہیں سعیدِ دہر سبّاق

سعادۃ، امن، دونوں جمع ہیں آج
بہت عرصہ سے تھے سب جسکے مشتاق

اگر دو ایک مل جائیں تو ہیں زوج
الگ ایک ایک رہ کر رہتے ہیں طاق

یہاں دو بھی ہیں۔ اور دونوں ہیں پھر ایک
عجب ہے، یہ عدد ہے جفت اور طاق

محبت کا یہ گلشن تا ابد ہو،
بعرفانِ شفیق و شوقِ مشتاق

ملنساری ہے اس گھر بھر کا شیوہ
ہیں اپنوں اور پرایوں کے یہ عشاق

اس عقدِ نو سے ہو اس میں اضافہ
بڑھے الفت، محبت اور ارفاق

محبت میں ہے یاں حکمت بھی شامل
کہ ہے یہ گھر کا گھر حکمت میں مشاق

یہ حکمت اور محبت ہو دوامی
کہ ان دونوں ہی سے ہے عدلِ اخلاق

قبیلہ میں ہے جن کا فیض غالب
منوّر جن سے تھے میرٹھ کے آفاق

تھی حکمت کی حذاقت جن پہ نازاں
تھے جن پر مفتخر حکمت کے حُذاق

کبیرِ دودماں، شیخِ قبیلہ
عظیم قوم ابو العباس اسحٰق

مجسّم خیر از نورِ اکابر
سراپا علم و حکمت عینِ اخلاق

سعادت ہے سعید احمد کی لاریب
نبیرہ اُن کا ہے اور صہر مشتاق

دُلہن اولادِ اُخت اُن کی نسب میں
غرض زوجین کا ہے ان سے الحاق

دلہن دولہا ہیں نورِ چشمِ سادات
نسب نسبت کی نوعیت میں فرّاق

سعادت مند دو سعدین ہیں یہ
سعید ابنِ شفیق و بنتِ مشتاق

رہیں دونوں سلامت باکرامت
بڑھیں ان میں سدا الطاف و اشفاق

ترقی رزق اور اولاد کی ہو
بڑھیں بڑھتے رہیں یہ سارے ارزاق

رہیں تنگی و تنگدستی سے محفوظ
نہ پھٹکے پاس انکے خوفِ اِملاق

خدا یا غیب سے دے رزق ان کو
ترے ہی ہاتھ میں ہیں سارے ارزاق

عطا کر رزقِ دولت رزقِ عزت
تو ہی منعم ہے اور معطیِ ارزاق

ترے ہی ہاتھ میں ہے بادشاہی
ترے ہی نام سے چلتے ہیں آفاق

ترحم کی نگاہوں سے انھیں دیکھ
تو ہی ذوالفضل ہے اور تو ہی رزّاق

نہ ہو گر فضل اور احسان تیرا
فلا مولیٰ ولا والی ولا واق

ترقی خیر کی زوجین میں ہو
از عہدِ ابتدا تا یوم من راق

دعا طیب کی ہو مقبول یا رب
بحقِ مصطفےٰ و ز لطفِ خلاق

فكاهات

مزاحية عربية بقافية هندية

وصلت الى كشمير لغرة ربيع الاول سنة ١٣٥٢ھ و
وزرت دار الشيخ الاعظم والاستاذ الاكبر
الحبر القمقام والبحر الفهام المحدث الكبير
والفقيه الشهير العلامة السيد محمد انور
شاه قدس الله سره العزيز فى ورنو من
نواحى لولاب فاستقبلنى الاخ فى الله مولانا
السيد سيف الله شاه (اخو الشيخ) دام بقاؤه
فى الدار وذكرنى فى اثناء الحديث مصراعًا
فكاهيًا عربيًا مخلوطًا ببعض الكلمات الهندية
التى كان انشدها الشيخ المغفور له فى بعض
مجالسه خلال سفره الى پنجاب تعريضًا
لمولانا السيد مرتضى حسن رحمه الله تعالى
رفيق سفره مزاحًا فتذكرت ذلك المجلس
الممتع وما انشده الشيخ من مصراعه

شربتُ شرابَ الزُّهد والشيخ چوكس

فتجددت لى متعة ذالك المجلس وحملنى على

انشاد ابياتٍ على نمطه مع المحافظة على وزنه والقافية الهندية فى اخر الاشعار العربية فى سفر مدراس بعد المراجعة من كشمير

وهاهو ما سمح به خاطرى وجادت به قريحتى

الا يا صديقى اُترك الدّهر كلّه
فَاِنَّ متاع الدهر لغوٌ وَ بو گَس
الا انّمَا الدُّنيا قليلٌ متاعها
ولو رَحُبت ايران و توران و فارسٌ
وَمَاهِيَ اِلَّا زينةٌ ذاتُ كُدرةٍ
وقِشرٌ بلا لبٍّ وقصبٌ ولا رَسٌ
وماهى الاحاجةٌ او مذلّة
وان كثرت اربابها و هى چورَسٌ
وماهى الاحسرة او ندامة
وان ضاء وجهَ الارضِ لندن و پيرس
وماهى الا قعرُ نار و حرقة
وَلَوْ كان فيها نهر گنگا و ٹيمس
وماهى الا بحر ذُلٍّ و فتنةٍ

فمن غاص فی الامواج مــا هوچوکَسٍ
وما هی الا اغترارٌ و هُــلکــةٌ
فمن عاش مغــترًّا بها فهو ناکسٌ
فلیست بمـاء بل سراب بقیعة
ومن یغترف من غرفة فهو نزوس
فلا تستوی الدنیا جناحَ بعوضةٍ
ومن لم یشفها مُمعنـا فهو بےحِسٌ
ومن حاوزالدُّنیا جمیعًا بِـمُلْکِهِ
فما نَالَ شیئًا وهو نادارُ ومُفلِسٌ
ومن لم یکن فی بحرهـا قطرة لـه
فلا بأس فهوالآدمیُّ ومانَسٌ
وها هی ملاظلمةٌ فوقَ ظلمة
اذا اُخرج الایدی فلم یرما نَس
عِنادٌ فسادٌ ثم حربٌ وهُلکةٌ
وَشَرٌّ یفوقُ الشرَّ والمرءِ بےکَسٌ
عیوبٌ ذُنوبٌ منکراتٌ وغَفلَةٌ
هُجومُ شرورِالنَّفسِ وَالنَّفسُ بےکس
خمورٌ و نِسوانٌ ولَهْوٌ و زُخْرُفٌ
ومَنْ عَفّ یدعیٰ انـهٔ هو ناکسٌ

ففد فسد الاخلاق وانقرض الحيا
وأُخرج من قطن الديانة بُهْرُكَسْ
وقد ساد آفاقَ القلوب كدُورةٌ
وأُنزل بالطغيان والبغي دُهمَّسْ
فاين المُصلّي والمُصلّي بليلةٍ
اذا بات في قوم سنيما وسركسْ
فهذا زمان الجهل والغيّ والعمى
وَاِنْ تجْتَنِبْ تُدعىٰ بانك هُس هُس
عَماكَ عما قلبٍ وليس لِاَعْيُنٍ
وان كان يجلو العين والعين نرگسٌ
فَتَلْدَغُ ايما ناً كأنّك حَيَّةٌ
وتحفظ افساداً كأنّك تهرمسُ
ولا فوز في طول الحياة لجاهلٍ
فقد خاب ابليسٌ وما فاز كركسٌ
اذا وذروا الدين القويمَ بلهْوِهم
فصاروا غُثاءَ السيلِ وزنًا وهُم خسٌ
بعلمٍ قليلٍ ثم جهلٍ مُكثّرٍ
يقولون قولا والمقالات بوكسٌ
ولا بُدَّ للاصلاح من درسِ عارفٍ

نا وأعمى نظرةً

والّا لخاب الناسُ والناسُ ناكسٌ
يلائم دفع الشر بالخير حكمةً
وليس باهلٍ فيه هركس و ناكسَ
فقد بَعُدَ الاحسانُ وَالنُّكرُ قد دَنا
فلم يبق الا وهو خاشاكٌ او خَسٌ
لقد كنت ارجوان أَزُورَ مربّيًا
ولكنّ عِندِى ليس كارٌ وَلَا بَسٌ
ولا يجتزى ما يدعيه تقولًا
وليس على جهدٍ وسعيٍ لهُ بَسٌ
ولا ينبغى للخلق دعوىً لنفسهِ
ومن يرتكب هذا القبيح فَبَرُّ بَهَسٌ
ولا لِامرءٍ إن يغترى علم نَفسهِ
اليه ومن اهل المعارفِ كَس كَسٌ
وليس لِأرض ينتمى الفقهَ حظّها
اليه وفى الدنيا من الارض سرخس
وليس لطيرٍ يدعى طولَ عمرهِ
اذا كان فى الدنيا من الطير كركسٌ
وليس لأنبٍ يدّعى بعدًا چونسةٍ
ولو كان عند السبستيّن هافُسٌ

إِدامٌ وخبزٌ لا يلذ لِآكلٍ
اذا كان انتَ في الخوان وَأمْرَ سُ
فليس لإنسان يُمزّقُ كفرَهُ
بدينٍ - فهذا الباسُ والحقيقة خَرْخَسُ
يُمَسّخُ كالجزّار عنوانَ قوله
يقول لخمس رمخطئ القول) كهمّس
فما انت للتلبيس. جئتَ مُنادِيًّا
فانكَ وردٌ لستَ خارًا ولاخَسُ
وكن انت بين القوم كالتاج عاليًا
فما انت لِلرّجليْن خُفٌّ وساكَسُ
فتجنى إثمار ربّما أنت غارس
فتحصدُ شوكًا اوليُحْصَدَ رائس
فصر مستمرًّا هَيّنًا ثم ليّنًّا
برفقٍ واخلاصٍ يُعينُكَ هَرْكَسُ
ومن دان دينا دون لين بقلبه
فلا دين الا وهو خُشُكٌ ويَأبِسُ
وَمَن يُبغضُ الدُّنيا وينسَ نصيبه
فليس ضعيفًا بل يساويه سَلوكَسُ
ومن لم يوانِس ربّه بعقيدةٍ

فليس له منه معينٌ ومؤنسٌ
ومن ينقطع عن ربه وهو آمِلُ
فليس له مقسومٌ الا وساوسُ
وَأمّا من استغنى واثر دينَه
فليس له دنيا وعقبى يرائسُ
ومن لم يزغ ثم استقامَ بقلبه
وَهَمّ لأخراهُ فها هو ذا كسٌ
اذا كان فيكم مسلمٌ قانتٌ بدا
فلم يتقارب منه نُوقا ومرقسُ
عليك بصدق القلب والدين واستقم
ومن لم يجز هذا الطريقَ فناكسٌ
فعِلمٌ وفهمٌ ثُمّ عِشقٌ وهِمّةٌ
وبِرٌّ ونصحٌ وهي للدينِ فهرسُ
وما قيمة الدُّنيا على قدر خردَلٍ
وما هِي للدين القويم يرائِسُ
تركتُ الاماني كُلّها ترك عاقلٍ
بفهمٍ وفقهٍ والتديُّنُ انفَسُ
تركتُ لذيذ العيش من غير فكرةٍ
شَربتُ شرابَ الزهد والشيخُ جوكسُ

الٰهی تَقَبَّلْنِیْ بِشَیْخِیَ اَنْوَرٍ
کَرِیْمٍ غَزِیْرِ الْعِلْمِ فَخْرِ کَسَانْکَسْ
وَقَدْ تَمَّ هٰذَا النَّظْمُ مُرْتَجَلًا بِهٖ
لِاَوَّلِ یَوْمِ الشَّهْرِ وَهُوَ اَغُسْطُسْ

عربی نظمیں

نونیۃ الاٰحاد (مشاہیرامت)

حضرت مدظلہٗ کو عربی میں بہت کم کہنے کی نوبت آئی ہے سب سے پہلے جب کہ آپ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند سے حماسہ پڑھتے تھے آپ نے ذیل کی نظم لکھی، جس میں اُمت کے ممتاز مشاہیر کے اسماء، جو کسی نہ کسی فن یا صنعت میں یکتا گذرے ہیں، جمع کردیئے گئے ہیں اسی لیئے اس کا نام **مشاہیرامت** اور بلحاظِ قافیہ **نونِیّۃ الاٰحَادْ** رکھا گیا ہے جو حسب ذیل ہے اور کتابی صورت میں عرصہ ہوا شائع بھی ہو چکی ہے

حمد و تمہید

یا من ھدی قلبی وزان بیانی ؛ فنظمتُ عقد جواھر الازمانِ

اے وہ ذات جس نے میرے دل کو راستہ دکھلایا اور بیان کو آراستہ کیا۔ کہ میں نے زمانے کے جواہر پاروں کو بیان کی لڑی میں گوندھ دیا

اعنی بھا اعلام من فاق الوری ؛ فمضیٰ للدُّھُورِ وَمَا لَھُم مِن ثانِ

میری مراد ان جواہر پاروں سے وہ بلند پایہ ہستیاں ہیں جو مخلوق پر مختلف جہات سے فوقیت لے گئی ہیں اور زمانے گذر گئے کہ ان کا کوئی ثانی نہیں پیدا ہوا

مَنْ کانَ فردِ زمانہ فی فَنِّہ ؛ سَمَّیْتُہٗ فِیْھَا بِحُسنِ بیانِ

ان میں سے جو بھی اپنے فن میں یکتا گذرا ہے۔ میں نے عمدہ بیان کے ساتھ اس لڑی میں ٹانک دیا ہے۔

یسِّرْ مرادی لی فانت مُیَسِّرٌ ؛ کُلَّ الصِّعابِ عَزَزْتَ من رحمانِ

پس تو میری مراد کو میرے لیئے سہل فرمادے، تو ہی تمام مشکلات کو سہل فرمانے والا ہے کہ تو بے حد مہربان ہے

سرد السیوطی حبرنا واجلّنا ؛ اعنی جلال الدین ذی الاتقانِ

ان جواہر پاروں کو سیوطی جیسے متبحر عالم اور برگزیدہ امت نے سلسلہ وار بیان فرمایا ہے جس سے میری مراد شیخ جلال الدین جیسے ثابت قدم ہیں

وَلَقَدْ رَآھا الشیخ فی خط من الذ ؛ ذَھبیِّ ذی العرفان والاحسانِ

اور شیخ نے یہ اسماء صاحب عرفان واحسان علامہ ذہبی کے ایک خط میں دیکھے تھے (جس کو انھوں نے بجنسہٖ تاریخ الخلفاء میں نقل کردیا ہے)

ومتی رفعتُ لک الروایۃ مُسْنَدًا : فارِغ بسَمْعِک واعیا تبیانی

اور جب کہ میں نے تمہارے ان جواہر پاروں کی روایت سند کے ساتھ بیان کردی تو اب اپنے قلب کو میرا مدلل بیان محفوظ کرتے ہوئے متوجہ کرلو

قاسم العلوم والخیرات

(المؤسّس لدار العلوم بدیوبند)

نفسی الفداء لقاسم الخیرات ۔ وبہجتی اَفدِی لذی البرکات

فیضانہ بالعلم عمّ بحارہٗ ۔ ماواہ عند اللہ فی الجنّات

اَولی الاعاظم رتبۃً وکرامۃً ۔ اعلی الاماجد قامع البدعات

سبّاق غایات المکارم فی الحیا .... ۃِ مُؤیَّدٌ مِنْ رافع الدرجات

شمس الذکا طود العُلیٰ زین الہدیٰ ۔ کہف الوریٰ بکرامۃ الدرجات

شیخ الائمۃ مقتدی الاعلام ۔ صدرُ الاجلّۃ قبلۃ الحاجات

نصٌّ مُحِقٌّ حجۃٌ وشہادۃٌ ۔ اوآیۃ فی الکون فی الآیات

سلطان اصحاب الحقائق بالعلٰے ۔ شیخ المشائخ زبدۃ الحسنات

شیخ رشیدٌ کامل متفردٌ ۔ ہادٍ الی المخلوق بالدعوات

شرف الافاضل فائق الاقران ۔ سَبّاقُ فضل العلمِ بالغایات

اللہ فضّلہ واعلی امرہٗ ۔ رغمًا لاہل الکفر والبدعات

بدرٌ علی فلک الفضیلۃ طالعًا ۔ وعُطاردٌ قد لاح من جَوْمات

تنشق من انوارہٖ حجب الدجیٰ | ھو فی المحامد آیۃ الآیات
منہ استقام اساس دین محمد | وبہ تجدد رونق الحسنات
وبہ تلوح معالم الاسلام | وَالِی الوُلاۃ خلاصۃ البرکات
قاضٍ اذا اشتبہ الامورُ ففی الوریٰ | قاضی البریۃ رافع الشبہات
ونسر من جدواہ افئدۃ الوریٰ | رکن الشریعۃ قاسم الخیرات
سلطان ارباب المناقب کلہم | فاق الوریٰ بفضائل الحسنات
افعالہ اعمالہ حرکاتہٗ | فبانما الاعمال بالنیّات
نور الہدی عفّا رسُومَ جہالۃٍ | بدر الدجیٰ فی عالم الظلمات
ھو غیر مرئیٍّ بعین عیوننا | لکنہ بادٍ لذی اللحظات
قلبی بیابک حاضر مسترشدٌ | نظری وانّ ماینظر البرکات
انی اری فی القلب حبک دائمًا | ویلوح فی الحرکاتِ والسکنات
واللہ ماالتقت الجفون بنظرۃ | الاوذکرک قائم بالذات
انی ارئک وان خفیت بتربۃٍ | بمسالخ الغدوات والروحات
بینی وبینک فی المحبۃ نسبۃٌ | مستورۃ من عالم الآفات
من قبل خلق اللہ طینۃ آدم | روحی تعارف روحکم بالذات
ومن القلوب الی القلوب شواھد | یشہدن قبل تشاھد الحالات
ید عولک العبد الفقیر مضرعًا | رفع المراتبَ رافعُ الدّ رجات

اُوزانِ مبالغہ

درسِ مقامات کے ذیل میں بزمانۂ طالبعلمی مبالغہ کے مشہور چار صیغوں

مِفعال فَعُول مِفعَل فَعَّال کا فرق و امتیاز حضرت مدظلہٗ کو یاد نہیں رہتا تھا اس لیے ان کے فروق آپ نے نظم کر لیا تھا جس کے بعد پھر کبھی اُس سے ذہول نہیں ہوا اور جب مشکوٰۃ شریف کا درس آپ سے متعلق ہوا تو طلبہ نے بھی اسکی نقلیں لے کر یادداشت کا فائدہ اٹھایا۔

تُرِید فروقَ اوزان فسمعًا — لِامرِكَ یا بُنَیَّ وما تقولُ
ھی الاوزان اربعۃ تراھا — بنظمٍ عن لحاظك لا یزولُ
فمفعال متی تعتاد فعلًا — وَاَنْ تقویٰ علی فعلٍ فعُولُ
ومن ھو عُدَّۃٌ للفعل مِفعلْ — وقوّال یکرّر ما یقولُ

سبعۃ اَحرف

معانی حدیث انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرف

بزمانہ درس مشکوٰۃ شریف

نزول کتاب اللہ فی سبع احرف — تعدُّد لفظٍ لا عداد معانٍ
فاما لغات من قبائل سبعۃٍ — فصاحتھا امتازت بحسن بیانٍ
قریشٌ ھُذیلٌ ثم طیٌّ ھوازنٌ — ثقیفٌ تمیمٌ ثم اھل یمانٍ
واِمّا قراآتٌ بانواع لھجۃ — تسبَّعَھا القراءُ بالاتقان
واِمّا یُراد بسبعۃ تنویعھا — انواع احکام من القرآن
حلالٌ حرامٌ محکمٌ متشابہٌ — فزجرٌ وامرٌ والمثال بشان

ہر قسم کی عمدہ و ارزاں کتابیں ہمیشہ اس پتہ سے منگا لیجئے :-
کتب خانہ قاسمی دیوبند۔ یوپی

نونیۃ الاحاد

(مشاہیر امت)

حضرت مدظلہٗ کی یہ طویل اور مشہور عربی نظم اس کتاب کے صنٓ۲۶ پر لکھی گئی مگر غلطی سے اُس جگہ مکمل نظم درج نہیں ہو سکی، بلکہ صرف ابتدائی چند شعر ہی لکھے گئے، اس لیے یہاں مکمل نظم پیش ہے۔ یہ نظم کتابی صورت میں کئی بار شائع ہو چکی ہے جس میں ہر صاحب فن کے نام کے ساتھ اُس کے فن اور مہارتِ فن کی مختصر مختصر تاریخ بھی ہر شعر کے نیچے اُردو میں دی گئی ہے یہاں طوالت کی وجہ سے تاریخ کا حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ صرف ترجمۂ اشعار کا حصہ لے لیا گیا ہے۔

(مرتب)

یا من ھدای قلبی و زان بیانی فنظمت عقد جواھر الازمان

اے وہ ذات جس نے میرے دل کو راستہ دکھلایا اور بیان کو آراستہ کیا، کہ میں نے زمانے کے جواہر پاروں کو بیان کی لڑی میں گوندھ دیا۔

اعنی بھا اعلام من فاق الوریٰ فمضی الدھور و ما لھم من ثان

میری مراد ان جواہر پاروں سے وہ بلند پایہ ہستیاں ہیں جو مخلوق پر مختلف جہات سے فوقیت لے گئی ہیں اور زمانے گذر گئے مگر ان کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔

من کان فرد زمانہٖ فی فنّہٖ سمّیتُہٗ فیھا بحُسن بیان

ان میں سے جو بھی اپنے فن میں یکتا گذرا ہے، میں نے عمدہ بیان کے ساتھ اس لڑی میں ٹانک دیا ہے

یسّر مرادی لی فانت مُیسِّرٌ　　　　کلَّ الصِعابِ عزت من رحمانٖ

پس تو میری مراد کو میرے لیئے سہل فرما دے تو ہی مشکلات کو سہل فرمانے والا ہے کہ تو بے حد مہربان ہے۔

سَرَدَ السیوطی حبرنا واَجلّنا　　　　اعنی جلال الدین ذا الاتقانٖ

ان جواہر پاروں کو سیوطی جیسے متبحّر عالم اور برگذیدۂ امت نے سلسلہ وار بیان فرمایا ہے جس سے میری مراد شیخ جلال الدینؒ جیسے ثابت قدم ہیں

ولقد رآ ھا الشیخ فی خطٍ من الذ　　　　ھبّی ذی العرفان والأحسان

اور شیخ نے یہ اسماء صاحب عرفان واحسان علامہ ذھبیؒ کے ایک خط میں دیکھے تھے (جس کو انھوں نے بجنسہٖ تاریخ الخلفاء میں نقل کردیا ہے)

ومتی رفعت لک الروایۃ مُسنَدًا　　　　فارع بسمعک داعیًا تبیانی

اور جبکہ میں نے تمہارے سامنے ان جواہر پاروں کی روایت سند کے ساتھ بیان کر دی تو اب اپنے قلب کو میرا مدلل بیان محفوظ کرتے ہوئے متوجہ کر لو کہ میں اصل مطلب شروع کرتا ہوں

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اخلاق وعلمِ نبوت اور علمِ انساب

اور حضرت ابو بکر صدیقؓ

قدکان أرحمُ اُمَّۃٍ مرحومۃٍ　　　　صدیقھا بالصدق والاِحسانٖ

امت مرحومہ کے سب سے زیادہ رحیم وکریم فرد سچائی اور خوبی کے ساتھ صدیق امت (ابو بکرؓ) تھے۔

ثم النسابۃ حبرھا فی عصرہٖ ۔ فی ھوذا الرحیم فجاء فردًا وان

پھر علمِ انساب میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے واقف کار یہی رحم والے (صدیق اکبرؓ) تھے جو علمِ انساب میں زمانے کے یکتا شمار ہوئے ہیں

شدۃ فی الدین

اور حضرت عمر فاروقؓ

واشدّھم فی دینہٖ فاروقہٗ ۔ عُمرُ ابن خطاب جلیل الشانِ

اور سب سے زیادہ امورِ دین میں سخت اور قوی دینِ اسلام کے فاروق تھے جو کہ جلالت کی شان رکھنے والے عمرؓ ابن خطاب ہیں۔

صفتِ حیاء

اور حضرت عثمانِ غنیؓ

عثمانُ اصدقھم حیاءً صاحبُ ۔ النورین ثمۃ جامع القرآن

سب سے بڑے حیاء دار عثمان غنیؓ ہیں، جو ذی النورین اور جامع القرآن تھے

علم القضاء

اور حضرت علیؓ

وکذاک اقضاھم علیٌّ حامیُ ال ۔ احسان ثمّۃ ماحیُ العدوان

اور حضرت علی عدل وانصاف کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر قاضی اور مقدمات فیصل

کرنے والے تھے جو خوبی کے تھامنے والے اور بیجا امور کے مٹانے والے تھے

حق گوئی
اور حضرت ابوذر غفاریؓ

اما ابوذر فأصدق لهجةً فيهم وأتقاهم من النيران

حضرت ابوذر غفاریؓ صحابہ میں سب سے بڑے حق گو اور نارِ جہنم سے نہایت ہی بچنے والے تھے

امانت داری
اور حضرت ابوعبیدہ ابن جراح

وابو عبيدة في الامانة واحد فهو الامين لكل ذي ايمان

اور حضرت ابوعبیدہ امانت داری میں یکتا تھے، وہ بذاتہ بھی امین تھے اور ہر ایمانداری کے حق میں امین تھے۔

شجاعت
اور حضرت خالدؓ ابن ولید

اين الشجاعة من شجاعة خالد قد كان اشجع نازلي الميدان

کسی کی شجاعت حضرت خالد ابن ولید کی شجاعت کو کہاں پہونچتی ہے، وہ میدان میں کود پڑنے والوں میں سب ہی سے بڑھ کر شجاع و بہادر تھے

سيف صيقل من سيوف الله في اعناق اهل الشرك والكفران

خدا کی تلواروں میں سے ایک بھاری تلوار تھے مشرکوں اور اہلِ کفر کی گردنوں کے لیے

علم تجوید و قرارت
اور حضرت اُبیؓ ابن کعبؓ

وسما ابن کعب فی القراءۃ رتبۃ　　فیہم فأضحیٰ أقرءَ الا قـران

اور صحابہ میں حضرت ابی ابن کعب کا رتبہ تجوید و قرات کے لحاظ سے بہت بلند تھا کہ وہ ہمعصروں میں سب سے بڑے قاری شمار ہوئے

علم تفسیر

اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ

أما بن عباسٍ فواحد عصرہٖ　　فی کشفہٖ لمعارف القـرآن

اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ قرآن دانی اور علم تفسیر میں یکتائے زمانہ تھے

علم فرائض

اور حضرت زیدؓ ابن ثابت

حاز الفرائضُ علمہا متفردًا　　زید ابن ثابتُ الکریم الشـان

علم فرائض کو یکتائی کی ساتھ حضرت زیدؓ ابن ثابت نے جمع کیا جو کہ کرامت کی شان رکھتے تھے

علم الوعظ

اور حضرت حسن بصریؒ

حَسَنٌ ببصرۃٍ قد أقامَ مذکرًا　　فغدا فریدًا مالہٗ من ثـان

حسن بصری بصرہ میں تذکیر و وعظ کے لیے جو کھڑے ہوئے تو اس فن وعظ و پند و تذکیر میں ایسے یکتا نکلے کہ کوئی اُن کا ثانی نہیں ہوا۔

علم القصص والتاریخ

اور حضرت وہب ابن منبّہ

وفریدہم قصصًا ھو ابنُ منبّہٍ　　فی العصر وھو العالم الـربّانی

قصص وتاریخ قدیم میں وہب ابن منبہ یکتائے روزگار اور ایک عالم ربانی تھے

علم تعبیر رؤیا
اور حضرت ابن سیرین بصریؒ

امّا ابن سیرین فاعبر عصرہٖ　　فالقول منہ فیہ ذو اتقانٖ

ابنِ سیرینؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے معبر تھے، پس تعبیر خواب کے بارے میں ان کا قول نہایت ہی پکا قول ہے۔

علم التصوف
اور حضرت جنید بغدادیؒ

وجُنَید قطب الزمانِ امامھم　　علم التصوف کامل العرفانِ

اور حضرت جنید صوفی تصوف میں رأس رئیس اور معرفت کے استاد گذرے ہیں۔

علم المعرفۃ
اور ابو علی حضرت فضیل ابنِ عیاضؒ

وفضیلٌ بن عیاض البرالتقی　　قد کان أعبدَ عابدی الرحمٰنِ

اور فضیل بن عیاض جو مشہور اہل خیر اور متقی ہیں اللہ رحمٰن کے عبادت گذاروں میں سب سے بڑے عابد گذرے ہیں۔

علم القراءۃ
اور حضرت امام نافع مدنیؒ

ھذا وأنفعھم وأقرءُھم لھم　　ھو نافعٌ بقراءۃ القرآنٖ

لوگوں کے لیے نافع اور ان میں قراءتِ قرآن کو بہترین طریقے پر ادا کرنے والے امام نافعؒ مدنی ہیں

علم تاویل القرآن
اور حضرت مقاتل ابن سلیمانؒ

ومقاتلُ قد سابق التاویل أی تاویلَ اهلِ الحقِ والإیمانِ

اور مقاتل ابن سلیمان تفسیرِ قرآن میں بہت آگے ہیں یعنی اہلِ حق کی تفسیر و تاویل میں نہ کہ اہلِ باطل کی تاویل میں۔

فمدارهُ تاویل اهل العلم لا تاویل اهل الجهل والخذلانِ

ان کی تفسیر کا مدار اہلِ علم کی تاویل و تفسیر پر ہے نہ کہ اہلِ جہالت اور ذلت کی تاویلاتِ رکیکہ پر

علم القصص
اور حضرت ابو نصر محمد ابن السائب کلبیؒ

وتفرد الکلبیُّ فی قصص القرآنِ فکان یَرْوِیهِ علی الاتقانِ

اور کلبیؒ قصصِ قرآن کی روایت میں یکتا گذرے ہیں پس قصص کو نہایت ہی پکی روایتوں میں لاتے تھے

علم الفقہ
اور حضرت امام ابو حنیفہؒ

والفقهُ فیه ابو حنیفة فردهم فی جودة الرأی البدیع الشانِ

اور فقہ تو روایت اور درایت کی خوبی اور اپنی شان کی نُدرت میں ابو حنیفہؒ ہی کا فقہ ہے۔

(بقول امام شافعیؒ بعد کے سارے فقہاء فقہ میں ابو حنیفہؒ کی اولاد ہیں)

علم معرفۃ الحدیث
اور حضرت امام شافعیؒ

والشافعی من الائمة کان فی فِقهِ الحدیث مُسَلَّمَ الاقرانِ

ائمۂ کرامؒ میں سے امام شافعیؒ حدیث کے احوال وکیفیات سمجھنے کے علم میں یکتائے روزگار تسلیم کیئے جاچکے ہیں۔

علمِ حدیث
اور حضرت امام مالکؒ

من کان أعلم دهره هو مالك   نشر العلوم بسائر البلدان

اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم امام مالکؒ تھے جنھوں نے تمام بلادِ اسلامیہ میں علم کو پھیلایا۔

عمل بالسنۃ
اور حضرت امام احمدؒ ابن حنبل

والمقتفي سُنَنُ النبي فأحمدُ   لله درُّك من إمام زمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن پر چلنے والے تو بس امام احمدؒ تھے۔ خدا بھلا کرے اس امام وقت کا۔

علم معرفت العِلَل
اور حضرت علی ابن مدینیؒ

وکذا علي ابن المديني في العِلَل   في عصره أضحى وحيدُ زمان

اور ایسے علی ابن مدینیؒ علل حدیث کے علم میں اپنے زمانے کے فرد اور یکتا ہوئے ہیں۔

علم الخلافیات
اور حضرت محمد ابن نصرؒ

علم الخلاف إمامه وزعيمه   هو ابن نصر السابق الأعيان

مذاہب سلف کے علم میں امام اور اس کے ذمہ دار ابن نصرؒ تھے جو اعیان پر گویا سبقت لے گئے۔

علم العوالی
اور ابوالقاسمؒ

اصل العوالی من ابی القاسم جَرٰی　　قد کان مسکنہ لفی الطبرانِ

عوالی میں ابوالقاسم جن کا وطن طبران ہے　　اصل اصول اور بلند پایہ ہوئے ہیں

علم المغازی
اور ابنِ اسحاقؒ

أمّا ابن اسحاق ففی نقل المغا　　زی للنّبی فواحد الازمانِ

لیکن ابن اسحاقؒ مغازی اور غزواتِ نبی کی روایت میں یکتائے روزگار ہوئے ہیں

علم اسماء الرجال
اور حضرت ابنِ معینؒ

قد کان احفظ علم اسماءِ الرجا　　ل ابن المعین البارع الأقرانِ

علم اسماء رجال میں نہایت بلند پایہ حافظ ابن معین ہیں جو ہم عصروں پر فوقیت لے گئے

علم نقد الحدیث
اور امام بخاریؒ

وکذاک فی نقد الحدیث محمد　　وھو البخاریُّ العزیز الشانِ

فنِ حدیث کے نقد و تبصرہ میں بلند پایہ فرد امام محمد ابن اسماعیل بخاری ہیں جو غلبہ کی شان رکھتے تھے۔

السیاحۃ
اور ابن مندہؒ

وکذا ابنُ مَنْدَۃَ فی السیاحۃِ وحدُہٗ ۔۔۔ جوّابہم لسباسب القیعان

اسی طرح ابن مندہ سفر کرنے میں یکتا تھے ۔۔۔ جنھوں نے تمام میدانوں اور جنگلوں کو چھان مارا

فن ظواہر
اور ابن حزم ظاہری

وکذا ابن حزم ظاہری فی الجمو ۔۔۔ وعلی الظواہر سابق الاقران

اور ایسے ہی ابن حزم ظاہری ظواہر نصوص پر جمود رکھنے میں اپنے ہم عصروں سے بڑھے ہوئے ہیں

علم الکلام
اور امام ابوالحسن اشعری

اما الامام الاشعری فانّہٗ ۔۔۔ علم الکلام وصاحب البرہان

لیکن امام ابوالحسن اشعری علم کلام کے ایک کھلے نشان ہیں اور صاحب حجت و برہان ہیں

علم اداء القرآن
اور خطیب بغدادی

اما الخطیب ففی القراءۃ سرعۃ ۔۔۔ فی عصرہ اضحی فرید السنان

لیکن خطیب پس سرعت قرات میں ۔۔۔ اپنے زمانے کے یکتا ہوئے ہیں ۔

علم طب
اور محمد ابن ذکریا رازی

ومحمد فی الطب سابق عصرہٖ ۔۔۔ بحذاقۃٍ ومھارۃٍ وبیان

اور محمد ابن ذکریا فن طب میں اپنے زمانے میں بڑھا ہوا تھا، حذاقت، مہارت اور بیان مسائل طب میں ۔

فنِ ادب
اور ابو محمد حریریؒ

وتفرّد الحبرُ الحریری فی المقا ‌‌ ‌ ‌ مات اللتی نُسِجَتْ بحُسنِ بیانِ

اور حریری مقامات نویسی میں یکتا تھا گویا مقامے ترتیب بیان کے سبب اُس نے کپڑے کی طرح بُن دیئے تھے

علم الشعر
اور حبیب طائی

وحبیبُ الطائیُّ ابلَغُ حکمۃً ‌ ‌ ‌ وکذاک احمد صاحبُ التبیانِ

اور حبیب طائی شعر میں اور اسی طرح متنبی صاحب تبیان حکمت کے درجے کو پہونچے ہوئے تھے

علم التشبیہ
اور بحتری

والشعر شعر البحتریّ اجازۃ ‌ ‌ ‌ إذ کان فی تشبیہ ذا اِتقانِ

اور طرح کے لحاظ سے شعر شعر بحتری کا تھا کہ صنعتِ تشبیہ میں نہایت پختہ ہوتا تھا

علم محاضرۃ الادباء
اور ابوالفرج اصبہانی

رأس محاضرۃ ابو الفرج الذی ‌ ‌ ‌ ھوا صبہانی لدیٰ استیطانِ

ادیبوں کے کلام کا جامع اور اس صنعت میں رأس رئیس ابوالفرج اصبہانی گذرا ہے

صنعت انشاء
اور قاضی فاضل

والفاضل القاضی غدا فی عصرہٖ   فی صنعۃ الانشاء ذا اتقانٖ
اور قاضی فاضل صنعتِ انشاء پردازی میں اپنے زمانے کا پختہ کار تھا

فنِ خطابت
اور ابن نباتہ

احلاھم خطبًا فابن نباتۃٍ   شھدوا بانّ لہٗ جلّی بیانٖ
فن خطابت میں شیریں بیان ابن نباتہ تھا   جس کے کھلے کھلے بیانات کی اہل نظر نے

شہادت دی ہے۔

علم النوادر
اور اصمعی رح

والاصمعیُّ اماھم وفریدھم   فی حفظ النّوادر الا زمانٖ
اور اصمعی امام اور یکتا تھے   نوادر اور عجائبات عالم کی یادداشت میں

علم النحو
اور سیبویہ

والنحو علم سیبویہ امامہ   فتری النحاۃ لہم ذوواأذعانٖ
علم نحو کا امام سیبویہ تھا۔ اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ تمام نحوی اس فن میں اسکا اعتبار کرتے ہیں۔

علم العروض
اور خلیل ابن احمد

اما الخلیل ففی العروض قد ارتقٰی   اوجَ الکمال فصارَ ذا سُلطانٖ
اور خلیل فنِ عروض میں اس قدر اوجِ کمال پر چڑھا کہ اس فن کا بادشاہ بن گیا۔

علمِ نجوم
اور ابو معشر

ابو معشرٍ فرد النجوم فریدھم　　ضبط البروج وکان ذا امعانِ

علمِ نجوم کا امام ابو معشر تھا۔ نجوم کے بروج اور زائچے وغیرہ نہایت گہری نظر سے اس نے ترتیب دیئے ہیں۔

صنعتِ خوش نویسی
اور علی ابن ہلال

اما علی ابن الہلال ففردھم　　فی حُسنِ خطٍّ یالہ من شانِ

لیکن علی ابن ہلال لوگوں میں یکتا تھا　　حُسنِ خط اور خوشنویسی میں اسکی عجیب شان تھی

فنِ منطق
اور شیخ ابو علی سینا

اما ابن سینا القرمطی فمُصانِعٌ　　للمسلمین بمنطق الیونانِ

لیکن ابن سینا قرمطی نے مسلمانوں میں　　منطقِ یونان کو پھیلایا اور اس میں فائق تھا

یونان ما الیونان اکثر اھلھا　　اھل الضلالۃ قدوۃ الشیطانِ

کون یونان؟ وہی یونان جس کا علمی طبقہ عامۃً بوجہ دماغی تخیلات کو مدارِ عقائد ٹھہرانے کے گمراہ ہوا ہے اور شیطان کا بھی مقتدا بن گیا ہے۔

ما عندھم نورٌ من الانوار بل　　ھم فی ظلام الجھل کالعمیانِ

ان لوگوں کے پاس انوارِ الٰہیہ کا کوئی نور نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے علم نما جہل میں اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتے رہتے تھے۔

صنعتِ اعتزال
اور ابو علی جبائی

وابوعلی قد تفرد مبدعا للاعتزال فصار ذا بطلانِ

اور ابوعلی جبائی یکتا ہوا ہے اعتزال ہیں، گویا موجدِ اعتزال ہے اور اسی لیئے حق کما حقہٗ نہ پا سکا۔

فنِ موسیقی
اور موصلی اور معبد

والموصلی و معبد فکلاھما فی حسن صوت والغناء فردانِ

اور موصلی اور معبد دونوں کے دونوں حُسنِ لحن اور موسیقی ہیں فرد ہوئے ہیں۔

صفتِ کذب
اور ابوالحسن کذاب

أمّا ابوالحسن الکذوب فإنہ فی کذبہ قد صار ذا خسرانِ

لیکن ابوالحسن وہ اپنے جھوٹ ہیں ٹوٹا ہی کماتا رہا ؛

صفتِ بزدلی
اور عطاء سلمی

أمّا عطاء بنی سلیم قد غدا فی الجبن فردا سابق الاقرانِ

اور عطا سلمی، بزدلی اور نامردی ہیں یکتائے زمانہ تھا

صفتِ طمع
اور اشعب طماع

والغِزُّ اشعبُ واحد فی حِرصِہٖ مانال ذو طمع سوی الحرمانِ

اور بے چارہ اشعب بھولا بھالا اپنی حرص وطمع میں یکتا تھا۔ حالانکہ لالچی کو محرومی کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔

صفتِ بخل

اور مادر

والبخل اجمعہ بضاعۃ مادر والبخل اقبح دیدن الانسانِ

اور کنجوسی کل کی کل مادر کا حصہ تھا، حالانکہ کنجوسی انسانوں کے حق میں بدترین طریقہ ہے۔

ذنب وخطا

اور ناشر قصیدہ

أما الذنوب قراب ارض ملئھا ثم العیوب وسائر العصیانِ

ہاں زمین بھر گناہوں پھر عیوب اور عام کوتاہیوں

ثم الخطایا والنقائص کلھا ثم الخلوّ عن الکمال الدانی

پھر خطا کاریوں اور عموماً تمام نقائص پھر کمالات قرین صواب سے عاری ہونے میں

فیھا فواحد عصرہٖ ھو طیّب ملءُ الندامۃ راجی الغفرانِ

ان تمام باتوں میں جو یکتائے زمانہ ہے وہ طیّب (ناظم قصیدہ) ہے، مگر ساتھ ہی ندامت سے پر ہے اور اللہ کی مغفرت کا امیدوار ہے

یا ربّنا اتمم لنا انوارنا بنبیک المختار من عدنانِ

اے ہمارے پروردگار ہمارے لیئے نور کو مکمل فرما طفیل میں اپنے برگذیدہ نبی کے

جو آلِ عدنان میں سے ہوئے۔

واغفرلنا اسرافنا فی امرنا　　واشمل بعفوك كل ذی ایمان

اور دین میں ہمارے حدود سے گذر جانے کو بخشدے اور اس معافی میں تمام ایمانداروں کو شامل فرما۔ آمین۔

سازِ امکانی

حضرت مدظلہٗ کی یہ نظم القاسم قدیم بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوئی ہے، تاخیر سے دستیاب ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی فہرست میں نہ آسکی (مرتب)

زبوں اندوزیوں نے گھر بنایا ہے کہاں میرا　　تری اپنی زمیں ہے اور زمیں ہے آسماں میرا
نہیں قسمت میں جن کی کشف میں وہ رازِ پنہاں ہوں　　نہیں ہے بزمِ گردوں میں بھی کوئی رازداں میرا
سراسر نیستی ہو جس میں پنہاں میں وہ ہستی ہوں　　چمن میں باغِ امکاں کے عدم ہے آشیاں میرا
میں وہ کشتی ہوں جس کا ناخدا آغوشِ طوفاں ہے　　فنا کے تند جھونکوں پر چلا ہے بادباں میرا
اس عالم کے مرقع میں میں اک تصویرِ باطل ہوں　　سرابِ وہم کی موجوں میں ملتا ہے نشاں میرا
صدف ہوں پھر بھی اک نایاب سا اس بحرِ ہستی کا　　کہ صد چشمک زنِ لؤلؤ ہے اشکِ خونچکاں میرا
ہویدا کچھ نہیں گو چشمِ غم سے نورِ گویائی　　میں خودِ غم کی زباں ہوں غم اگر ہے بے زباں میرا
عنادل کے ترنم سے الگ ہے زمزمہ اپنا　　نہیں صحنِ گلستاں میں کوئی ہم داستاں میرا
میں موسیٰ بن کے گو منت کشِ طورِ تمنا ہوں　　مگر کرتی ہے حرماں کی تجلی امتحاں میرا

مُدام مست می دارد شرابِ صد طپیدنہا
خرامم می کند در دستِ حسرت صد دویدنہا

تمت